

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_226479

UNIVERSAL
LIBRARY

TEXT FLY WITHIN THE
BOOK ONLY

**TEXT CUT WITHIN
THE BOOK ONLY**

THE REFUTATION OF MIRZA-E-QADIANI.

اِنَّ لِيْ فِيْكَ ضَرْبًا لَّنْ كَسِبْتَنِيْ بِهٖ اَسْحٰ كَاخِرِىْ خَلْبِ دِجَالِ سَ
تجہ کو میرے ہاتھ کی ایک مار کھا رہا ہے اور تو اُس سے بچ کے نہیں جاسکتا

ضربت عیسوی

یعنی

ابطال مرزا

مصنف

سلطان القلم مسٹر اکبر مسیح صاحب مرحوم مصنف

تألیف القرآن فصاحت القرآن - منارة البیضا وغیرہ

پنجاب راجن پک سوسائٹی ماندرلی لاہور

۱۹۲۶ء

بار دوم ۱۰۰۰

P. R. B. S., LAHORE.

قیمت

وساچہ

زبان کہ از قرائل بے گمراہ شدند زبان رسن تو سوسے ورون پد شدند

رسالہ ضربت عیسوی ان سلسلہ وار مضامین کا مجموعہ ہے جو مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے ریویو کے جواب میں لاہور کے رسالہ ترقی سن ۱۹۰۹ء میں شائع ہوتے رہے۔ ان میں جا بجا اضافہ بھی کیا گیا تاکہ بالبعد کی نکتہ چینیوں کی رعایت ہو جائے۔ جن لوگوں کو ضرورتاً مرزا جی کی تصنیفات پڑھنے کا ناگوار اتفاق ہوا ہو گا وہ خوب جانتے ہیں کہ مظاہرین فحش بیانی سخت کلامی بدزبانی بلکہ گالی کو سننے کا مرزا جی نے گویا کمر سے پھٹک لے لیا۔ آپ اس فن کے جگت استاد مانے جاتے ہیں۔ ہر مذہب کے بزرگوں کو ایک آنکھ سے دیکھتے ہیں۔ آپ کے دست و زبان سے کسی مومن کو امان نہیں۔ بلکہ حق تو یہ ہے کہ آپ ہی کی انشایہ درازی کی بدولت گہر و مسلمان کا چلن بگڑا۔ اور یہ ایک ایسی صفت ہے جو مرزا صاحب کی تحریرات کو ایک معنی میں لا جواب کر دیتی ہے اور میدان یقیناً آپ سے اس زبان درازی کی انتہا ملے۔ نمونہ از خود در یہ ہے کہ مقدس پویش تو شہر لیسان رئیس المفسرین ہوتا ہے۔ ورمیم حدیقہ کو پانی پی کر ہوتا ہے۔ ”میں کا بیاباں ضرور سے گا“ (دیکھو! شہنشاہ روحی احمد نقشاں سورنہ ۴ جنوری ۱۹۰۹ء اور مکتوبہ بی ص ۹۵) سنمانے بر زبان خود آورد کہ بجز شیطان لیسین بیچ کس ہاں گوئے کلمہ بخند۔ اسی شائستگی کی تلافی ہے (دیکھو مکتوبہ ص ۵۳) اور دوسرے اگر کسی مذہبی پیشوا کی نسبت کوئی بے ادبی کا کلمہ نکالا ہو گا تو اپنی ذاتی ذمہ داری پر۔ مگر یقیناً آفرینی مرزا صاحب کے حامل وحی کا حصہ ہے اور یہ کلام آپ ہی پر نازل ہوا اسے اس حدیث تیرہ ہوں پر جا۔ ہی ہو رہی ہے۔ رسائل ماربد ص ۵

ہی کے ہاتھ رہ جاتا اگر ایسے مبارز نہ اٹھ کھڑے ہوتے جیسے ضمیمہ
 جس نے قادیان کی لڑکی تمام کر دی۔ یہی تو وجہ ہے کہ عیسائی آپ کی
 بند کر کے گزر رہے ہوں انہوں نے ہمیشہ آپ کا ادب کیا اور دبتے پر
 آتے مروجہ کے جنگ مقدس کو ہم شمار نہ کریں تو عیسائیوں کے
 نے بھی آپ سے ہم کلام ہونا عار سمجھا۔ اور طرح سے بھی عیسائیوں کا یہ سکو
 نہ تھا۔ مرزا جی مہدی مسودہ ہوں یا دجال مردود۔ آپ جو کچھ میں اسلام کے حق
 میں میں گمراہ کیا آپ نے تو مسلمانوں کو راہ پر لگا یا تو مسلمانوں کو۔ پودھوں صدی
 کے سر پر آپ اسلام کو زندہ کرنے آئے اور مسلمانوں کے عظیم الشان امام بنے۔
 مارا آپ کو مسلمانوں نے۔ مانا آپ کو تو مسلمانوں نے۔ انہوں نے آپ کی واجبی آؤ بھگت میں
 کچھ اٹھا نہیں رکھا بس نقول

سے چو کا رسے بے نقول من برآید مراد وہ سے سخن گفتن نشاید
 عیسائیوں کو پرانے پٹھے میں پاؤں ڈالنے کی کیا فکر درت تھی۔ ہاں کہ صلیب
 کا دھول آپ بجا تے رہے مگر ان کو اس کی کیا پروا جب وہ انکھوں سے دیکھ رہے
 میں کہ تہ وستان کے اوپر صلیب کا جھنڈا برابر ہمارا ہے۔ جس کے تلے وہ خود امن
 سے رہتے ہیں اور آپ کو بھی یہ ایک بینی و دو گوش سلامت رہنے دیتے ہیں۔ اُنکے
 گرجوں کے سناروں پر صلیب بدستور بلند ہے اور ہر سال نئے صلیب نصب ہوتے رہتے
 ہیں اور ہوتے رہتے۔ اور گو مرزا جی ایک صدی کی چوختائی کسر صلیب کی کوشش
 میں رہا تو چلے گرجہ بھی دم نزع آپ قابل تر رہی حسرت سے یہی روتے سنائی دے
 یاد آتی (دنی کسو صلیب ہم)۔ اے میرے رب اُن کے صلیب کا ٹوٹا محکوم دکھا
 (نور الحق جلد ۱) آخر انسان آرزو میں کب تک جی سکتا ہے اس سے تو اندھی آنکھ
 نھندی جو صلیب نہیں دیکھتی۔ واسے ناکامی ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔

اب آپ اس امید میں جیتے ہیں کہ میری طرح ٹیرے بعد کوئی اور سچ ابن مریم بھی آوے، اور پس مرگ میرے مزار پر دیا جلا جاوے (ازالۃ الایام ص ۴۴۵)

مرزا جی کو سرسید مرحوم کی ہمیشہ شکایت رہی کہ انہوں نے آپ کو مجنون اور پاگل قرار دے کر کبھی منہ نہ لگایا (ایضاً مکالمات ص ۲۳۱)۔ مبادا عیسائیوں سے بھی مرزا جی کو شکایت رہ جائے۔ اس لئے ہم آپ کے جواب میں یہ تھوڑا سا لکھتے ہیں جس کو بہت کام دینا ہے۔ اور اس طرح گویا آپ کے خیالات کو گمنامی کے کوچوں سے باہر نکال کر عیسائیوں کو سنائے دیتے ہیں۔ مگر ہم کو تہذیب کا اور اپنے ناظرین کے سنجیدہ مذاق کا بہت خیال ہے۔ اس لئے جو کچھ سب و شتم انہوں نے ہمارے بزرگوں اور ہمارے مقدس دین کے حق میں روا رکھا اس کو ہم طاق نسیان پر رکھ کر اپنے کام میں مصروف ہوئے ہیں۔ مگر پھر بھی ناظرین انصاف آئین کی خدمت میں گزارش ہے کہ اگر کہیں ہمارا قلم تنگ جائے تو ہم کو مسترد کر رکھیں۔ کیونکہ اگر کوئی بانس کا ایک سونٹا لے کر آئے اور یہودیوں عیسائیوں اور مسلمانوں کی ایک سنجیدہ مجلس کو لٹکار کر کہے کہ یہ وہی عصا ہے جس سے ہے جو فرعون کے آگے اڑدیا گیا تھا اور جس نے بحر قلزم کو دو حصہ کر دیا تھا۔ تو کہاں تک کوئی اپنی مناسبت کو نباہ سکے گا۔ سری نگر کی قبر کے متعلق جناب مرزا جی کے دعاوی اس سے بھی زیادہ ہنسائے والے ہیں اور ہم بھی خوب ہنسنے۔

عضی آدم رب

بحث عصمت انبیاء

عیسائیوں کا عقیدہ عیسائی اپنی کتب مقدسہ کی بنیاد پر ہے کہ اس بات کے قائل ہیں کہ جو مسیح مکتہ اللہ کے جو پاک بے ریا بے غیب گنہ گاروں سے جدا اور آسمانوں سے بلند ہے (عبرانی کتب) ہر انسان نبی ہو یا دلی کبھی نہ کبھی اپنے خدا کی حکم عدولی کر کے گنہگار اور عاصی ہو گیا اور ابو البشر آدم کی طرح توبہ کرتا ہوا اور یہ کہتا ہوا اپنے خدا کے آگے گرا رہتا تھا **لَمَّا تَبَايَعْنَا لِنَفْسِنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ** اے ہمارے رب ہم نے برا کیا اپنی جان کا اور اگر تو نہ بخشے ہم کو اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم ہو جاویں نامراد (اعراف طع) یہ ایک ایسا سیدھا اور سچا مسئلہ ہے کہ اہل کتاب کے صحیفہ ربانی کی قرآن شریف نے جس کی تعریف قصص قلمائیں دیکھ رہے ہیں پوری تصدیق کر دی۔ پھر جب نص قرآن سے ثابت ہو گیا کہ انبیاء بھی دیگر انسانوں کی طرح اپنے ذنب کا اقرار کر کے طلبگار مغفرت ہوئے اور آنحضرت کو بھی بار بار ایسا کرنے کی فمائش و تاکید ہوئی تو چاہے کتاب ہی زبردست مستحکم کیوں نہ ہو عصمت انبیاء کی بحث میں عاجز رہ گیا:

اہل اسلام کا عقیدہ جس طرح اہل کتاب نے اپنی کتب آسمانی کی بنیاد پر عصمت انبیاء سے عموماً انکار کیا اسی طرح اہل اسلام کے درمیان بھی محققین گذر چکے اور اب بھی موجود ہیں جن کو تبعات قرآن و حدیث عصمت انبیاء سے انکار کرنا پڑا۔ اصنام سداذی آیہ فاعلموا الشیطان عنہما (بقہ طع) کی تفسیر میں اس مسئلہ میں مسلمانوں کے اختلافیں یہ لکھتے ہیں کہ "فواج میں سے فرقہ فضلیہ اس بات کا قائل ہوا ہے کہ انبیاء سے گناہ صلور ہو سکتا ہے"

ہیں۔ اور ان کے نزدیک گناہ کفر یا شرک ہوتا ہے۔ پس لا محالہ وہ اس بات کے قائل ہوئے
 کہ انبیاء سے کفر صادر ہو سکتا ہے اور فرقہ اہل حدیث اس بات کا قائل ہے کہ تلبیہ کے طور پر
 انبیاء سے کفر صادر ہو سکتا ہے۔ انبیاء کے افعال اور سیرت کے متعلق۔ ”اس میں اُمت
 کے چار قول ہیں دھڑلے خمسہ اقوال پانچ قول ہیں ایک فرقہ حشویہ کا قول وہ
 انبیاء سے قصداً گناہ کر کے صادر ہونے کو تجویز کرتے ہیں دو سرائے لوگوں کا قول ہے
 کہ گناہ کر کو تجویز نہیں کرتے اور سرائے کو قصداً تجویز کرتے ہیں۔۔۔۔۔ تیسرا یہ کہ ان سے
 قصداً کوئی گناہ نہیں صادر ہو سکتا صغیرہ اور نہ کبیرہ۔ البتہ تاویل کے طور پر ہو سکتا ہے۔
 جہاں کا قول یہی ہے۔ چوتھا یہ کہ ان سے کوئی گناہ نہیں صادر ہوتا البتہ سہواً یا خطا سے
 صادر ہو سکتا ہے۔ مگر اس طور سے بھی اگر ان سے گناہ ہو جاتا ہے تو ان سے باز نہیں ہوتی
 ہے اگرچہ اُمت کے لوگوں سے خطا اور نسیان معاف ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انبیاء کی
 معرفت بہت قوی ہوتی ہے اور ان کے دل میں خدا کی شناخت کے بہت زیادہ ہوتے ہیں اور
 جس قدر وہ اپنی حفاظت کر سکتے ہیں اُمت کے لوگ نہیں کر سکتے۔
 غرض کہ مسلمان انبیاء سے صدور گناہ کا تو قائل ہے مگر کوئی بلا تاویل اور کوئی
 باتاویل کوئی گناہ میں کبیرہ و صغیرہ دونوں داخل کرتا ہے کوئی صرف صغیرہ۔ کوئی عمداً ارتکاب
 گناہ جائز رکھتا ہے کوئی محض سہواً اور کوئی یقیناً۔ ہاں صرف ایک قول ہے ”پانچواں۔
 انبیاء سے کوئی گناہ نہیں ہوتا نہ کبیرہ اور نہ صغیرہ نہ قصداً اور نہ سہواً نہ بطور خطا کے نہ
 بطور تاویل کے و اقصیوں کا نہ بہت ہی ہے۔ پھر اس بات میں اختلاف ہے کہ انبیاء
 کے معصوم ہونے کا زمانہ کونسا ہوتا ہے۔ اس میں بھی تین قول ہیں۔ پہلی کہتے ہیں کہ وقت
 پیدا الیش سے برابر انبیاء معصوم ہوتے ہیں۔ اکثر معتزلہ کا قول یہ ہے کہ وقت قبل از
 وہ معصوم ہوتے ہیں اور قبل از نبوت ان سے کفر یا گناہ کبیرہ کا ارتکاب نہیں ہو سکتا۔ ہمارے
 اکثر علماء اور اہل البیدل اور ابو علی معتزلی کا قول یہ ہے کہ نبوت کے وقت یہ روایات نہیں ہیں

مگر قبل بقوت روا ہے۔ (دیکھو سراج المینہ ترجمہ تفسیر کبیر پارہ اول ص ۲۳۷ و ۲۳۸) +

رابطہ اقوال ہم عیسائی مسلمانوں کے ساتھ دونوں قبولوں میں متفق ہیں۔ ان سے بھی جو انبیاء سے صدور گناہ کے قائل ہوئے مگر اس میں کوئی تاویل نہیں کرتے اور صدور گناہ کو بعض صریح ثابت سمجھتے ہیں اور انبیاء کو عموماً افعال اور سیرت کے لحاظ سے گناہ راہبر عامی جانتے ہیں اور رافضیوں سے بھی۔ مگر ان کے قول کو صرف انداز میں کہتی ہیں ثابت سمجھتے ہیں اور یہی مانتے ہیں کہ نہ صرف وہ ہر ایک قسم کے گناہ سے معذور تھے بلکہ پیدائش ہی کے وقت سے برگناہ و خطا سے معصوم رہے اور وہ نبی اور زار تھے۔ پس معلوم ہوا کہ ہم بھی عصمت انبیاء کے قائل ہیں عموماً نہیں بلکہ مخصوصاً۔

تواریف معصوم اہل اسلام کے علماء نے نبی کے معصوم ہونے کی توفیق بھی کر دی ہے۔ چنانچہ علامہ علی قاری شریح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں اختلاف الناس فی کیفیت العصمة فقال بعضهم ہی محض فضل اللہ تعالیٰ المجتہد لا اختیاراً لا بعد فیہ۔ لکھوں نے عصمت کی کیفیت میں اختلاف کیا ہے بعض کہتے ہیں کہ عصمت محض خدا سے ملنے کا ایک فضل ہے جس میں بندہ کو کوئی اختیار بھی نہیں۔ قال بعضهم العصمة فضل من اللہ ولطفہ ولا کن علی وجہ یبقی اختیار ہم بعد العصمة فی الاقام علی الطاعة والامتناع عن المعصية۔ اور بعض کا قول ہے کہ عصمت امت کا فضل اور لطف تو ضرور ہے مگر اس طور پر کہ انبیاء کو باوجود عصمت کے اختیار باقی رہتا ہے کہ فرمانبرداری پر پیش قدمی کریں اور گناہ سے رُک جائیں۔

اس فیض قول پر جبوراہل اسلام کا اتفاق ہے اور عیسائی بھی اس قول سے متفق ہیں کہ حضرت مسیح اس معنی میں معصوم تھے ہر ناعل ذی اختیار کی طرح ارادہ اور اختیار رکھتے ہوئے آپ نے گناہ کو مطلق ترک کیا اور نیکی پر کامل عمل کیا۔ آزاد و متقی اب ظاہر ہے کہ اس مسئلہ میں عیسائیوں کی تحقیقات اپنی کتابوں کی جست

اور مسلمانوں کی قرآن کی نسبت بالکل ایک دوسرے سے آزاد ہے۔ عدم عصمت انبیاء کے خیال میں نہ عیسائی مسلمانوں کے مقروض ہو سکتے ہیں اور نہ مسلمان عیسائیوں کے۔ قرآن پڑھ کر مسلمانوں نے اور صحیفہ سابقہ پڑھ کر عیسائیوں نے ایمان کے رنگ میں عصمت انبیاء سے انکار کر کے قرآن یا کتب سابقہ سے امتداد لال کیا۔ اور جب کسی نبی کے حق میں عصمت کے قابل ہونے کو ایک معقول تعریف بھی عصمت کی کردی جس سے انسان فاعل آدمی اختیار اور سزا و جزا کے قابل بٹھاتا ہے۔

مرزا کی تردید اس کے [مگر ہمارے مرزا کی متنازعہ نگری نیاری ہے۔ نہ معلوم کیوں آپ کی عنایت انبیاء کے اوپر اس قدر بڑھتی ہوئی ہے کہ آپ سب کو باستثنائے مسیح کے معصوم مانتے ہیں۔ شاید اس طور پر آپ اپنی عصمت کو ثابت کرنا چاہتے ہوں۔ آپ منکرین عصمت انبیاء کی نسبت جو دیندار لکھ گویا مسلمان گذرے فرماتے ہیں۔ ”اغلب یہ ہے کہ اس قسم کے بیہودہ خیالات اسلام میں ان لوگوں کے ذریعہ سے آئے جو دوسرے مذاہب کو چھوڑ کر اسلام میں داخل ہوئے تھے جلد ۲ ص ۵۵۔ وہ خیالات موجود ہیں اور انکی تاریخ موجود ہے اور قرآن و حدیث بھی موجود ہیں جن سے ہم ان کو مطالب کر کے دکھلا سکتے ہیں کہ وہ بیٹھے اسلام کے پیچ میں کسی سے قرض نہیں لئے گئے۔ بلکہ ہم تو یہ کہنے کو تیار ہیں کہ ہم نے یہ خیالات انہیں سے حاصل کئے اور انکو قبول کر لیا کیونکہ وہ ہمارے خیالات کے متوید اور بھری تحقیقات پر مبنی ہیں۔ ہاں اگر ضرورت ہوتی تو ہم یہ بڑے زور سے ثابت کر دیتے کہ ہمارے بہت سے خیالات اسلام سے دور اور زبر سے اہل کتاب سے سر و قد میں ہے۔

مرزا لکھ | عصمت انبیاء پر جو کچھ تم نے لکھا اس میں تم نے لکیر کے فقیر ہو تحقیق کی جس میں کے فقیر انونک نہیں۔ ہاں فرق یہ ہے کہ امام رازی وغیرہ علماء نے اُس خیال کو جو فی نفسہ کمزور تھا ایک معقولیت کے پیرائے میں پیش کیا جس کو تم نہ بناہ سکے۔ تم نے اسکو ایسی بھونڈی طرح بیان کیا کہ اُس کی کمزوری بالبداہت عیاں ہو گئی۔ اور تم اس خیال کے بڑے نادان

دوست نکلے۔ اور اگر تم ہی اسلام کے ”عظیم الشان امام“ اور چودھویں صدی کے مجدد ہو تو اسلام کی خیر نہیں؟

مقصود یہ ہے کہ مرزا جی کی مراد عصمت انبیاء سے کیا ہے؟ انہوں نے عصمت کی تشریح مرزائی تشریح پر یہ بتلائی ہے۔ ”انبیاء کی اپنی آتی کچھ نہیں ہوتی بلکہ وہ اسی طرح بکلی خدا سے تعلق رکھتے تھے جیسے وہ ان کے تھے۔“ اس کے بعد انہوں نے یہ بھی کہا کہ ”انہوں نے اپنے خدا کے لئے جو کچھ وہ کہتے یا کرتے ہیں وہ خدا سے تعلق رکھتے ہیں اور ان سے وہ طاقت منسوب کی جاتی ہے جس سے خدا سے تعلق رکھنے والی مہر فی کے خدا کوئی انسان کرنا ہے۔“ وہ خدا کے ہاتھ میں ایسا ہوتے ہیں جیسے وہ خدا کا جملہ حصہ ہے۔

انبیاء کے اقوال و افعال کو خدا تعالیٰ اپنے اقوال و افعال میں قرار دیتا ہے اور وہ اپنی طرح پھرتے ہیں جب طرح وہ ان کو پھرتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں ایسا ہے جتنا خدا ہوتا ہے۔ اس جیسے ایک مردہ اور بچی اسی کے تصرف میں ہوتے ہیں ان کے پاس اپنے خدا کا وہاں شایان کچھ نہیں ہوتا۔ اور نہ ان کے حرکات اور کام اور ارادے ان کے اپنے ہوتے ہیں۔

اس تشریح کے بعد انبیاء خدا کے افعال میں مثل لکھتے ہیں کہ ”خدا کے ارادے ان کی اپنی خواہشات کی نوعیت اور ارادے قرار دیتے ہوئے تو معلوم ہوا کہ وہ خالص آدمی اختیار نہیں اور مخلوق ہونے کے دائرے سے باہر نکل گئے اور نہ ان کے احکام ان پر سے مثل ہر مرفوع التعلیم کے ساقط ہو گئے۔“ کیونکہ ”مقصود“ اور ”مفہوم“ ہر مذہب کے لئے اختیار اور ارادہ الہی ہے۔ خود مرزا جی نے ایک جگہ ”عصمت کی تشریح“ کرتے ہوئے یہ بھی لکھی ہے ”عصمت کا مفہوم صرف اس حد تک ہے کہ انسان خدا سے نیچے۔ اور نہ ان کی تشریح یہ ہے کہ انسان خدا کے حکم کو عداوت کے لائق نہ سمجھتا ہے۔۔۔۔۔ تشریح مذکور بالا کی دیکھو

تا باغ نیچے اور پیدا الٰہی جنون بھی معصوم ہیں۔ وجہ یہ کہ وہ اس لائق نہیں ہیں کہ کوئی گناہ عمدہ اگر کسی جلد اول ص ۱۸۰۔ گو یہ مضمون خط بے ربط ہے مگر جب گناہ کی توفیق میں عذر اور ارادہ لازم ہے تو معصوم حقیقی صرف وہ ہے جو ایسے گناہ سے محفوظ ہو پس گویا مرزاجی فرماتے ہیں کہ انبیاء کی عصمت پیدا الٰہی جنون کی عصمت سے بھی گئی گزری کیونکہ پیدا الٰہی جنون میں فہم تو نہیں مگر ارادہ اور اختیار ضرور ہے۔

سراسر ہمارے ہی ہے۔ اور ہم نے آج تک مسلمانوں میں کسی فہیدہ شخص کو یہ کہتے نہیں سنا کہ انبیاء ایک گمراہ کل ہیں جو برصیا کے چرنے کی طرح چلے جاتے ہیں۔

ہم کو بڑی خیالات کی لغویت پر تو تعجب نہیں مگر تعجب ہے اس بات پر کہ وہ دعوت کو تے ہیں کہ قرآن شریف میں کثرت ایسی آیات موجود ہیں جن سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ ان کا یہ سخن راست ہے کم و کاست ہے۔

ہمارے ہر شخص کی آہ ہم بڑے دعوت کے ساتھ مرزاجی کو تھکادی کرتے ہیں کہ "قرآن شریف میں جو کثرت ایسی آیات موجود ہیں۔ ان میں سے ہم کوئی ایک آیت جس کو اپنی دانت میں سب سے بڑی انصاف عصمت انبیاء پر لگاتے ہو جس سے ہمارے سنی عصمت ثابت ہوں ہمارے لئے پیش کردہ اور ہم تمہاری تردید اسی اصول تفسیر قرآن سے کریں گے جو ہم نے اپنے منہ سے بیان کر دیا ہے۔

مرزاجی کو تو سب ہی انبیاء کی عصمت کا دعوت ہے اور اسی معنی میں جو اوپر بیان ہوئے مگر ہم کو صرف حضرت مسیح کی عصمت کا دعوت ہے اس معنی میں کہ اختیار اور ارادہ اور امکان گناہ رکھتے ہوئے انہوں نے عمدہ اور ارادہ اپنے تیش گناہ اور خطا سے محفوظ رکھا اور ہمیشہ صراطِ مستقیم پر قدم مارا اور سرِ مٹو انحراف نہ کیا۔

مسلمانوں کی خدمت کسی اور نبی کی عصمت اس طرح نہ ہماری کتب سے ثابت ہے اور نہ
 میں ہماری گزارش قرآن سے۔ پس ہم کسی دوسرے نبی کو معصوم نہیں مانتے اور سلطان
 بھائیوں کی خدمت میں ہم نہایت اوجہ سے عرض کرتے ہیں کہ ہم اس مسئلے کو درست اس لئے
 مانتے ہیں کہ وہ ہماری کتب مقدسہ کے مطابق ہے اور اس حد تک قرآن کو بھی ہم باطنی
 ان کے ساتھ متفق پاتے ہیں۔ ہم کو آپ کے ساتھ خدمت نہ آپ کو ہمارے ساتھ ہونا
 چاہیے اگر ہم نہیں مان لیتے تو حضرت معصوم نے تو ہمارا عقیدہ اس کی تکلیف نہیں۔
 کیونکہ ازل تو ہم اس کی سند میں قرآن شریف کو پیش کرتے ہیں دوسرے ہم ایسا نہیں دلو
 بھی جن پر صحت دل سے ایمان لائے ہیں معصوم نہیں مانتے۔ اور اگر ہم یہ کہتے ہیں کہ
 صرف حضرت مسیح معصوم تھے تو ظاہر ہے کہ حضرت مسیح ہمارے بھی نبی ہیں اور آقا
 کے بھی۔ پس ٹھنڈے دل سے آپ کو اس اور کا تصفیہ کرنا چاہیے:

وَقِيَامًا فَلَنَا اَكْنُتُ دَاۤءِ

یعنی ہمہ ظلمات و گم گشت راہ

بحث کا اختصار [مرزا جی کے ساتھ اس بحث میں ہم اختصار کو مد نظر رکھنا چاہتے ہیں اور
 اس لئے سب سے پہلے ثابت کرینگے کہ وہ اپنی بد قسمتی سے ہم انہی میں پھول گئے اور
 سب سے پہلے نبی یعنی حضرت آدم صلی اللہ علیہ وسلم بھی نہیں ثابت کر سکتے۔ اور یہ
 ابتدائی شکست اُن کی ساری مہم کی بدشگونی ثابت ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ اگر کسی
 ایک نبی کا معصوم ہونا بھی ثابت نہ ہو سیکے تو مسئلہ عصمت انبیاء ہر اس راہ میں
 ہو جاتا ہے اور صرف یہ کہنے کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ فلاں نبی معصوم
 نہیں کرتا ہے۔ اور ہم یہی کہتے ہیں۔ پس ہم اس جگہ اپنی بحث حضرت آدم کی
 عصمت پر محدود کرتے ہیں اور اس کو برابر جاری رکھینگے تا وقتیکہ ہمارا اور
 مرزا جی کا فیصلہ قطعی نہ ہو جائے:

اصول تفسیر قرآن ایک بات میں ہم مزاجی کے بہت ہی مشکور ہیں کہ انہوں نے تفسیر قرآن کا ایک اصول بیان کر دیا جو بطور کلمۃ سوارۃ بیننا و بینکم فریقین کے درمیان حکم بن کر فیصلہ کر دیتا ہے۔ اور اس اصول کو ہم سبق کی طرح یاد رکھیں گے اور نہ خود بھی بھولیں گے اور نہ دوسرے کو بھولنے دینگے۔ بارہویہ کہ ہم کو معلوم ہے کہ مرزا را حافظہ نباشد۔ وہ فراموش ہیں۔ مسلمانوں کے نزدیک قرآن کریم کی تفسیریں خدا کا کلام نہیں ہیں۔ جن کے ہر ایک لفظ کا وہ اپنے کو پابند خیال کرتے ہیں۔ ہاں اگر کسی تعظیبات کی تفسیر آنحضرت معلوم کے منشا کی لگی ہوئی ثابت ہو تو اس کو مشککاتی میں عربی محقق اور قاضی انبیاء مانا جائیگا۔ اگر صاحبان ہیں آسانی سے سمجھا سکتا ہے کہ کسی فقرہ پر پہلے اسباق و سباق کے کون سے معنی چھپے ہیں اور کون سے وہ معنی ہیں جو قرآن شریف کے عام مفہوم کے مطابق ہیں قرآن شریف تو اپنی تفسیر آپ کرنا ہے اور اس کے بعض حصے دوسروں کے معنی پر روشنی دالتے ہیں۔ جواب دیتے وقت ہم صرف قرآن کریم کے الفاظ ہی کو پیش کر چکے اور معنی کر کے میں انہیں معنوں کو صحیح سمجھنے کے جو قرآن شریف کے دوسرے حصوں کے مخالف انہوں اور جن کا تو یہ خود قرآن شریف ہو۔ اگر کبھی کہیں تفسیر کا حوالہ ہوگا تو وہ صرف تائیدی رنگ میں ہوگا لیکن ہماری حقیقت کی بنیاد صرف قرآن شریف کے الفاظ پر ہی ہوگی۔ علامہ محمد بن عبد الوہاب - چشم مار و شہرہ دل نباشد۔ مرزا جی نے ایسی سچی بات کہی ہے کہ وہ ان کے منہ کی ہی معلوم نہیں ہوتی۔ ہاں یہی تو حضرت مولانا روم فرمایا کہ

عجیب قرآن قرآن پڑھیں بس

علامہ تفسیر ہم اہل بیت کا کرتا ہے کہ حضرت آدم معلوم نہ گئے۔ ان سے گناہ صادر ہوا اور وہ عاصی ہو گئے اور اپنے مرتبہ سے ایسے گناہ کوئی اولوالعزم بھی نہیں کر سکتے۔

قرآن گناہ مرزا جی کے اپنے قول کے مطابق گناہ کی تفسیر یہ ہے کہ گناہ ایک فعل

کو اس وقت کہا جائیگا جبکہ ایک انسان اس فعل کے ذریعے سے خدا کے حکم کو توڑ کر نیزا کے لائق ٹھہرے۔ اس صورت میں ضروری ہے کہ گناہ کے صادر ہونے سے پہلے خدا کا حکم موجود ہو اور نیزا اس گناہ کے مرتکب کو وہ حکم پہنچ بھی گیا ہو اور نیزا اس فعل کے مرتکب کی نسبت عقل تجویز کر سکتی ہو کہ اس فعل کے ارتکاب سے وہ وحییت ہمارے لائق ٹھہرے اور آخر میں لکھا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو خدا نے ہر ایک قسم کی سزا سے ہمیشہ کے لئے بری ٹھیرا ہے۔ ص ۲۵۵

گناہ حضرت آدم [حضرت آدم علیہ السلام کی ذات پر اس تعریف کا جو مزاجی کے اور چوتھی ہے حرف صادق آتا ہے:]

دیکھو خدا کا حکم آدم کو کونسا تھا؟ وَاللَّهِ لَا تَشْكُرُونَ الظَّالِمِينَ دَعَا عَادَ وَنُوحَ عَلَيْهِمَا سُلْطَانًا مِّنْ دُونِهِمَا لَمَّا أَصْرَا خَضَعَا لَهُ وَاسْتَخَرَا فَذَلَّلَهُمَا فَمِمْصَرًا قَوْمَ الْأَمْنَانِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الضَّالِّينَ اور اس کی سزا بھی مقرر کر دی۔ پھر اسی پر استغناء نہیں کی بلکہ بڑی تاکید کے ساتھ انکو خوب سمجھا بھی دیا کہ شیطان تمہارا دشمن ہے اور اس فکر میں لگا ہوا ہے کہ تم کو خدا سے برگشتہ کر کے اس جاسے آرام سے لکھو اور اسے۔ فَقُلْنَا يَا آدَمُ إِنَّ هَذَا الشَّيْطَانُ كَاذِبٌ واپس دیا وہ جانی فلا بھیج جسکا میں (الہام) سے کہہ رہا ہے آدم یہ شیطان جبر اور پیری جو رو کا ضرر دشمن ہے۔ خبر دو کہ میں تم دونوں کو یہ حالت سے لکھوا اور دے اب نہ تو کوئی حکم اس سے زیادہ صاف ہو سکتا تھا کہ کوئی تاکید و تنبیہ اس سے زیادہ مؤثر نہیں تھی یعنی خدا کا حکم بھی موجود تھا وہ دیکھ لیا اور یہ بھی کہ وہ حکم آدم کو اپنی طرح پہنچ چکا تو پھر تمہاری تیسری و چوتھی شرط پوری ہو چکی:

اب یہ بات تو تم خود ان چھ چیزوں میں شک نہیں کہ آدم حکم الہی کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوا۔ ص ۲۵۶ ۲۵۷ کیونکہ قرآن شریف میں صاف لکھا ہے

کہ آدم نہ صرف اُس درخت کے پاس گئے بلکہ اُس کا پہل بھی کھالیا اور خدا کا حکم توڑا اور
 اللہ نے آپ فرما دیا وہ عیسیٰ آدم سے بہ غفور رحیم اور نازانی کی آدم نے اپنے رب کی
 پس گمراہ بننا (ظلمہ) کہ آدم نے ہمارے گناہ کی پہلی شرط کو بھی بلا عذر پورا کر دیا۔
 پھر حضرت آدم اُس گناہ کی وجہ سے سزا کے لائق ٹھہرے وہ سزا کیا تھی
 یہی کہ اُسی جنت سے جس میں ان کو حق الخائبین ہونے کی آرزو تھی بعد ازاں
 نکال دینے کے۔ قال اُطُوعُوا حَتَّامًا کہ تم نکل جاؤ اُس جنت سے (طرح) اور
 جنت والوں کو بھیجے گی سب سے بڑی سزا یہی ملے گی کہ وہ جنت سے جلا وطن
 کئے جائیں۔ چنانچہ شیطان کو اُن کی شیطنت کی سزا بھی خدا نے یہی دی۔ قال
 فَاُطُوعُوا حَتَّامًا۔ شعیبان تو بہت سے نکل جاؤ اُٹھو،
 پس آدم نہ صرف سزا کے لائق ٹھہرے بلکہ اپنی سزا کا نفاذ بھی ہو گیا یعنی اوہیل
 بھی گزر گئی اور حکم حال رہا جس میں آپ کی دوسری شرط بھی مبرا اللہ کے ساتھ
 پوری ہو گئی:

اب یہی پانچویں شرط لا متقل تجوز کر سکتی ہو کہ اس فعل کے ارتکاب سے وہ
 درحقیقت سزا کے لائق ٹھہرے گا۔ اُس کا تصفیہ ورا شکل ہے خدا کی عقل نے تو اسکو
 تجویز کیا اگر الہی فیصلہ مرزا جی پر کوئی حجت نہیں ہو سکتا۔ حضرت آدم کی عقل نے بھی
 اسکو تسلیم کر لیا اپنے ظلم کے وہ قائل ہوئے۔ مگر ایسے دیرینہ سال پڑھے کے فعل کو
 قادیان میں کون باور کرتا ہے؟ ہم کو بھی ضد ہے، ہم بھی کہتے کہ اگر اہل قادیان کی
 عقل اس کو تجویز نہیں کرتی تو یہ اُس کی خطا ہے نہ کہ آدم کی یا خدا کی۔ اور ہم کو
 خدا اور آدم کے ساتھ عقلی کرتے پہلا معلوم ہوتا ہے۔ پس نہایت صفائی سے ثابت
 ہو گیا کہ حضرت آدم نے مرزا جی کی پانچوں شرطیں پوری کر دیں اور گنہگار ہو گئے
 ایسے کہ آپ کو معلوم کہنے کی جرأت اب مرزا جی کو بھی نہیں ہو سکتی تا وقتیکہ وہ گناہ کی

تعریف اور طرح بدل کر اپنے سخن کو باطل بھیلایش۔ اس تقریب سے نہ صرف یہی ثابت ہوا کہ آدم مزاجی کی تعریف کنہ کے موافق گنگار پھیر سے جگمگ بھی کہ خدا نے انکو ظالم اور شاوکی کہا جن الفاظ سے گنگار انسان قرآن شریف میں یاد کئے گئے ہیں :

قرآن شریف کی شہادت سے حضرت آدم نبی ضرور ہیں مگر غیر معصوم نبی جیسا بھی ثابت ہوا۔ بلکہ یہی قرآن شریف کی نص سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اولوالعزم نبی نہیں تھے حضرت آدم اولوالعزم نبی تھے [یہاں پر آیت ہے] **وَاقْتُلْ عَادَ بْنَ آدَمَ** منہ نہیں تھمتی ولم یجدوا منہم سادۃ (طالع) شاہ عبدالقادر صاحب اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں ہم نے انہیں کو آدم تھا آدم کو اس سے پہلے پھر بھول گیا اور نہ پانی ہم نے اس میں کچھ عمت نہ ہر حال اس آیت میں ضرور ثابت کہ ہم نے بھولے لیا تھا آدم سے پہلے ہی۔ مگر وہ اس توہوں گیا اور ہم نے نہ پایا اس میں عزم۔ آدم میں خدا نے عزم کی نغمی کی اور یہی ایک صفت ہے جو بعض انبیاء کو اولوالعزم بنا دیتی ہے۔ پس عزم کے عدم کی وجہ سے آدم نبی اولوالعزم نہ ہے صاحب قاموس الفاظ عزم کے معنی میں لکھتے ہیں **وَالْعَزْمُ مِنَ الرِّسْلِ** الذین عنہموا عنہ **اِنَّ اللہَ تَعَالٰی فِیْہِمْ** **عَدَدٌ** **اَلِیْہِمْ** رسولوں میں اولوالعزم وہ لوگ ہیں جو عزم رکھتے ہیں اور پکا آدمی حکم خدا تو لائے کہ جن باتوں میں خدا نے ان سے عہد کیا ہے۔ اس نص قرآن میں کھلے الفاظ میں آدم کی شکایت ہے کہ اس سے خدا نے عہد کیا تھا۔ اس نے عہد کو توڑا اور اس کی بجائے اور یہی میں کوئی عزم نہ دکھلایا اور خدا نے اس میں عزم نہ پایا پس آدم نبی اولوالعزم نہ رہے :

مزاجی تحریف ہم کہہ چکے ہیں آیت شریفہ کے معنی مزاجی نے کیسے بگاڑے۔ اور اس میں تحریف معنوی کرنا چاہی۔ وہ اس کا ترجمہ یہ کرتے ہیں ”اس سے پہلے ہم نے آدم کو ایک حکم دیا سو وہ بھول گیا اور ہم نے اس کا گناہ پر عزم نہیں پایا“ اور کہتے ہیں کہ اس سے حضرت آدم کی صاف بریت ہوتی ہے کہ انہوں نے عہد حکم الہی کو نہیں توڑا۔

۲۵

آدم اس میں بے قصور تھا، ص ۳۵۹، ۳۵۷

لفظ غم [یعنی ابھی مرزا بھی نے ہم سے عہد کیا تھا کہ تم صرف قرآن کریم کے الفاظ ہی میں
 پرکھ کر سیکے اور وہ ایسا جلد اپنا عہد بھول گئے۔ آیت میں لفظ عہد کا آیا اور لفظ
 معنوم کا۔ اس میں کوئی لفظ نہیں جس کے معنی گناہ کئے یا سیکس اور نہ معنی آیت کسی
 تیسرے لفظ کے اور غل کے عاجز نہیں۔ دیکھ شاہ صاحب نے اس جگہ کیسا معقول ترجمہ
 کیا تھا جس میں الفاظ کی پوری رعایت ہے۔ کیا مرزا بھی اس سے بڑھ کر ترجمہ کر سکتے ہیں؟
 پس آدم میں طاعتی نوع کی نفی کی گئی اور غم کے معنی بھی شاہ صاحب نے بہت بخوبی لکھے
 تفسیر کے لئے اس میں لوگوں نے الفاظ کی پوری پابندی اس لئے نہ دیکھی کہ وہ اس کی
 ایک درجہ جیسے کے الفاظ کا لفظ اور مرعوم کو جس سے متعلق کر دیا جو لفظ میں آیت میں
 موجود تھا اور اس صورت میں آیت کے معنی ہوئے ”ہم نے اس میں (عہد پر) بہت
 نہیں پائی اور عہد پر غم سے مراد صرف ایسا ہے عہد پر غم ہو سکتا ہے۔ اب کئی تفسیر
 کا حوالہ صرف تائیدی رنگ میں دیا کہ تو امام بخاری اپنی تفسیر عالم التنزیل میں لکھتے ہیں
 کہ یہ پایہ ہے اس میں غیر نہایت سے نیچے کا اور نہ اس سے پرستہ یہ طبعیت ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ نہ
 جلی آدم نے اس میں تنجسانی اور اہل الہی کی۔ اب مرزا بھی کی شامت دیکھئے عہد پر غم سے
 کیا تنجسانی تنجسات کی بنیاد صرف قرآن شریف کے الفاظ پر ہی ہو گئی، اور یہی بنیاد
 ایسا ہے جس سے بہت آدمی کو ترویج کر کے وہ تمام جو قرآن کو دم کے الفاظ سے
 پشیم پی کی بلکہ بہر سے فکر آئے کہ میں ممکنہ الفاظ میں مرزا بھی پر ہی عداوت آیا اور
 وہ اپنے مخالفوں کو کہتے تھے ”کس طرح روایت کر رہے ہیں قرآن شریف کے الفاظ
 کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتے حالانکہ وہی اخصافہ ایسے ہیں جن کو مسلمان
 سند مانتے ہیں“

۱۔ بے بسا ایسے کہ یہی درکساں
 خوشے تو باشد در ایشیاں افلاں

بھول جانیکا عذر اسی طرح مرزا جی کا دوسرا عذر گناہ بدتر از گناہ ہے کہ جس طرح ہم اپنے عہد کو بھول جاتے ہیں اسی طرح آدم بھی بھول گیا۔ اور اس قول میں مرزا صاحب پھر اپنا اصول تفسیر بھول گئے۔ اگر کوئی روکا مکتب میں اپنا سبق اس طرح بار بار بھول جاتا تو مُنہ لال کر دیا جاتا۔ لوہم قرآن سے دکھلائے دیتے ہیں کہ آدم عہد کو مرزا جی کے معنوں میں نہیں بھولے تھے۔ اُن کو خوب یاد تھا کہ خدا نے حکم دیا ہے کہ اگر شجرہ ممنوعہ کے پاس جاؤ گے تو ظالم ہو جاؤ گے۔ بلکہ اس امر پر تو انہوں نے شیطان سے بحث بھی کی تھی جیسا کہ شیطان کے جواب سے روشن ہوتا ہے۔ قال ما لم حکمنا عن ہذا الشجرۃ الا ان نکون اهلکین (اعراف ۱۷) کہا تم کو خدا نے اس لئے نہیں منع کیا بلکہ اس لئے کہ مبادا تم فرشتے ہو جاؤ۔ شیطان نے یہ کہہ کر خدا کے قول کی تمکید کی اور آدم نے اسکی بات مان لی۔ خدا کے سخن کو بغور قرار دیا اور شیطان کی بات سچی مانی۔ پھر آخر کو جب خدا نے بھی آدم سے پوچھا الم الخکما عن تلکما الشجرۃ کیا تم کو میں نے اس درخت سے منع نہیں کیا تو آدم لا جواب رہ گیا۔ اُس نے نہیں کہا کہ خدا خدا میں بھول گیا۔ بلکہ انکار کر لیا دیتنا ظلمتنا الفسنا۔ اے ہمارے رب ہم نے ظلم کیا اپنی جانوں پر۔ تیرا فانا حق بڑا ہم ظالمین میں ہو گئے۔ پس مرزا جی تم کس مُنہ سے حضرت آدم کیلئے ایک جھوٹا حیلہ تراشتے ہو کیا یہ سچ؟ اگر پھر نہ تو اند پسہ تمام کند کی نفیر ہے؟

بھول جانے کے معنی پس یہ تو معلوم ہو گیا کہ حضرت آدم مرزا جی کے معنوں میں عہد کو نہیں بھولے تھے۔ پھر بھول گیا کے معنی اس جگہ کیا ہیں؟ اب پھر ہم اُسی اصول تفسیر پر کاربند ہوتے ہیں۔ قرآن شریف خود اپنی تفسیر آپ کرنا ہے اور اُس کے بعض حصے دوسروں کے معنوں پر روشنی ڈالتے ہیں۔ چنانچہ ایسے موقعوں پر نبی بھول گیا کی مراد ایسی غفلت اور بے پروائی ہوتی ہے جسکے واسطے کسی عذر اور جیسے کی گنجائش نہیں رہتی اسی سورہ اور اسی رکوع میں یہی محاورہ استعمال ہوا۔ "بھولنے مُنہ پھیرامیری یاد سے"

تو اُس کو ملتی ہے گدازان تنگی کی اور لادینگے ہم اُس کو دن قیامت کے اندھا۔ وہ کہیگا کہ اے رب کیوں اٹھلایا تو مجھ کو اندھا اور میں تو تھا دیکھتا۔ قال کذلک انتک ایما تافسیتہا فرمایا یوں ہی پہنچی تھیں تجھ کو ہماری آیتیں پھر تو نے اُن کو بھلا دیا۔
 دیکھو خدا فرماتا ہے کہ تو نے ہماری آیتیں بھلا دیں اور اُس بھلاوینے کی پاداش میں جہنم کا عذاب دیتا ہے اس کو عذر نہیں قبول کر سکتا۔ ایسے ہی دھورہ صغ نہیں ہے
 لهم عذاب مشدین بما نسوا الیوم الحسمایہ ان لوگوں کے واسطے سخت عذاب ہے
 اس وجہ سے کہ انہوں نے بھلا دیا صاب کا دن۔ یہ اصول خود مزاجی کا بیان کیا ہوا
 ہے کہ ”اس امر کا کہ قرآن شریف نے کسی لفظ کو کن معنوں میں استعمال کیا ہے فیصلہ اس طرح
 ہو سکتا ہے کہ قریب المعنی الفاظ کے استعمال۔ سیاق و سباق یا قرآن شریف کے عام مفہوم
 پر غور کیا جائے“ ریو بیو جلد ۲ ص ۵۶ اس معنی میں اس طرح بھول جانا کوئی عذر
 و جیلہ نہیں ہے جو شے بھلا دینے کی نہ تھی اُسی کو آدم نے بھلا دیا۔ اس سے بڑھ کر کیا
 نافرمانی ہو سکتی ہے باللہ کی تاکید اور ایک ہی حکم اور ہر پہلو سے سمجھا دینا اور پھر
 بھی بھول جانا۔ پس اب ہم بلا خوف تردید آیت کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں۔

آیت کے صحیح معنی [ہم نے عہد لے لیا تھا آدم سے پہلے ہی مگر اُس نے غفلت و بے پروائی
 سے اُسے ایسا بھلا دیا گویا کبھی عہد ہی نہیں کیا تھا اور اُس میں ہم کو کچھ بھی ہمت اور
 آرزو ایفاء عہد کے لئے نہ ملی۔ آپ کا یہ کہنا کہ آدم اس میں بے قصور تھا ایک لغو
 سخن ہے۔ اس کے معنی یہ ہرے کہ آدم بے قصور تھا بلکہ قصور اللہ نے کیا جو بے قصور
 کو سزا دی جنت سے مار نکالا اور پھر گھسنے نہ دیا۔ قرآن نے آدم کو ظالم اور قصور وار کہا
 تھا اس کے بدلے آپ نے خدا کو ظالم اور قصور وار ٹھہرا دیا۔ آپ آدم کے بڑے
 پیوت نکلے:

دوسری آیت قرآن کی جو دوسری آیت ہے وعصی آدم مرتبہ فغوسلے

جس میں حضرت آدم کے عصیاں یعنی نافرمانی کا صریح مذکور ہوا ہے مرزا جی عصیاں کی تاویل میں تو دم نہیں مارے مگر غور کے کی تاویل پر اصرار کرتے ہیں۔

تاویل لغت غور غور کے معنی لسان العرب میں صاف طور پر بیان کئے ہیں کہ قسداً علیہ عیشہ یعنی اُس کے آرام میں غفلت آیا حصہ ۱۱ آخرتہ قائم رہ سکے اپنے عہد پر قرآن شریف کے الفاظ بھی پس پشت پھینک دئے اور احادیث کو بھی بھول گئے اور لسان العرب کی سند پکڑ لی ہم کو اس شخص کی سرسبکی پر ترس آتا ہے۔ کیونکہ اگر کوئی نگاہ عبرت سے دیکھے تو گناہ کی یہ بھی ایک تہیٰ شریف ہے۔ ورنہ رخ میں پڑنا اور خدا سے دو پہنچ ہونا انجام کا اپنا ہی بُرا کرنا ہے۔ بلکہ قرآن نے تو اُس کو بہت صفائی سے ظاہر کیا۔ گناہ کا وہ کو ظالمی انفسہم اپنی جان پر ظلم کرنے والا کہا (سورۃ النمل ۲۸) لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ جو کوئی کرے بدی یا ظلم کرے اپنی جان پر دنیا کے حق کی مٹری دوسرے کے اوپر ظلم کرنا بھی اپنی جان پر ظلم کرنا شمار ہوتا ہے۔ جو روؤں کے ستارے کو اوہان پر زیادتی اور ظلم کرنے کی بابت لکھا وَمَنْ لِيُفْعَلْ ذَلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ جس نے یہ کیا اُس نے ظلم کیا اپنی جان پر (بقوۃ حق) اور اسی معنی میں کفر کو ظلم کہا اور دنیا کے کافروں کو ظالم۔ وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ کافر جو ہیں سو ظالم ہیں اور وہی بات تھی جس کو حضرت آدم نے تسلیم کیا تھا۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَا انْفُسَنَا اے ہمارے رب ہم نے تیری علم عدولی کی۔ ہم نے تیرا کچھ نہیں دیکھا اگناہ کر کے اپنی جان کا بُرا کیا پس اگر غور کرنے کے معنی صرف فسد علیہ عیشہ بھی ہوتے تو بھی آپ کی گلو خلاصی قوت ہو سکتی اور اگر یہ حق ہے کہ قرآن شریف اپنی تفسیر آپ کرتا ہے تو غور کے معنی دریا کر لینا کچھ بھی مشکل نہیں۔ یہ نتیجہ عصیاں کا کیا گیا یعنی شجرہ ممنوعہ کو کھانے کا اور سوائے گناہ کے کچھ نہیں ہو سکتا۔ خدا نے پہلے ہی فرمایا تھا کہ اگر تم اس درخت کے پاس گئے

لے اس معنی کی تشریح ہم آگے جس کو حضرت یونس کے بیان میں کر چکے ہیں۔

تظالمین میں ہو جاؤ گے۔ پس اگر خدا نے سچ کہا تھا اور اس میں کوئی شائبہ جھوٹ کا نہیں تھا تو آدم ظالم تو اسی وقت ہو گئے جب درخت کے پاس پہنچے۔ اور اس قدر تو خود انہوں نے بھی اعتراف کر لیا تھا۔ مگر چونکہ پھل بھی کھا لیا پس ظالم سے بھی کچھ ذیادہ کا ہو گئے اور اسی پر یہ لفظ غیویٰ دال ہے یہ لفظ ہمیشہ روحانی اور ایمانی گمراہی پر دلالت کرتا ہے۔

معنی لفظ غیویٰ سورہٴ نجم میں ہے ماضی صاحبکم وما غویٰ۔ بڑھا نہیں تمہارا رفیق اور گمراہ نہیں ہوا۔ اس میں کسی دنیاوی یا جسمانی فساد کا اشارہ نہیں ہوتا اسکو عیش کے فاسد ہونے سے کوئی سروکار نہیں۔ چنانچہ اس آیت کی تفسیر میں صاحب جلالین بتلاتے ہیں کہ یہاں اعتقاد فساد کی نفی ہے۔ اور شرح مواتف (نولکشوری) میں لکھا ہے ص ۹۶۔ المراد نفی الضلالت والنوائیۃ فی امور الدین۔ یعنی نفی ضلالت و گمراہی امور دین میں مراد ہے پس ایک خاص امر میں جس بات کی نفی یہاں آنحضرت کے حق میں کی گئی اسی کا اثبات آیت زیر بحث میں آدم کی نسبت کیا گیا۔ ”اور ہم صرف قرآن کریم کے الفاظ ہی کو پیش کرینگے۔“ سختی ایمانی گمراہی ہے اور مرشد یعنی ایمانی ہدایت کی ضد۔ قد قبلت المرشد من الغی مراد اُس کی یہ ہے کہ آدم پہلے خدا کے راستے پر تھا اب وہ شیطان کے راستے پر لگ گیا۔ اور گناہ بگاری کلہی کتنا ہی مفہوم ہے۔ شیطان کی راہ چلنے والوں کو غاوین کہا گیا من اتبعاک من الغاوین (حجرات) اور یہ بات آدم کے عاصی ہونے کے قبل کہی گئی تھی۔ پھر جب آدم بھی شیطان کے فریب میں آگیا اور عیسیٰ کریمؑ تو اسی معنی میں اُس کو کہا گیا غیویٰ پس لسان البرہہ کچھ بھی آپ کی دستگیری نہ کر سکے گا لسان القرآن نے آپ کو بے زبان کر دیا۔ اسی طرح لکھا ہے۔ فَوَدَّ أَنْ يَهْدِيَهُمْ لَهْوَاهُمْ فَبَدَّلَ اللَّهُ ذَاتَهُمُ الْمُسْلِمِينَ (مائدہ) اور جب رکالی جاویدؑ دوزخ سامنے غاوین کے۔ تو کیا آپ اسی بھروسے ہیں کہ اُس وقت اُنکا کوئی ادیب لسان العرب سے

فسد علیہ عیشہ دکھلا کر سب کو جہنم سے نجات دلائیگا، مرزا جی اب ایک دفعہ پھر یاد کرو اپنا وہی اصول کہ ”اس امر کا کہ قرآن شریف نے کس لفظ کو کس معنوں میں استعمال کیا ہے فیصلہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ قریب المعنی الفاظ کے استعمال سیاق و سباق یا قرآن شریف کے عام مفہوم پر فرمایا جائے۔ اب ہمارا طریق عمل دیکھو اور اپنا۔

حضرت آدم پر شرک کا الزام

قرآن شریف میں یہ آیت ہے **هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا ذَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا فَلَمَّا تَغَشَّيْهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيفًا فَمَرَّتْ بِهِ فَلَمَّا أَثْقَلَتْ دَعَوُ اللَّهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ آتَيْنَاهُمَا صَالِحًا لَنُكَفِّرَنَّ عَنْ إِثْمِكُمْ وَلَنُعَذِّبَنَّكَ لَمَّا أَجَبَا لَهٗ شُرَكَاءَ فِيمَا آتَيْنَاهُمَا فَتَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ (المؤمن)**

مرزا کا ترجمہ [مرزا جی نے اس کا ترا اردو ترجمہ یہ کیا ہے ”وہی خدا ہے جس نے تم کو ایک ہی جان سے پیدا کیا اور اس سے اس کے جوڑے کو پیدا کیا تاکہ وہ اُس کے ساتھ آرام پکڑے پھر جب مرد نے عورت کو ڈھانکا تو عورت کو ہلکا سا حمل ملا پس اس سے چلتی رہی پھر وہ جب بو جھل ہوئی تو دونوں نے اللہ اپنے رب کو بکارا کہ اگر تو ہمیں صحیح سالم لڑکا دے تو ہم تیرے شکر گزار ہوں۔ لیکن جب خدا نے اُن کو تنگی بھلی اولاد عطا کی تو وہ دونوں خدا کے شریک ٹھہرانے لگے اُس میں جو خدا نے اُن دونوں کو دیا تھا۔ بزرگ ہے خدا بلند تر اُس سے جو یہ لوگ اُس کے ساتھ ٹھہراتے ہیں“ ص ۲۵۹ مرزا جی نے بے چون و چرا اسکو تسلیم کر لیا ہے کہ ان آیات میں ”خدا کے شریک ٹھہرانے“ کے گناہ کا مذکور ہے اور وہ اس شرک کے لئے نہ کوئی مذرت کرتے ہیں نہ تاویل۔ اور انکو صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ ذکر ان تمام

مشرکین عرب کا ہے جو رسول کریم صلعم کے مخاطب ہیں۔ وہ اپنا بارگاہِ نبوت اور خطبہ صرف ان لوگوں پر لگاتے ہیں جو کسی ایک مفسر کی مردود رائے کو باجماع کے کرشمہ کیشہ کی حرات کرتے ہیں کہ اس آیت میں آدم وحوٰ کا ذکر ہے۔ ان کے نزدیک "مختلف باتوں پر غور کر کے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آدم وحوٰ کا اس جگہ ذکر نہیں ہٹے۔ اور اس پر یہ حد سے بڑھی دلیل ان کے پاس یہ ہے کہ آدم کا نام ان آیات میں مذکور نہیں ہے۔ ۱۰۶ آپ کو ان لوگوں کی نسبت جو آیت میں آدم وحوٰ کی طرف صریح اشارہ پاتے ہیں سخت شکایت ہے۔ گویا وہ "قرآن شریف کے الفاظ کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتے حالانکہ وہی الفاظ ہیں جن کو مسلمان سمجھتے ہیں۔"

امر متفق طلب پس اب ساری بحث اس ایک بات پر تپڑی ہے کہ آیت میں اس طرح صاف صاف حقیقہ کا صیغہ کس کے لئے آیا آدم وحوٰ کے لئے یا کسی اور جوڑے کے لئے۔ اس میں تو شک ہی نہیں ہو سکتا کہ یہ نہ کسی واحد کا ذکر ہے اور نہ جمع کا صرف ایک جوڑے کا ذکر ہے۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ اس میں آدم وحوٰ مقصود نہیں تو بھی حضرت آدم کی نسبت نہیں ثابت ہو سکتی کیونکہ وہ تو ہماری پہلی دلیل سے باطل ہو چکی لیکن اگر کہیں یہ ثابت ہو گیا کہ اس آیت میں آدم وحوٰ کا ذکر ہے تو مزاجی کا سارا فیصل بگڑ جائیگا۔ اور آپ کو قادیان میں بھی امان نہیں مل سکتی۔ اور یہ راہ حرزاجی کے لئے ہم کو پھر اس سے بھی زیادہ نظر تک معلوم ہوتی ہے کیونکہ اب ان کے گریز کے لئے تاویل کی مفر بھی باقی نہیں رہی۔

آدم کا نام ہم جو قرآن شریف کے الفاظ کی طرف پڑ رہے تو یہ کہتے ہوئے ہیں ان سے لینگے آیت میں کوئی الحقیقت آیت میں نہ آدم کا نام آیا۔ نہ تو کا اور نہ ہی کو بھی ان میں سے نہ اردو بچائیے کتابت میں "مشرکین عرب کا نام بھی نہیں آیا۔ اگر صرف نام ہی ایک وسیلہ نہیں جس سے کسی شخص کا تعلق کیا جاتا ہے مہر و نیک بھی ان شخص کو بیان کرتا ہے۔

اگر کوئی مولانا بالفصل اولاً تاکہ دیں کہ کذاب قادیانی و جال کا پیش رو ہے تو حکیم نور الدین
 بھی نہ کہیں گے کہ یہ ذکر خیر حضرت اقدس کا نہیں کیونکہ جناب مولوی صاحب نے مرزا جی کا نام
 تو نہیں لیا۔ اسی طرح گورس آیت میں آدم اور حوا کا نام نہیں تو یہی کسی قرآن خوان کو پڑھتے
 وقت شبہ نہیں ہو سکتا کہ خلقکم من نفیس واحدۃ وجعل منہما زوجہما۔ سے آدم
 و حوا ہی مراد ہیں۔ اس قول میں ہم سراسر مرزا جی کے اصول تفسیر سے متشکک ہوئے ہیں
 کہ قرآن شریف خود اپنی تفسیر آپ کرتا ہے اور اُس کے بعض حصے دوسروں پر روشنی ڈالتے ہیں
 قرآن آپ تو آپ سن لیجئے سورہ نساء کی پہلی آیت میں بخسبہ یہی کلام وارد ہوا یا اہل التاس
 اپنا مفسر النفوذ یکم الذی خلقکم من نفیس واحدۃ وخلق منہما زوجہما وبنی
 منہما دجلاً کثیراً ولبساً اے لوگو ڈرتے رہو اپنے رب سے جس نے بنایا تم کو
 ایک جان سے اور اُسی سے بنایا اُس کا جوڑا اور بکھرے اُن دونوں سے بہت مرداؤ
 عورتیں۔ اب تم ہی ایمان سے تہلو و کہ اس آیت میں نفیس واحدۃ وخلق
 منہما زوجہما سے آدم اور حوا ہی مراد ہیں یا کوئی اور شخص۔ باوجود کے کہ اس میں نہ
 آدم کا نام ہے اور نہ حوا کا۔ مگر نہیں ہم تمہارے ایمان کو خطرے میں نہیں ڈالتے کہیں
 تم انکار کر جاؤ اور کہو کہ ہر خاندان کا ایک مورثا ہے ہوتا ہے اور اُس کی جوڑی
 اُسی کی جنس سے ہوتی ہے۔ آدم اور حوا کو اُس سے کیا خصوصیت و تعلق؟ اس آیت
 میں بھی ذکر اُن تمام مشرکین عرب کا ہے جو رسول کریم صلعم سے مخاطب ہیں تو ہم تمہارا کیا
 کریں گے اس میں تمہارا ایمان جائیگا اور ہمارا کچھ فائدہ نہیں۔ اس لئے پہلے کان لگا کر خوب
 سن لو اور سمجھ لو کہ

حوا کی اُخلق منہما زوجہما پسید الی اُس سے جوڑو اُس کی۔ یہ ایک واقعی اور
 بدیش حقیقی تعریف علم دین میں حضرت حوا کی ہے اس پر تورات کتاب پیہ انش پلہ اور
 احادیث شاہد ہیں۔ فالنقی اللہ تعالیٰ علیہ النور ثم اخذ من اضلالہ من شقہ

الایسر وضع مکانہ لهما وخلق حواصنہما ذالی اللہ تعالیٰ نے آدم کے اوپر نیند پھر نکالی اس کی بائیں طرف کی ایک پسلی اور بھر دیا اس کی جگہ گوشت اور پیدا کیا تو کوئس سے (تفسیر کبیر آیت یا آدم اسکن امت وذر جثک - بقرہ) - جناب مرزا صاحب ایک ایسے ضمیمہ میں اور سخن پرور میں کہ ہم کو اب بھی یقین نہیں آتا کہ وہ ایسی مضبوط نقلی دلائل کے آگے بھی سر تسلیم خم کر دیں۔ اور کسی بات کو چاہے وہ کتنی ہی سچی ہو مان لیں پس ہم کیونکر ان حضرت سے اتنی بات منوالیں کہ یہ آیت یعنی سورہ نساء والی آیت آدم وحواء کے باب میں ہے مگر ہماری شکل آسان ہے۔

مزاجی یہ جو کچھ ہم نے کہا مرزا ان سب کو مان چکے ہیں۔ وہ اپنے ریویو نمبر ہا بت مئی ۱۹۰۲ء کا اقرار کے صفحہ ۱۷۹ میں فرماتے ہیں۔ خدا نے تو کو علیحدہ پیدا کیا بلکہ آدم کی پسلی کو اسکو نکالا جیسا کہ قرآن شریف میں فرمایا ہے خلق منہما زوجہا یعنی آدم کے وجود میں سے ہم نے اسکا جوڑا پیدا کیا جو حوا ہے۔

مزاجی پر ہم پوچھتے ہیں کہ اس آیت میں آدم کا نام کہاں سے آیا اور حوا کہاں سے آیا؟
 بلکہ حوا کا نام سارے قرآن میں بھی کہیں نہیں ہے پھر تم نے کہاں سے آدم کی پسلی کا ذکر پایا اور کہاں سے ”آدم کے وجود میں سے حوا کا پیدا ہونا بیان کیا۔ پس جب تم نے اس بات کو قبول کر لیا کہ خَلَقْتُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا میں نفس واحدہ سے مراد صرف آدم ہے اور زو جہا سے حوا اور خلق منہما میں اشارہ آدم کی پسلی کی طرف ہے جس سے حوا پیدا کی گئی تو پھر آیت تَنَزَّاهُ خَلَقْتُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا کی نسبت کیوں ہٹ دھرمی سے کہتے ہو کہ اس میں آدم اور حوا کا نام نہیں ہا تمہارے ہی اپنے قول اور قاعدے سے یہ آیت حرف حرف صرف آدم اور حوا پر صادق آتی ہے۔ اور از آدم تائیں دم کوئی دوسرا بشر اس کا مصداق نہیں ہو سکتا ہے۔ ان دونوں آیتوں میں صرف ایک لفظ کا بل ہے پہلی؟

میں لفظ خلق ہے اور دوسری میں جعل۔ مگر معنی میں دونوں لفظ بالکل واحد ہیں۔ ذرا بھی فرق نہیں۔ جس طرح خلق کے معنی مرزا نے ”پیدا کیا“ بتلائے اُسی طرح جعل کے معنی بھی ”پیدا کیا“ لکھے۔ اور اس میں لفظ منہا ہے جس کے معنی ہیں ”آدم کے وجود میں سے“ پس اگر تبار ایوان قرآن پر دراصل کچھ ہے تو کیوں ہمارے مقابلہ میں ہٹ اور ضرر سے جو روحانی بزدلی وجہن پر دال میں یہ کہنے کی جرأت کرتے ہو کہ ”آدم کا نام ان آیات میں ہرگز نہ کو نہیں“۔ مرزا بھی نے اپنی سخن پردازی میں جو کچھ لکھا ہے وہ حرف حرف امام بزرگ کی تفسیر کبیر سے اڑا یا ہے۔ امام رازی نے حضرت آدم کی عصمت کے اثبات میں بڑی کوشش کی ہے کہ کسی طرح اُن پر سے شرک کا الزام ہٹاویں۔ اور یہ خطرناک آیت اُن سے منسوب نہ ہونے پائے۔ مگر جب وہ ناکام رہے تو ہمارے بیچارے مرزا کی کیا بساط کہ زبان کھول سکیں۔

امام رازیؒ اذکر وہ کوئی دیانتہ سے بالکل ہاتھ اٹھا ہے مگر امام رازی نے اور مقامات میں کا اقرار کیا جسماں اُنکو مخالفین کے اعتراض کا اندیشہ نہ تھا سچی بات کا بھی اقرار کر لیا ہے۔ اور آیت متنازعہ میں آدم اور حوا کے ذکر کو تسلیم کیا۔ ہم یہاں امام صاحب کی حد کے فتلج نہیں۔ ہم تو اپنے دعوے کو قرآن وحدیث کے الفاظ سے ثابت کرتے ہیں مگر چونکہ امام رازی کو مرزا بھی نے ”مفسرین میں سب سے بڑھ کر ایک جگہ مانا ہے (ریویو جلد ۷ ص ۲۹۳) اس لئے مرزا بھی پر حجت قائم کرنے کے لئے ہم اُن کے قول کا حوالہ دیتے ہیں سورہ بقرہ آیت استکن انت وذو جلد الجنۃ کی تفسیر میں امام صاحب لکھتے ہیں ”علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ زوجہ سے حضرت حوا اویں۔ اگرچہ اس سورۃ میں انکا ذکر اس سے پہلے نہیں ہوا مگر قرآن کی آیات سے اسکا ثبوت ہوتا ہے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام سے پیدا ہوئیں۔ چنانچہ خدا نے سورۃ نسا میں فرماتا ہے۔ الذی خلقکم من نفیس واحدۃ

وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا دَجَسًا
لِيَنْكُرَ الْآيَاتِ (ترجمہ تفسیر کبیر ص ۳۳۳) اور یہی آخری آیت زیر بحث ہے۔ امام
رازی کی زبان پر توحق جاری ہو گیا۔ انہوں نے یہاں مان لیا کہ یہ آیت آدم اور حوا
کے باب میں ہے۔ مگر کتنی بے انصافی ہے کہ مرزا جی سورہ نساء کی آیت کو تو آدم اور حوا
کا مذکور مان لیں لیکن سورہ اعراف میں جب وہی آیت آئے تو بے محابا کہہ دیں کہ یہ آدم
و حوا کا ذکر نہیں یہاں تو انکا نام وارد نہیں ہوا۔ آدم و حوا سے اس آیت کو منسوب
کرنا صرف کسی مفسر کی مردود رائے ہے۔

تحقق مفسرین! یہ قول خود مردود ہے۔ مرزا جی! آپ انہیں الفاظ کو سورہ نساء میں
کی رائے آدم اور حوا سے منسوب کر چکے اب تو ہم نے یہ بھی دکھلا دیا کہ امام رازی
نے اپنی اسکو ایک مقام تسلیم کر لیا ہے۔ اسی رائے کو امام بنوئی سے مستند مفسر نے
تفسیر معالم التنزیل میں قبول کیا۔ اسی کو صاحب مدارک التنزیل نے بغیر متن آیت میں مستند
جلد دی۔ اسی کو حسینی نے بیان کیا۔ اور اسی کو جلالین سی مکتبہ اور مستند تفسیر نے جو
درسی کتب میں داخل ہے اختیار کیا۔ جس کو ہم ابھی نقل بھی کر چکے تاکہ مرزا جی کو
آیت کے ایسے صحیح اور سچے معنی کو کسی مفسر کی مردود رائے کہنے کی پھر جرات نہ ہے
اب تک تو ہم نے اپنے معنی کی تحقیق میں صرف قرآن کریم کے الفاظ ہی کو پیش کیا اور کتنی
کرتے میں انہیں معنیوں کو صحیح سمجھا جو قرآن شریف کے دوسرے حصوں کے مخالف
نہیں اور جن کا مؤید خود قرآن شریف ہے کتاب جو ہم نے معتبر اور محقق مفسرین کا اس
جگہ حوالہ دیا تو یہ صرف تائیدی رنگ میں ہے تاکہ مرزا کی غلط بیانی طشت از باہم
ہو جائے ورنہ ہماری تحقیقات کی بنیاد صرف قرآن شریف کے الفاظ پر ہی رہی۔
اور یہ روش مرزا جی کو کبھی بھی نصیب نہ ہوئی۔ جب قرآن شریف کے معنی کرنے میں
وہ ہمیشہ بہکا کئے تو کیا مجال کہ وہ عیسائیوں کے علوم دین میں دخل دیں۔ اور

انہیں شریف کی ایک آیت کے معنی بھی صحیح لگا سکیں۔ جیسا ہم عصمتِ مسیح کی بحث میں
قدم قدم پر اہل تشیع کو دیکھ گئے۔

تو برا وجہ فلک چہ دانی صیت چو ندانی کہ در سرے تو کیست
اس خاص آیت کی صحیح تفسیر میں ہم حدیث شریف کی سند دیکر بھی ثابت کئے دیتے ہیں کہ
حدیث شریف کی سند آیت میں جملہ منہاجہا سے مراد عواہیں اور ان سے شرک
سرزد ہوا تھا اور اسی کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے۔ مرزا حنی نے اپنی زبان سے
اقرار کر لیا ہے کہ اگر کسی لفظ یا آیت کی تفسیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے
نکلے ہوئی ثابت ہو تو اسکو بیشک یقینی طور پر صحیح اور قابل اتباع مانا جائیگا۔ پس انہی
ہو کہ منہجہ عواہیں ہذا لکھنا لکھنا ہے ”الذی خلقکم من نفس واحدہ“
ای آدم رجعلی خلق منہ ہذا وجہ مراد ہوا یہ منہجہ شرک کی تاویل کرتا ہے۔

مگر مزاجی جو کسی منہجہ کی سنتے نہیں وہ اس میں تاویل روا نہیں رکھتے۔ وہ کہتا ہے
کہ شرک نام رکھنے میں تھا کہ بچے کا نام عبد الوارث رکھا یہ اشراک فی الجہود دیتے ہیں۔

جلال الدین سیوطی اس آیت کے حضرت آدم اور حوا کے حق میں ہونے کی تائید میں حاکم
اور ترمذی کی صحیح اور حسن حدیثوں کی سند دیتا ہے دو ہی سمر فارغ عن النبی صلی
اللہ علیہ وسلم قال لما ولدت حوا و طان ایما ابلیس و کان کالعیث
لما ولد فقال سمیہ عبد الحمار ث فانه لعیث فسمیہ ذعاش فکان
ذالک من وحی الشیطان واسی :

ترجمہ روایت کی سمر فارغ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ فرمایا تھا کہ جب حوا کے بچہ پیدا ہوا تو ابلیس نے
اسکو آگیا اور حوا کی داد دینے چیتی تھی۔ پس شیطان نے حوا سے کہا کہ بچے کا نام عبد الحمار
رکھ دے تو وہ نے گا۔ پس حوا نے اسکا یہی نام رکھا اور وہ بچا اور یہ بات شیطان کی
وحی اور اس کے حکم سے واقع ہوئی۔ حدیث شریف میں صرف حوا کا ذکر ہوا اس میں

آدم کا ذکر متروک تھا۔ مگر قرآن شریف نے اُسی واقع کی طرف اشارہ کر کے اس امر کی پوری تصحیح کر دی ہے کہ جعلالہ شرکاء آدم اور حوا دونوں نے شرک کیا تھا۔
 ثنایہ حضرت حوا نے شرک پہلے کیا تھا اور آدم اُن کے شرک میں شریک ہو گئے۔ حدیث میں صرف حضرت حوا کے فعل کا بیان مقصود تھا۔ یہاں دونوں کے فعل کا تذکرہ کر دیا کہ وہ دونوں خدا کے شرک بٹھرانے لگے۔ یہ حدیث جامع ترمذی ابواب التفسیر سورہ اعراف میں وارد ہے اور اس صحیح ترمذی کے اوپر مرزا جی کی عنایت بھی خاص ہے کیونکہ آپ زوری داگست ۱۹۲۷ء کے ریویو میں اسکی شروح کا اشتہار ان الفاظ میں دیتے ہیں
 ”فحاج سبتہ کی مشہور کتاب ترمذی“۔

مرزا جی کے اس لئے ہم نے اس کتاب کی سند پکڑی۔ ہم تو یہ سب کچھ کہہ چکے مگر مرزا جی کا ہم فہم کا تصور یہ سمجھنے میں قاصر ہے کہ جب آیت میں اندر صیغہ تنیہ کا استعمال ہو چکا تھا تو آفر میں کیوں جمع کے صیغہ لیشر کون کی ضرورت پڑی۔ وہ تو ہم کو یہ نہ سمجھا سکے کہ آیت میں اگر آدم اور حوا کا ذکر نہیں تھا تو پھر تنیہ کا صیغہ کیوں آیا کیونکہ تنیہ سوائے دو کے تیسرے کیلئے نہیں آتا۔ مگر ہم اُنکو سمجھانے دیتے ہیں کہ جو افعال تنہا آدم یا حوا کی ذات خاص سے مخصوص تھے وہ تو صیغہ واحد میں آئے جیسے اتخذہا۔ حملت۔ اقلت۔ قرت اور جن افعال میں دونوں کی شرکت تھی اُن کے لئے صیغہ تنیہ موضوع ہوا جیسے دعوا جعللا۔ آتما۔ مگر جو فعل ایسا تھا کہ اس میں نہ صرف آدم اور حوا بلکہ اُنکی اولاد میں تمام جہان کے مشرکین سب ہی شریک تھے اُسکے اظہار کے واسطے سوائے صیغہ جمع کے اور کچھ کہہ نہیں سکتا تھا اسلئے آخر فقرے میں تمام مشرکین کے شرک سے بیزاری ظاہر کی۔
 فتعلی اللہ عما لیشرکون اور لیشرکون سے آدم اور حوا خارج نہیں ہوتے بلکہ اُن کے ساتھ کل مشرکین کو داخل کیا کیونکہ یہ فعل آدم اور حوا سے مخصوص نہیں رہا۔ اور جو ہم نے یہ کہا کہ اگر یہ انہیں (آدم و حوا) کے شرک کا ذکر ہوتا تو آخری الفاظ یوں ہونے چاہئیں تھے

کہ بلند تر ہے خدا اس سے جو ان دونوں نے اس کے شریک ٹھہرائے تو اس سے بڑی خرابی واقع ہوتی اور یہ ایک ایسی بدتمیزی تھی جسے مرکب صرف جہلاء و فہماء ہی ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ اس صورت میں مراد یہ ہو جاتی ہے کہ خدا صرف آدم اور حوا کے شرک سے بیزار ہے دیگر مشرکین کے شرک سے اسکو بیزار ہی نہیں۔ اور ہم قرآن کو اس قسم کی غلطی سے بہت بلند و بالا سمجھتے ہیں :

ناظرین اب انصاف سے دیکھ لو کہ ہم نے کس طرح اپنی تحقیقات کی بنیاد صرف قرآن شریف کے الفاظ پر رکھی۔ ہم نے قرآن کی تفسیر قرآن سے کی اور قرآن کے مطالب کی تشریح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے نکلی ہوئی حدیث شریف سے بھی کی۔ اور صرف "نایدی رنگ میں" متنبہ اور محقق مشرین کا زور دکھلایا۔

مرزا جی کی کیا یہ تعجب کی بات نہیں کہ مرزا جی نے قرآن شریف کے ان خاص الخاص قرآن دانی بعض حصوں کو پس پشت پھینک دیا جو دوسروں کے مسنون پر روشنی ڈالتے ہیں اور بجائے اس کے کہ آیۃ خلقکم من نفس واحدۃ وجعل صنادیدہا کی تفسیر میں وہ سورہ نساء کے متنی للفظوالعنی آیت خلقکم من نفس واحدۃ وخلق صنادیدہا وبت منہما دجالا کثیرا و نساء کو پیش کرتے ہیں جسکو وہ خود آدم اور حوا کے حق میں ثابت کر چکے۔ یا دوسری ہم معنی آیت کو یا ایہا الناس انا خلقکم من ذکر و انثی وجعلکم شعوبا و قبائل۔ اے آدمیو ہم نے تم کو بنایا ایک از اور ایک مادہ سے اور تمہیں تمہاری ذاتیں اور گوتیں (ہجرات) دے دیں وہ بات بنانے کے لئے حیلہ و صونڈ مکتے ہیں اور ایسی صاف صاف آیات سے آنکھ بند کر کے (سورہ روم) وخلقکم من الفسکم انہما کما حوالہ دیتے ہیں (جلد ۲ ص ۶۳) جس کے معنی ہیں بنادیے تم کو تمہاری جنس سے جوڑے۔ اور یہ غالباً اشارہ عرب کے رواج کی طرف ہے کہ شادی یا دوقربی رشتہ داروں یعنی ایک ہی خاندان بلکہ ایک ہی

دو ایسا تانکی اولاد میں ہوتا ہے۔ مگر مزاجی بات بناتے ہیں کہ ”قرآن شریف کے رو سے صرف حوا ہی آدم سے پیدا نہیں ہوئی بلکہ ہر ایک آدمی کے لئے عورت اُسی سے پیدا کی گئی“ اگر دراصل اس جگہ اس طرف اشارہ بھی ہوتا تو یہ سخن محض مجاز پر مبنی ہو گا نہ کہ حقیقت پر۔ کیونکہ حقیقتاً تو خدا نے صرف حوا ہی کو ”آدم کی پسلی سے نکالا“ اور اس کے وجود میں سے پیدا کیا۔ اور تمام عورتوں کی فطرتی پیدائش کا تو یہ طریق نہیں ہے۔ پس انکو صرف مجازاً حوا کی اولاد ہونے کی وجہ سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ مردوں سے پیدا ہوئیں اور مردوں کی پسلیوں سے بنیں۔ دیکھو اسی مقام پر سورہ روم میں لکھا ہے خَلَقْنَاكُمْ مِنْ تَرَابٍ تمام انسانوں کو خاک سے پیدا کیا۔ یہ بھی مجاز ہے کیونکہ حقیقتاً تو انسان کی پیدائش صوفِ لطفۃ ہے۔ اور نے الواقع صرف آدم ہی کو کہہ سکتے ہیں کہ خالقِ انصاف تواب نہیں حقیقت اور مجاز میں امتیاز نہ کرنے کی وجہ سے یادیدہ و دانستہ بات یا سخن غرض سے مزاجی نے تخلیقِ لکم من الفسکم اور اجا کو جعل صینہا ذویہا کی تفسیر بنایا ہے۔ گویا قرآن میں اُن کی نظر سے کوئی اس سے زیادہ متعلق آیت بھی نہیں گذری۔ اور گویا انہوں نے خلق صینہا ذویہا کبھی ٹرہا ہی نہیں تھا۔ جس میں آدم اور حوا کی پیدائش کے حقیقی واقع کا اشارہ ہے۔ کیا اسی جہل کی دستارِ فضیلت پر آپ مسلمانوں کے عظیم الشان امام ”نکودعوئے عرفان الہی و علمِ ربانی“ کرتے ہیں، پس جب تم مان چکے کہ اس آیت میں مشرکین کا بیان ہے کہ کیونکہ وہ خدا کے شریک ٹھہرانے لگے، اور جب قرآن سے اور حدیث سے بلکہ خود تمہارے اقرار و تسلیم سے ہم نے ثابت کر دیا کہ آیت میں آدم اور حوا کا ذکر ہے تو پھر تمہاری ٹیسا مجال ہے کہ تم حضرت آدم کو ”شرک جیسے قبیح گناہ“ سے معصوم کہہ سکو۔ کیونکہ تم نے تو تاویل کی بھی راہ مار دی جبکو علمائے اسلام اختیار کرتے تھے۔ تم تو صاف صاف ترجمہ کر چکے کہ وہ دونوں خدا کے شریک ٹھہرانے لگے اُس میں جو خدا نے اُن دونوں کو دیا تھا۔ ص ۲۵

مرزا جی کی ناعاقبت اور ناعاقبت اندیشی بھی قابل ملاحظہ ہے۔ آپ تو اندیشی اور حضرت یہ ہرگز تسلیم نہیں کرتے کہ یہ آیت حضرت آدم پر چسبان ہو سکتی ہو کہ وہ اسماعیل کی عصمت اس میں صریح شرک کا ذکر ہے مگر آپ یہ ضرور فرماتے ہیں اگر خلق کلم میں صنم کو مجموعی طور پر یا جادے یعنی کل مشرکین عرب تو وہ ایک جان یعنی نفس واحد عرب کا جہد شرک ہو گا جس سے ان سب کی نسل چلتی ہے۔ اور پھر یہ بھی مانتے ہیں کہ "سباق و سباق آیت انہیں معنوں کو ترجیح دیتا ہے" (ص ۲۶۲ مرزا) اس وقت باطل بھڑے ہوئے ہیں کہ ہم ہزار جگہ اس کو قبول کر چکے اور تمام مسلمان ہمیشہ سے مانتے آئے کہ عربوں کا جہد شرک حضرت اسماعیل میں اور رسول صلعم اسماعیلیوں میں سے پیدا ہوئے تھے اور توریت کی پیش گوئی کے مطابق اسرائیلیوں کے بھائیوں میں سے تھے۔ جلد ۱ ص ۲ اور خود آنحضرت نے عربوں کو بنی اسماعیل فرمایا ہے۔ دھیّا ہی اسماعیل و ان آباؤکم کان راہبیا (مشارقی الانوار نمبر ۳۰۳) تو اگر آیت آدم کے حق میں نہیں ہے تو پھر حضرت اسماعیل کے حق میں اور ان کی زوجہ کے حق میں یقینی ہوئی جس سے ان سب کی نسل چلتی ہے۔ اسماعیل قرآن اور اسلام کا نبی ہو پس اگر آدم شرک کے مرتکب نہ بھی ہوئے تو اسماعیل شرک کے مرتکب ضرور ہوئے اور عصمت انبیاء کا دعویٰ پھر باطل ہو گیا۔ حق یہ ہے کہ مرزا جی آگاہیچھا کچھ نہیں سوچتا یہ سب عافطہ ناشد کے کرشمے ہیں۔

فصل الخطاب اس کل تقریر میں ہم ایک ایسا اہم عقدہ حل کر چکے ہیں جس سے عصمت انبیاء کی بحث قطعاً طے ہو جاتی ہے۔ یا تو حضرت آدم نبی نہ تھے یا نبی تھے مگر گھٹا رو فیہر معصوم۔ پس عصمت نبوت کے لئے لازم نہ تھیری۔ کچھ ضرور نہیں کہ جس کو نبی یا نبی اسکو ہم معصوم عن الخطا بھی مانیں۔ ہم کسی کو بھی معصوم نہیں ان سکتے تا وقتیکہ کتب آسمانی اس کی عصمت پر گواہی نہ دیں۔ ہم نے خوب تحقیق کی صدقِ دل سے یہودیوں

عیسائیوں اور مسلمانوں کی کتب ایمانیہ پر غور و خوض کیا اور سوائے حضرت مسیح کے ہم کو کسی کی عصمت ثابت نہ ملی۔ پس محض کتابی دلیل سے ہم نے عصمت کو خاصہ نبوت نہیں بلکہ اسکو صرف کلمۃ اللہ کا خاصہ مانا۔ سارے قرآن میں ایک آیت بھی نہیں جو بطور نص قاطع عصمت انبیاء پر دال ہو سکے۔ اور اب تو ہم مرزا جی کو تحدی بھی کر چکے۔ اگر قرآن میں کوئی ایسی آیت ہو تو وسوسہ زائیں پیش کرنا بے فائدہ فلاح نماند۔

ان کو پیش کر دینا واجب ہے مگر ہم کو تو ایسی توقع نہیں ہو سکتی کیونکہ جب قرآن نے ایسی لفظی اور سنوئی صراحت سے آدم کو غیر معصوم اور گنہگار قرار دے دیا تو کیا قرآن شریف اپنی جہد میں مرزا جی کے ہاتھ کوئی نص دے دیکھا۔ ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں۔

عصمت انبیاء مرزا جی کہتے ہیں کہ ”اور کئی مقامات پر بھی ہیں جن میں انبیاء علیہم السلام اور باوجود صلی علیہ وسلم کی ذات اعلیٰ کی لیس لیس کی ہے جس سے ان کا معصوم اور خدا کی نظر میں مورد غضب نہ ہونا صاف پایا جاتا ہے“ جلد ۱ ص ۳۸۲ پھر یہ بھی لکھتے ہیں کہ ”انبیاء علیہم السلام کو خدا نے ہر ایک قسم کی سزا سے ہمیشہ کے لئے بری ٹھہرایا ہے“ جلد ۲ ص ۲۵۵۔ اگر عصمت کے معنی یہ ہوتے کہ اختیار و قدرت رکھتے ہوئے انسان خدا کی اطاعت کرے اور نافرمانی سے بچا رہے یعنی مرکب عصیان نہ ہو تو اس معنی پر قرآن کی ایک آیت بھی شاہد نہیں کہ کوئی نبی چاہے کہ اسکا امتیٰ راست باز معصوم ہے۔ مگر تم بھول جاتے ہو جب تم ”راست بازوں“ کو بھی ”انبیاء علیہم السلام“ کے ساتھ معصوم بنانے لگے تو عصمت انبیاء کا مسئلہ ٹل گیا اور عصمت کوئی خصوصیت نبی کی نہ رہی۔ تم تو اب عصمت صلی علیہ وسلم کے قائل ہو گئے اور غلطی پر غلطی کر بیٹھے۔ اور بالکل بھول گئے خطا آدم غلطیات ذریتہ آدم نے خطا کی پس اس کی نسل نے بھی خطا کی۔ پھر ہمارا یہ سخن بھی باطل ہو گیا کہ انبیاء ہر ایک قسم کی سزا سے ہمیشہ کے لئے بری ہیں کیونکہ ہم تو دکھلا چکے کہ حضرت آدم کو ضرور سزا ملی وہ جنت سے جلا وطن

کئے گئے۔ لیکن نانا کہ انبیاءِ سزا سے محفوظ ہیں اور بشمولیت راست بازوں کے وہ خدا کی نظر میں موردِ غضب نہیں۔ تو معصوم ہونا تو یا گناہ کی سزا سے محفوظ ہونا ہوا اور اسکو عصمت سے کچھ لگاؤ بھی نہیں جس کے معنی گناہ سے محفوظ ہونا ہے نہ کہ صرف سزائے گناہ سے۔ اور اگر سزا سے محفوظ ہونے کا نام معصوم ہونا ہو تو سب سے زیادہ معصوم بدری صحابہ ہیں جن سے موافق حدیث کے اللہ عہد کر چکا۔ احمداً واما شیتم فقد غضبت لکم۔ جو تہا راجی چاہے کیا کرو میں تو تم کو بخش چکا۔ و مشاقق الانوار حدیث نمبر ۵۸۴ ہم کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مرزا جی اب تک یہی نہیں سمجھتے کہ معصوم کس کو کہتے ہیں۔ عصمت سے کیا مراد ہے اور وہ کیوں عصمت انبیاء ثابت کرنے چلے۔ اور پھر کیوں عصمت روحِ اقدس سے انکو ترغاش ہے۔ منطق میں ایسی آشفنگی اور زوہد لیدگی ہم نے آج تک نہیں دیکھی۔ چونکہ اہل اسلام عصمت انبیاء کے قائل ہیں اسلئے ان کے اکثر علماء اس مسئلہ کی حمایت میں ہمیشہ لکھتے رہے اور بہت کچھ رطب و یابس لکھ چکے مگر ہم نے کسی تقریر میں ایسی خامی اور ناکافی آج تک نہیں دیکھی جیسی جناب مرزا صاحب کی تقریر میں۔ اور اگر خدا بخوaste جو دھوئیں صدی کے پُر آشوب زمانہ نے مسلمانوں کا یہی امام پیدا کیا اور یہی اسلام کو زندہ کرنے والا ہے تو ان شاء اللہ و اننا الیہ راجعون

عشرہ کاملہ

تحقیق معنی استغفار و ذنب

توبہ آں جو یہ کہہ کر دے است آں گناہ آہ او گوید کہ گم کرد است راہ
عصمت انبیاء کی عام بحث میں اس وقت تک آپ لوگوں نے مرزا جی کی زبان مبارک
سے جو کچھ سنا وہ سب علماء سلف کا فرمودہ تھا۔ جو کچھ بدتیزی اس میں تھی وہ ضرور
مرزا جی کا طبع زاد مرزا جی کی اپنی ہے۔ اب اس باب میں ہم مرزا جی کے طبخاں سے بحث
کرنے لگے۔ یہ خیالات نہ اُنکے اپنے میں جو علماء سلف یا خلف کو نہیں سوجھے اور سمجھتے
بھی تھے۔ ان میں کوئی بات بھی علم کے متعلق نہیں ہے۔

یہ مضمون ہم نے ابتداً مرزا جی کے انگریزی ریویو نمبر ۱۹۰۲ء کے جواب میں کلکتہ کے
اخبار ایسیفنی نومبر ۲۹ دسمبر ۱۹۰۲ء کے واسطے لکھا تھا وہ آڈیکل اب جناب جیمس مریوٹ
کینن آف دی آرڈر آف دی ہاتھ کے انگریزی رسالہ موسلم ٹیننگ میں درج ہے۔
مرزا جی اور تعلیم یافتہ اُس وقت ہمارا ارادہ تھا کہ یہ کل مضامین انگریزی میں لکھیں
مسلمان اور اُس وقت تک ہماری نگاہ سے صرف انگریزی پر جم ریویو

گذاڑا تھا۔ مگر ہم کو فوراً معلوم ہو گیا کہ انگریزی تعلیم یافتہ مسلمانوں میں مرزا جی کے خیالات
کو اتنی وقعت بھی حاصل نہیں ہوئی جتنی انگریزی زبان میں نجوم اور جادو اور سامورک
اور فالناموں کو حاصل ہے۔ یہ لوگ تو مرزا جی کو ایک صحیح عقل آدمی بھی نہیں مانتے
اور کیونکر عاقلین جب اُن کا لیڈر سر سید آپ کو سمجھیں اور پاگل تو رہ سکتے ہیں۔

اہل رنگ فٹ نوٹ ہے۔ کوئی صاحب کمال الدین سکرری جن کا دیں اس پر جانور کی خدمت میں آئیں
اور مرنے والے ۲۰ اگست ۱۹۰۳ء کے ذریعہ چند جمع کرنے کی کوشش میں اس شخص کی مدد سے دیں اور مرزا

یہیں ایسے مرد و فیلات کو انگریزی تعلیم یافتہ گروہ کے لئے زبان انگریزی میں روزنامہ لکھنے کی تحصیل حاصل تھا۔ اور ہم نے اس ارادے کو فسخ کر کے اپنا مضمون عام فائدہ کے لئے اردو میں ترجمہ کیا اور ترقی کا ہود کے کاموں کے لئے سلسلہ مضامین اردو میں جاری کر دیا۔

اور بدقت ہونا زمین نشین کر رہے ہیں۔ اور آپ کا سب سے بڑا فخر یہ ہے کہ حضرت اقدس کی پورے قد کی تصویر مختلف مخالف یورپ و امریکہ میں بڑی دلچسپی کے ساتھ شائع ہو رہی ہے۔ ہندوستان کا محل تو ہم کو معلوم ہے۔ برہم غری دنیا۔ تو دور کے ڈھول سہاوانے ہوتے ہیں مگر اس میں زیادہ تر آپ کی خوش فہمی ہے۔ مرزا جی خاطر جمع رکھیں کہ اہل رنگ ہر عجب و روزگار کی تصویر سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ ڈوئی ان کے حریف کو یہ فخر ملا جی سے پہلے حاصل ہو چکا۔ بلکہ ممالک متوسطہ کا انتہا پھیل بھی یہ اعزاز اہل رنگ کے ہاتھوں پا چکا۔ آپ میکوکوں کا پیاں اپنے دیو اور حضرت اقدس کی تصویر کی فرنگستان کے اہل مطالع کو بہراہ مفت روانہ کرتے رہتے ہیں۔ وہ بھلے آدمی شکر کے ساتھ رسید دیتے ہیں۔ اور ذلت راجہ گفت۔ ان لوگوں کو مسلمانان ہند کے ایک خطی کے منہ سے اسلام کی بیچ کن باتیں منکر تعجب آتا ہے کہ کبھی تو یہ شخص مغربی خیالات کا ایک پارچہ کھوپ ہاتھ میں لئے نظر آتا ہے اور کبھی قلمانی خیالات کا لکھو دھو تر اور پھر کبھی ان دونوں کو جوڑ کر ایک دوپٹی ٹوپی سر پر دھکر سب کو ہنسا دیتا ہے۔ اور آج کل تو وہاں ڈوئی اور پگڑی مدھیان سمیت کا جو چا ہو رہا ہے اور جیسا ہندوستان میں ان دونوں کے سر پر آپ کے سر کے ساتھ لٹا اٹے جاتے ہیں ایسا ہی وہاں آپ کا سر اٹکے سروں کے ساتھ لٹا دیا جاتا ہے پھر کیوں حضرت اقدس کی تصویر دلچسپی سے خالی ہوا پائی ایک تصویر کی زیارت ہم کو بھی ہوئی ہے جو سرنگ کے مقبرے کی تصویر کے ساتھ انگریزی دور در قریں چھپی ہے اس میں ایک بڑی دلچسپی کی بات ہم نے بھی دیکھی کہ حضرت اقدس نے وہ اپنی آنکھ تو بالکل بند کر لی اور بائیں گوشہ فردت سے زیادہ اُبھار دیا ہے۔ اس تصویر کو ہم نے ایک مسلمان دوست کو دکھلایا وہ عین پر نقطہ دیکھ کر بے ساختہ بول اٹھا چشمہ بد دور۔ یک چشم تو کورست۔ دیگر چشم تو تھوڑے۔ ہم نے کہا ایسا مست کہو۔ یہ تو رجال کو مارنے آئے ہیں۔ بولا۔ خوب! کیا اس ترجمہ جی جنوں سے یہ تصویر بیشک سامانی دنیا کیلئے دلچسپی کا گودام ہے۔ نہ معلوم آڈیٹر مشقہ نے اسکو دیکھا یا نہیں۔ اس رسم کو بچا ہوا فرنگی کیا سمجھیں۔

تاکہ ان اہل اسلام کو فائدہ پہنچے جو ان خیالات کی تردید یا ترفیع میں کچھ دلچسپی رکھتے ہیں ہم اپنے مضمون کو یہاں اضافہ کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ مگر چونکہ یہ بیشتر انگریزی کا ترجمہ ہے اس لئے مرزا جی کی وہ عبارات جو بلا حوالہ اس میں آئی ہیں انگریزی ریویو بابت ماہ مئی ۱۹۰۶ء کے مطابق ہیں اور اگر ان کے اردو رسالہ سے لفظاً متفق نہ ہوں تو جاننا چاہئے کہ ہمارے ترجمہ میں قرتی نہیں بلکہ مرزا جی کے اردو رسالہ میں ناظرین اہل انگریزی سے مقابلہ کر کے جاچ سکتے ہیں۔

قرآن شریف کی نص ہے **وَاسْتَغْفِرْ لَذَنْبِكَ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ (مجمع)** اَدَل۔ آیت کا صحیح لفظی ترجمہ یہ ہے ”معافی مانگ واسطے گناہ اپنے کے اور واسطے ایماندار مردوں اور ایماندار عورتوں کے“۔ مترجمین اور مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ الفاظ ”واسطے گناہ کے“

صحیح ترجمہ آیت کے فقرہ ثانی میں لازمی طور پر محذوف ہیں۔ چنانچہ شرح مواقف میں سے ای ولذنب المؤمنین لدلالة القرينة السابقة وهی ذکر الذنب (نوٹ کشوری ص ۳۱) یعنی قرینہ سابقہ ذکر ذنب کا اس پر دلالت کرتا ہے پس ساری آیت کا ترجمہ ہی کیا کیا ”معافی مانگ واسطے گناہ اپنے کے اور واسطے گناہ ایماندار مردوں اور ایماندار عورتوں کے“۔ مگر ایسی سیدھی اور سچی بات کو اگر مرزا صاحب مان لیں تو قرآن کے اعجازی جواہر پر مطلع ہونے کے دعوے میں شبہ لگ جائے (جلد سوم ص ۱۰۰) اس لئے آپ آیت کے معنی اس پیچیدہ عبارت میں بیان فرماتے ہیں

مرزا جی کا ”خدا سے دعا مانگ کہ وہ تیری ذات کو جسم کی کمزوری سے محفوظ رکھے اور تجھ کو غلط ترجمہ تقویت بخشنے کو تو اس کمزوری سے مغلوب نہ ہو جائے۔ اور بطور شفاعت کے ان مردوں اور عورتوں کے لئے بھی دعا کر جو تجھ پر ایمان لاتے ہیں تاکہ دے ان خطاؤ کی سزا سے بچائے جائیں جو ان سے سرزد ہو چکیں وغیرہ۔“

افسوس اس آیت کریمہ کی مرزا جی نے کیسی گت بنائی۔ جائے غور ہے کہ الفاظ استغفر و معافی
 الگ اور ذنب (گناہ) صرف ایک ہی دفعہ اس آیت میں وارد ہوئے اور وہ بھی صرف فقہانوں
 میں۔ لیکن وہی الفاظ فقہ ثانی پر بھی محذوف ہو کر حاوی میں پس ذرا بھی شک نہیں کہ کل آیت
 میں صرف ایک ہی معنی لگائے جاسکتے ہیں چاہے کچھ ہی کیوں نہ ہوں۔ مگر مرزا جی کی زبردستی تو
 دیکھو کہ کیسی جرات سے آپ اصل فقرہ میں جہاں لفظ وارد ہوا ہے ذنب کے معنی مجہم کی کمزوری فرماتے
 ہیں۔ اور فقرہ محکوم میں جہاں لفظ ذنب صرف محذوف ہے خطائیں جو سرزد ہو چکیں۔ گویا مرزا ہم سے
 کہتے ہیں کہ اس آیت میں قرآن کو الگ الگ دو مختلف المعنی الفاظ لانا چاہیے تھا اور یہ بعض اس کی
 غلطی تھی کہ ایک ہی لفظ لایا اور وہ بھی صرف ایک ہی دفعہ اور غلط مقام پر۔ مرزا جی نہ منطق کے پابند
 ہیں نہ قواعد تفسیر کے۔

دوم۔ لفظ استغفار کے معنی۔

آپ فرماتے ہیں ”لفظ استغفر کے معنی میں خدا سے دعا مانگنا کہ بندہ کو جہانی کمزوری
 کی غلطی کے غلبہ سے محفوظ رکھے۔ انسانی فطرت کو تقویت بخشنے اور بندے کو اپنی پناہ اور رہائی
 بیانی المان میں لے کر“

۱) اس معنی کی تائید میں جیسے ”پچھے اور اصلی معنی“ ہونے پر اس قدر تاکید کہ مرزا جی کسی کتاب
 لغت کی سند پیش کر کے اپنے ناظرین کی تیشی نہیں فرماتے۔

(۲) نہ اس معنی پر جناب قرآن شریف سے کوئی مثل ہی پیش کرتے ہیں۔

استغفار کے صحیح معنی (۳) ہاں آپ یہ البتہ فرماتے ہیں کہ بعض موقعوں پر معنی کو وسعت دی جاتی
 ہے اور تب لفظ کے معنی سرزد شدہ خطاؤں کے نتائج سے خدا کی حفاظت مانگا ہو جاتے ہیں۔

اس معنی کو صرف ”بعض موقعوں“ پر محدود فرمانا جناب کی خطا ہے کیونکہ ہمیشہ اور ہم جگہ لفظ استغفار
 کے یہی معنی آئے ہیں خصوصاً لفظ ذنب سے ملکر جیسا اس آیت میں ہے۔ استغفار کی یہی مراد ہوتی
 ہے کہ خدا سرزد شدہ گناہوں کی معزرت پچاؤ سے۔ ہم مرزا جی کے اصرار تفسیر کو یہ نظر رکھ کر اس معنی

پر قرآن شریف سے نظر بھی پیش کئے دیتے ہیں۔ اہل بہت اور محسنین کی شان میں آیا ہے۔
 وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرَ ذُنُوبَهُمْ وَأَلْزَمُوا اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ
 اور وہ لوگ کہ جب کر بیٹھیں کوئی گناہ یا بڑا کریں اپنی جانوں کا تو یاد کریں اللہ کو اور بخشش مانگیں
 اپنے گناہوں کی۔ اس آیت سے استغفار اور ذنب کے ”پچھے اور اصلی معنی“ بالکل روشن ہو
 جاتے ہیں اور یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ استغفار کس اصول پر مبنی ہے۔ یعنی استغفار کا موقع
 بھی ہوتا ہے جب بندہ کوئی گناہ کرے یا اپنی جان کا بڑا کرے۔ ایسا ہی دوسرے مقام
 میں لکھا ہے۔ مَنْ لَعِمَ سَوْءًا وَنَظَّمَ لِنَفْسِهِ ثُمَّ لِيَسْتَغْفِرَ اللَّهُ جَوْ كُوءِي بَدِي كَرَّ يَافِي جَان
 کا بڑا کرے پھر اللہ سے استغفار کرے (سعاء ع) +

مرزا جی کی شرط (۴) مرزا جی کا اعتراف ہے ”ایسی وسعت حسنوں میں جائز ہے جب تن کلام
 اسکا مستحق ہوئے بشیر ماروٹن۔ اب جناب ہی دیکھ لیں کہ آیت زیر بحث کا متن کوئی بھی فرق
 درمیان نبی اور اسکے مومنین کے نہیں کرتا۔ ایک ہی لفظ کل پر حاوی ہے بنی کی شان میں صریحا
 مومنین کی ضمانت۔ پس ایسی وسعت یہاں تو ضرور جائز رکھنا ہوگی۔“

مغفرت کے معنی [مرزا جی فرماتے ہیں] استغفار کا لفظ غفر سے نکلا ہے اور اسکے اصلی معنی دبانے
 اور ڈھکانے کے ہیں (۱) لیکن انہوں نے پھر یہ سرا سر غلط کہا کہ معنی یہ درخواست کرنا کہ
 بشریت کی کمزوری ظاہر ہو کر نقصان نہ پہنچے وے اور وہ دھکی پھپھنے اسلام میں اور نہ اہل کتاب
 کے دینی علم میں کچھ ایسا معنی آئے۔ یہ تو ایک اصطلاح ہے اور اسکے معنی معروف ہیں۔ ہر قسم
 کے ڈھکنے کو غفر نہیں کہتے۔ تشریعی غفر نہیں بلکہ صرف گناہ کا ڈھکنے غفر ہو سکتا ہے۔ نہ یوں
 میں ہے مبارک ہیں جن کی بیکاریاں معاف ہوئیں اور جگہ گناہ ڈھانکے گئے۔ اور گناہ کے
 ڈھکنے سے کئی نتیجے پیدا ہوتے ہیں۔ جب گناہ ڈھک کر چھپ گیا تو گویا اسکو خدائے بھی بھلا
 دیا اور وہ محسوس نہیں ہوا اور ڈھک جانامز اسکے تیر کے سامنے گویا ڈھال ہو جانا ہوا۔
 اور اس میں ایک اور بہت ہی لطیف معنی بھی ہے کہ خدا انسان کے گناہوں کو اس قدر پوشیدہ

کر دے کہ ناجی ایمان نہ اس کی آنکھ سے بھی گناہ چھپ جائے۔ اور اللہ کی رحمت کی فراوانی کے ساتھ
 پہلے گناہ و نافرمانی کی یاد اسے نہ ستائے جو شرمندگی اور مذمت ہے اور الہی بخشش کی
 معیت میں ابرار کو زیادہ محسوس ہوتی ہے۔ سچی اور پوری معافی کے لئے انگریزی میں محاورہ یہ ہے
 ”مُغاف کرو نیا اور بھلا دنیا“۔ زبور میں ہے ”میری جوانی کے گناہوں کو یاد رست کر نہ میری غلطیوں کو
 (زبور ۲۵)“ آپس کا مل مغفرت یہ ہے کہ گناہ اس طور سے نہ مٹا دیا جائے کہ انکو خدا غفار بھی
 بھلا دے اور بندہ مغفور نہ ہو کسی یغمت صرف عقیقے میں حاصل ہو سکتی ہے جب ایماندار گناہ
 کے برونی عذاب سے امن پا کر اس کی روحانی تکلی کے عذاب سے تدریجاً غفصی پا سکے۔
 اس طرح گناہ کی ایک مغفرت بہشت کے اندر بھی ہو سکتی ہے مگر اسکا علاقہ بھی انسان کی اُسی گنجائشی
 کے ساتھ ہو گا جو دنیا میں سرزد ہو چکی تھی :

مغفرت کیلئے (۱) اب سخن پروردی میں مرزا صاحب فرماتے ہیں ”اگر دنیا میں گناہ کا وجود ہی نہ
 گناہ لازم ہو تا تو بھی استغفار جو انسان کی مخلوقیت کا تقاضا ہے ضرور برقرار رہتا۔ ہم کہتے
 ہیں کہ اگر استغفار مخلوقیت کا تقاضا ہو نہ کہ ارتکاب معاصی کا تو فرشتے مخلوق ہونے کی حیثیت
 سے سب سے پہلے ہم کو استغفار کرتے ہوتے۔ مگر اس باب میں قرآن بالکل ساکت ہے۔ باوجودیکہ
 وہ فرشتوں کو نبی آدم کے سامنے لاتا ہے۔ لِيَسْتَغْفِرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا (سورن غ)۔
 ورنہ خیالیکہ وہ معافی مانگتے ہیں ان لوگوں کے واسطے جو ایمان لائے ہیں پس ظاہر ہوتا کہ کسی بشر کو
 بھی حاجت استغفار نہیں ہو سکتی تا وقتیکہ وہ ترکب نہ ہو۔ اور یہی وجہ ہے کہ ہم نہیں پڑھتے
 کہ آدم نے قبل الخرش اقرار گناہ یا طلب مغفرت کیا اور یہی وجہ ہے کہ آدم ثانی یعنی کلمۃ اللہ
 جو گناہوں سے پاک اور محض محصوم تھا استغفار و اقرار و نوب کا محتاج نہیں ہوا :

مرزا جی کا ادعا (۲) مرزا جی نے فروری ۱۸۹۹ء کے ریویو میں بڑا زور مارا ہے کہ کوئی آیت قرآن سے
 اور الہی تردید اپنے غمینی کی تائید میں لائیں جتنا چاہو دو آیتوں کا حوالہ دیتے ہیں۔ اہم فیما
 جن مکی آیتیں یہ مغفرت ہیں۔ ایمانداروں کو جنت میں سب طرح کی عیوب سے اور

مغفرت ہے اُن کے رب سے (مخرج) ليقولون ربنا اتم لنا ثودنا ولا خضر لنا کينکے اے
 رب ہمارے پوری کر دے ہمو ہمارے روشنی اور معاف کر دے ہم کو (تحریم غ) مزا کہتے ہیں پھر
 وہ لوگ جو بہشت میں داخل ہو چکے کیوں استغفار کریں گے اور کیوں خدا سے تقاضے بہشت کی
 نعمتوں میں سے مغفرت اپنی بڑی نعمت بیان کرتا ہے جیسا کہ مذکورہ بالا دو آیتوں سے ظاہر ہے۔
 یہ قطعی دلیل اس امر پر ہے کہ اس جگہ استغفار کے معنی گناہ کی مٹاؤں سے بچائے جانے یا گناہ سے
 معافی کے نہیں ہیں، صحت پہلی آیت میں نہ استغفار کا ذکر ہے نہ استغفار ذنب کا جس پر بحث
 ہو رہی ہے اس کی تفسیر دوسری آیت ہے سار عواالی مغفرت من ربکم و جنتہ۔
 دو طرح کی بحثیں ہر اپنے رب کی اور جنت پر ز آل عمران (۱) دونوں جگہ جنت اور مغفرت کو ایک بتلایا
 یعنی بہشت وہ جگہ ہے جہاں پوری معافی گناہوں کی ہے۔ جہاں کسی بچھے گناہ کا اثر نہیں
 اور جہاں بلا معافی گناہ کے داخل نہیں۔ مومن جب تک جیتا ہے اُس کا ایمان پیم ورجا کے درمیان
 ہے۔ گناہوں کی معافی کا وہ خواستگار اور امیدوار ہے مگر جب تک وہ جنت میں داخل نہیں ہوا
 پیم بھی اُس کے ساتھ لگا ہے۔ پس مغفرت گناہ کے عذاب کا خوف دور ہو جانا اور امید کا برآنا
 جنت ہی میں ہے۔ دوسری آیت اُن لوگوں کے متعلق نہیں ہے جو بہشت میں داخل ہو چکے
 بلکہ اُن لوگوں کے متعلق جو یوم قیامت امید مغفرت میں رحمت الہی کے منتظر ہیں جیسا اس
 فقرے سے روشن ہوتا ہے۔ یوم لا یغفری اللہ البنی والذین العنوا معہ جس دن نہ
 ذلیل کر گیا اللہ نبی کو اور جو لوگ ایمان لائے اُسکے ساتھ اور جیسا اس فقرے سے روشن ہے
 تو کواالی اللہ توبۃ النصیحۃ اتوبہ کی طرف صاف دل سے۔ پس یہ آیت سرزد
 شدہ گناہوں کی مغفرت کا ذکر کرتی ہے۔ مگر تم بھڑ گئے کہ اس آیت کو تم خود اُس حالت سے
 متعلق بنا چکے جو حشرِ جہاد کے بعد اور جنت عظمیٰ میں داخل ہونے سے پہلے ہے (ازالہ الہام
 حصہ ۲) تو اب یہ دونو آیتیں تمہاری بحث سے خارج ہو کر ہمارے ہی دعوے کی توثیق ہیں۔
 اور ذنب اور استغفار کے یہی معنی برقرار رہے جو ہم بیان اور ثابت کر چکے۔

سوم۔ آیت کی تفسیر نبوی۔

اب ہم زیادہ تحقیق کو کام میں لائیں گے اور دریافت کریں گے کہ ائمہ پاک کا جو یہ خطاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا۔ تو آپ نے خود ذنب و استغفار کا مفہوم کیا سمجھا؟ کتاب شارح الانوار میں حضرت کے بعض استغفاریوں درج ہیں۔

اللہم اغفر لی خطیئتی وجہلی واسرا فی فی آخری (۲۲۰۴)۔

الہی بخش دے میری خطا اور میری نادانی اور میری زیادتی جو مجھ سے اپنے حال میں ہوئی۔
اللہم اغفر لی ہذلی وجہلی وخطیئتی وحمدی (۲۲۰۵)۔

الہی بخش دے میری یہودگی اور میری گناہ کی کوشش اور میری خطا اور میرے قصد کو۔
اللہم اغفر لی ذنبی مکملہ وقتہ وجلہ واولہ وآخرہ وعلانیہ وسیرہ (۲۲۰۶)۔

الہی بخش دے میرے گناہ سارے چھوٹے اور بڑے پہلے اور پچھلے کھلے اور چھپے۔
ظلمت نفسی واعترفت بذنبی فاغفر لی ذنوبی جمیعاً (۲۲۱)۔

یہ بڑا کیا اپنی جان کا اور اقرار کیا اپنے گناہ کا پس بخش دے مجھ کو میرے سارے گناہ سے۔
پس اگر تم اس نزاع کو فیصل کرے تو ہمارا آپ کا جھگڑا ہمیشہ کو ٹھیک گیا کیونکہ جب اپنے ذنب کا اقرار کیا گیا بلکہ اپنی خطا کا اپنی نادانی کا اپنی زیادتی کا اپنی یہودگی کا اپنے گناہ کی کوشش کا اپنے چھوٹے بڑے کھلے چھپے گناہوں کا اور اپنی جان کا بڑا کرنے کا تو لفظ ذنب کی کوئی دوسری کل ٹیڑھی نہیں سکتی کوئی لالچہ سر نہیں۔ آپ کس کس لفظ کے معنی بگاڑیں گے؟
ایک ذنب پر تو کچھ منحصر نہیں کیا آپ نہیں دیکھتے کہ آنحضرت نے خود ذنب کو ایک دوسرے لفظ جس کے مفہوم پر کوئی نزاع نہیں ایسی لفظ خطا کا مترادف بیان فرما کر آپ کو بالکل بالیوس کر دیا ہے۔ اللہم طہرنی عن الذنوب والخطایا (مسلم کتاب الصلوات) بارغدا یا پاک کر دے مجھ کو گناہوں (ذنوب) سے اور خطاؤں سے۔ پس اگر تم اپنے عہد پر قائم ہو کہ ”اگر کسی لفظ یا آیت کی تفسیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے نکلی ثابت ہو تو اس کو بیشک یقینی طور پر صحیح اور

قابل اتیان مانا جائیگا۔ تو تم کو چارہ نہیں بجز اس کے کہ ہمارے قول پر صراحت کر دو۔
چہادہ۔ ذنب کے لغوی معنی اور سند۔

مرزا جی فرماتے ہیں ”لفظ ذنب اس آیت میں گناہ کا ہم معنی نہیں ہے۔ گناہ کی عربی جڑ ہم
سکا اور درمیان ذنب اور جرم کے ایک اہم فرق ہے۔“ لفظ ذنب کا اطلاق انسانی فطرت کی
مکروری پر بھی ہوتا ہے۔ مگر جرم ذنب کو گناہ کا مترادف مان لیں تو یہ بات عربی علم لغت کے
خلاف ہے۔“

کچھ ثبوت کی بات نہیں جو اتنی بڑی علیت کا دعویٰ اپنے بالبداہت لغو قول کی تائید
میں کسی سلف یا خلف کی سند پیش کرنے سے عاجز ہے۔ نہ صرف سارے قرآن میں اور ساری
امادیت میں بلکہ ساری عربی لٹریچر میں بھی مرزا کو کوئی مقام نہیں مل سکتا جہاں ذنب سوچا
گناہ کے کسی دوسرے معنی میں آیا ہو یا اس کا بار ثبوت مرزا کے کندھوں پر ہے کہ ذنب کا اطلاق
انسانی فطرت کی مکروری پر بھی ہوتا ہے۔“

ذنب بمعنی (۱) ہم کہتے ہیں کہ ذنب کے نہایت سچے اور نہایت ٹھیک معنی سوائے گناہ کے کچھ نہیں
ہیں اور اس کے لئے نعت کی سند ہے۔

الذنب الاثم۔ الاثم بالکسر الذنب والخمر والقمار وان تحمل ما لا یحکل۔
الجرم بالضم الذنب (قاموس) یعنی ذنب بمعنی اثم۔ اثم بمعنی ذنب و شراب و قمار و ہر
فعل ناجائز۔ جرم بمعنی ذنب۔
”ذنب گناہ۔ جرم بالضم گناہ“ (دراحد)۔

”ذنب بالفتح گناہ و ہر کار کہ روں آں نار و باشد جرم بالضم گناہ (منہج الارباب) یعنی اہل
نعت تو یک زبان بکار رہے ہیں کہ ذنب و جرم دائم مترادف و ہم معنی گناہ کے ہیں نہ اس سے کچھ
زیادہ نہ کم۔“

مگر ہم پوچھتے ہیں کہ ایسا کون سا قاعدہ ہو سکتا ہے جس سے ہم مرزا کو قائل کر دیں کہ

اس آیت میں ذنب بمعنی گناہ ہے۔ اس نے لغت کا نام لیا ہم نے لغت کی سند ویدی اس نے
”شیاق و سباق عبارت“ کی شرط کی ہم نے اس کو پورا کر دیا ص ۲۸۲۔ اب اگر وہ کہدے

تعلیٰ عَلِمْتُ اَرْجِعِينَ الْغَاصِينَ اللّٰغَاتِ الْعَرَبِيَّةِ مَجْهُوْلَتِ عَرَبِيٍّ مِثْلُ عَالِيَسْ خِزَارِ لَفْظِ
معلوم ہیں۔ میں ابو الحسن علی اور ابو عبد اللہ جعفر و ابو عیسیٰ ابراہیم اور ان کے باپ محمد موسے بن
حسن بن فرات چاروں وزراء نے عتاسیہ سے بڑھ کر یہوں مکتوب عربی ص ۲۲۰-۲۲۵۔ میں
عربیت کے دریا کا کوزہ۔ قاموس کی کیا حقیقت جو میرے سامنے اسناد آئے تو ہم کو یوں کر اس کی
زمان کیڑے لگتے ہیں۔ اس لئے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ مواویٰ حکیم نور الدین صاحب کی سند پر
سند حکیم جن کو مرزا بھی الفاضل الاجل تسلیم کرتے ہیں اور لوگ بھی جنکو مرزاجی کا استاد سمجھتے ہیں
نور الدین دیکھ کر مکتوب عربی ص ۲۲۲۔

پس واضح ہو کہ حکیم الامتہ فصل الخطاب حصہ اول (ص ۲۱۹ و ۲۲۰) میں آیت
وَاسْتَغْفِرْ لِّذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ میں ذنب کے معنی ”یعنی طور پر لطیف عربی بول چال کے گناہ ہی
قبول کرتے ہیں اور ایسا گناہ کہ انکو کینا پڑتا ہے کہ صاحب قوم قوم کے گناہ سے گنہگار کہا جاتا ہو
اس لئے ”وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْاَوْدَاءِ عَطْفٌ تَفْصِيحاً“ پس حکیم صاحب سے فاضل اجل نے بلا تامل
مان لیا کہ یہاں ذنب کے معنی اسی قسم کے گناہ کے ہیں جو امت سے سرزد ہو کر تے ہیں :

اسی مضمون کی دوسری آیت آنحضرت کے حق میں ہے لِيَغْضَرَ لَكَ اللَّهُ مَا نَقَّاهُ
مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ دَفْعُ اسرار ترجمہ بھی حکیم صاحب ہی کرتے ہیں تا بنفہ امتد تیرے پہلے
اور پچھلے گناہوں کو یعنی حکیم الامتہ نے بھی معنی ذنب کے اس آیت میں گناہ ارشاد فرمائے :
مرزا کی اختلاف بیانی **مناظرین** نے ملاحظہ کیا ہو گا کہ مرزاجی کی تقریر کا اصل تماشایہ ہے کہ ایک
طرف تو فرمادیا کہ ”ذنب اس آیت میں گناہ کا ہم معنی نہیں ہے“ اور پھر اس آیت میں اس لفظ
کا ترجمہ فقرہ ثانی میں یہ کر دیا خطائیں جو سرزد ہو چکیں۔ ممکن ہے کہ مرزاجی کے ذہن میں خطائوں
اور گناہوں میں بھی کوئی فرق ہو :

اگر اب بھی کچھ کسرتی رہ گئی ہو تو مزاجی کے سخن کی تکذیب ہم خود ان کے الہام ربانی کی سند سے کئے دیتے ہیں۔ اگر مان گئے تو بحث طے ہوئی ونب کے معنے گناہ ہوئے عصمت انبیاء کا عقدہ حل ہو گیا۔ نہ مانے تو آپ کا الہام جھوٹا ہو گیا مسلمانوں کے سر سے ایک باطلی پڑے۔
 سن لو اسے ناظرین سورہ فتح میں جو آیت ہے لیخضر لک اللہ صا لقدم من ذنبک وصا لآخری آیت جناب مزاجی صاحب کی شان میں بھی نازل ہوئی ہے لفظ بہ لفظ۔ اور اسکا اردو الہامی ترجمہ بھی آپ پر نازل ہوا اور وہ یہ ہے ”ہم نے تجھے کھلی کھلی فتح دی ہے تا تیرے لگھے اور پچھلے گناہ معاف کئے جائیں“ (دیکھو رسائل اربعہ۔ اشتہار مبارکہ ص ۵۵)۔
 اب تو مزاجی کو معلوم ہو جائیگا کہ کھلی کھلی فتح کئے معنی کیا ہیں +

یہ سن کر بھی ناظرین کو بڑی حیرت ہوگی کہ مزاجی نے اپنے طول طویل مکتوب عربی میں الفاظ ونب۔ مذنبین۔ یذنبون۔ بار بار بڑی تکرار سے استعمال کئے اور ہر جگہ ان کا فارسی الہامی ترجمہ گناہ و گناہگار اس و گناہ لے کنند کیا۔ کیا یہ سب دروغ گو را حافظہ نباشد کا نمونہ ہے؟
 مزاجی نے ایک اور لطف کی بات کہہ ڈالی ہے ”مجرم کا ونب گناہ ہے اسی طرح آثم اور اور فاسق کا ذنب بھی۔ لیکن محض مذنب ہونا گناہ کار ہونا ثابت نہیں کرتا“ ص ۸۲ یعنی کہری کا ذنب تو گناہ ہے مگر مذنب کا ذنب گناہ نہیں۔ اسی کو لوگ کٹھ پتلی کہتے ہیں۔ گروہم اسکو بھی فتح کرینگے۔ مزاجی نے ہندوؤں اور انکے ویدوں کی مذمت میں اپنے مکتوب عربی میں ارشاد فرمایا جو بل یحب وید ہم ان لا تقطع ابد اسلسلۃ ذنب الہذنبیین اور اس کا فارسی الہامی ترجمہ یہ فرمایا ”بلکہ دید ایشان دوست میدارد کہ سلسلہ گناہ گناہگاروں کا ہے منقطع نگرود ص ۸۳“
 تو محض مذنب ہونا بھی گناہگار ہونا ثابت ہو گیا۔

سعدی۔ از دست خوشین فریاد

ایسا معلوم ہو چکا ہے کہ مزاجی صاحب نے اپنے چالیس ہزار لغت عربیہ میں ونب کا یہ نیا مفہوم اضافہ کر لیا ہے اور یہ غلطی آپ کے علم کی شدت و کثرت پر دال ہے +

پنجم آیا انبیاء کے حق میں لفظ جرم یا اسکا ہم معنی لفظ قرآن میں آیا ہے؟

مرزا فرماتے ہیں جیسی تو وجہ ہے کہ چونکہ خدا کے نبی انسانی فطرت میں شریک ہیں اور اس وجہ سے جسم کی کمزوری میں بھی۔ اس لئے کلام اللہ میں لفظ ذنب اپنے چسپان کیا گیا۔ یہ بات اس امر سے بھی روشن ہے کہ لفظ جرم جو ٹھیک ہم معنی گناہ کا تھا خدا کے کسی نبی پر چسپان نہیں کیا گیا۔ اگر کلام اللہ کا مقصود انبیاء کو گناہگار تسللہ کرنے کا ہوتا تو ہم نہیں سمجھتے کہ کیوں ان کی شان میں لفظ جرم کے استعمال سے جس کے صحیح معنی گناہ تھے اجتناب کیا جاتا؟ باوجودیکہ وہی لفظ کوئی ایک سو مقاموں پر پاک کتاب نے فی الضمین انبیاء کے حق میں استعمال کیا ہے جنکو وہ گناہگار تصور کرتی ہو؟

مرزا جی کو بلا الہام و وحی کی مدد کے یہ بات معلوم ہونا چاہیے تھی کہ جرم ایک ایسا لفظ ہے جو سومتہ تو درکنار قرآن میں کسی ایک جگہ بھی وارد نہیں ہوا۔ حالانکہ اگر بقول جناب وہ ٹھیک ہم معنی گناہ کا ہوتا تو قرآن میں سو کیا وہ ہزاروں جگہ آیا ہوتا۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ ہر اسمی ایک لفظ کے گناہ کا ہر ایک مردوف مثلاً خطا۔ اثم۔ ظلم۔ ذنب۔ جناح۔ فسق۔ عصیاں۔

عدوان۔ سیئہ وغیرہ قرآن میں کثرت ملتا ہے۔ تو کیا ہم یہ سمجھیں کہ گو تصور گناہ کا تو قرآن میں اس وجہ عام ہے، لیکن اس کے اظہار کے لئے جو صرف ایک ہی ٹھیک لفظ زبان عرب میں مضموع یہودی بھی ہوا تھا اسی کو ترک کر دیا۔ ہم آپ کو اور آپ کے تمام ہم خیالوں کو پھر بتائے دیتے ہیں جرم نہیں کہ لفظ جرم قرآن میں نہ کسی نبی کے حق میں آیا اور نہ غیر نبی کے حق میں۔ بلکہ آپ کا قول

لے مرزا جی کو خلیفہ اہل انصاف دیکھیں کہ کیسے کھٹے الفاظ میں مرزا نے اپنے انگریزی پچھو پچھو ہر صدمہ میں لکھ دیا ہے کی تاویل

کہ وہی لفظ جرم کوئی ایک سو مقاموں پر کتاب پاک نے فی الضمین انبیاء کے حق میں استعمال کیا تاہم جب ہم نے اس کو بتلوا دیا کہ وہی لفظ قرآن میں ایک جگہ بھی نہیں آیا تو اسکا خلیفہ ہم پر گم ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ گو حضرت اقدس نے کہا تو وہی لفظ تھا مگر جرم ہے آپ کی مراد وہ سارے الفاظ تھے جو اس لفظ سے نکلتے ہیں جیسے جرم۔

بحرہ من۔ اجماع ۱۲۳۳ھ و ۱۲۳۶ھ۔ اسکو چاہیے کہ اپنے پر سے کچھ کہ تم جمع اردو کو اور محمد علی ایم اے سے کچھ کہ انگریزی درست کرو۔ یا خود اپنے پر کی تحریر پر اعتراض ہونے کے قبل جائزہ شائع کر دیا کرے۔ یہ کیا ناشہ جو کہ سچی کی غلطی وغیرہ کیے ہو کہو ڈھانسا جاتا ہے؟

سکر بڑی حیرت ہم کو یہ ہوتی ہے کہ یہ لفظ جرم یا اس سے کوئی مشتق لفظ یہود کے حق میں بھی نہیں آیا جو پیغمبر اسلام کی دشمنی پر ہمیشہ تلے رہے اور جو اپنے گناہ و عصیاء کی سزا میں بقول قرآن سوز اور بندر بنا دئے گئے۔ پس اب ہم آپ ہی کے الفاظ میں پوچھتے ہیں کہ اگر کلام اللہ کا مقصود یہودیوں کو گنہگار تبتلہ کرنے کا ہوتا تو ہم نہیں سمجھتے کہ کیوں انہی شان میں لفظ جرم کے استعمال سے جس کے صریح معنی گناہ تھے اجتناب کیا جاتا؟ کیا یہود کو بھی قرآن نے معصوم مانا؟ کیونکہ نہ ان سے جرم منسوب ہوا نہ وہ مجرمین کہلائے۔

یہ لفظ آنحضرتؐ لیکن اگر جرم سے تمہاری مراد یہی ہے جو تمہارا شاگرد تبار ہے تو گویہود اور دیگر پرچیان کیا گیا انبیاء کے حق میں ایسا کوئی لفظ قرآن میں نہیں وارد ہوا تاہم آنحضرتؐ کے حق میں ضرور آیا ہے۔ سورہ سابع میں ہے قُلْ لَا تَسْلُونَنَا اَجْرًا وَلَا لِنَسْأَلَ عَنْهَا تَعْمَلُونَ تو کہہ تم سے نہ پوچھ ہوگی جو ہم نے جرم گناہ کیا اور ہم سے نہ پوچھ ہوگی جو تم کرتے ہو۔ تو یہ حجت بھی تمام ہوگئی۔ مگر ہم کو اندیشہ ہے کہ استاد اپنے شاگرد کو تھپٹا بیٹھے اور شاگرد استاد کو اور پھر کہا جائیگا کہ اس آیت میں اجر صاف ہے اور ہم نے تو یہی لفظ جرم مانگا تو انکو یاد رہے کہ جرم اپنی مصدری صورت میں "قرآن ایک جگہ بھی نہیں آیا۔

نہشتم۔ جرم اور ذنب ایک ہی ہے۔ مرزا کہتے ہیں "لفظ ذنب اگر انبیاء کی شان میں کلام مقدس میں کبھی وارد ہوا تو اس کے معنی وہاں گناہ نہیں بلکہ صرف انسان کی فطرتی کمزوری ہے۔ قرآن مجرم کو یعنی ایسے شخص کو جو جرم یا گناہ کا مرتکب ہو عقاب و دوزخ سے ڈراتا ہے مگر وہ اس فہم کی سزا کا مذکور ذنب یعنی ایسے شخص کے حق میں کسی جا نہیں کرتا جس تذبذب یعنی انسانی کمزوری منسوب کیا جائے۔

۱۔ مرزا کا نظریہ کہتا ہے کہ آیت و علی الذین ہادوا و احترنا کل ذی فطر الخ (انعام ع) میں یہودیوں کا ذکر ہے جن کی نسبت لفظ یون آیا ص ۲۴۷ اسکو چاہیے کہ حکیم نور الدین سے آیت دو بارہ جرم (معلوم کرے کہ قوم المجرمین سے مشرکین عرب مراد ہیں جو آیت میں ذکر تو یہود کا ہے مگر غلط مشرکین ہیں اور میں اسے بعد ہی لکھا ہے سيقول الذین اشکوا اب مشرکین اسکا جواب یہ دینگے:

مرزا کی غلطی

مجرم بنی اب اس کی حقیقت بھی سن لیجئے کہ مذنب ایک اور لفظ ہے کہ وہ بھی کبھی قرآن میں نہیں آیا۔ قرآن نے دراصل مجرم ہی کو مذنب مانا ہے۔ قرآن میں مجرم کی تعریف یہی ہے یعنی ایسا شخص جس سے ذنب سرزد ہوگا اور یوں قرآن ذنب کو مجرم کی ذات سے وابستہ کر کے مستوجب عقاب نامزد نہیں کرتا ہے۔ سالکانِ جہنم چارے ہیں۔ اعتزفنا بذلک لوینا (میں غفلت میں اپنے ذنب کو لٹکا ہوں) کا اقرار کرتے ہیں۔ اور شاید آپ ہی کو متنبہ کرتے ہیں کہ محض اپنے ذنب کی خاطر وہ دوزخ میں در آئے۔ اور سنئے فیوضِ حنین کا لیسٹل عن ذنبہ السنن وکلا جان (رحمن غ) پھر اس دن پوچھے نہیں اس کے گناہ (ذنب) کی کسی آدمی سے نہ جن سے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ ذنب کو کوئی خاص خلوق انسان کی فطرت کے ساتھ نہیں ہے۔ بلکہ اس کا اطلاق جمیع انسان کی بدکاری پر ہوتا ہے ویسا ہی بھلائی کی بدکاری پر بھی :-

لا یسئل عن ذنوبہم المجرمون (نقص غ) پوچھے نہ جائیں گنہگاروں سے ان کے گناہ۔
محض ذنب نے ان لوگوں کو مجرم کر دیا۔ قرآن ان مجرموں کے جرم سے کچھ تعرض نہیں کرتا۔ وہ ان میں صرف ذنب پاتا ہے اور اس وجہ سے بلا جواب لئے ان پر فتوے سزا کا صادر ہوتا ہے پس اب ثابت ہو گیا کہ قرآن کا جو مذنب ہے اور قرآن کا ذنب جرم۔ مگر لفظ قرآن میں نہ جرم کا لفظ آیا نہ ذنب کا :-

ظلم یعنی جرم اس سلسلے میں یہ امر بھی قابلِ لحاظ ہے کہ ظلم ایک اور لفظ ہے جس کا استعمال قرآن میں جرم کے اس مفہوم میں زیادہ تر آیا ہے جس پر مزاجی اصرار کر رہے ہیں :-
ومن یظلم یظلم نفسه (ذوقان غ) اور جو کوئی تم میں بُرا دظلم کرے ہم اس کو چھوٹا نہیں کرتے۔
بڑا عذاب۔ اعتدنا للظالمین نارا۔ (کعب غ۔ فرقان غ۔ دہر غ۔ شور غ۔ صافات غ)
مومن غ تیار کی ہے ہم نے بُرا کرنے والوں (ظالموں) کے واسطے آگ +

ان الذین تولوہم المملکۃ ظالمی انفسہم قالوا فیما کنتم۔ فاولئک ما واکم جہنم
(سبا غ) جن لوگوں کی جان نکالتے ہیں زشتے اس حال میں کہ وہ بُرا کر رہے ہیں اپنا کہتے ہیں

تم کس بات میں تھے۔۔۔۔۔ سوالیوں کا ٹھکانا ہے دوسرخہ

ظالم اور مجرم ہمہ وجہ ایک ہی ہیں جسے کہ ایک لفظ دوسرے کا بدل ہے۔ فالظور کیف کلن عاقبتہ المجرمین (اعراف) فالظور کیف کان عاقبتہ الظالمین (قصص) ۴

ظلم انبیا [تمام قرآن خوانوں کو معلوم ہو گا کہ یہ لفظ ظلم جو جرم کا بدل ہے انبیا کے حق میں ضرور آتا ہے۔ سے منسوب] حضرت آدم فرماتے ہیں دنیا ظلمنا النفسا اے رب ہم نے ظلم کیا اپنی جانوں پر۔ (اعراف)

حضرت موسیٰ اقرار کرتے ہیں انی ظلمت نفسی فاغفر لی (قصص) جسے ظلم کیا اپنی جان پر۔ سو کچھ کو بخش دے۔ حضرت یونس اقرار کرتے ہیں انی کننت عن الظالمین۔ (انبیاء) البتہ میں تو برا کر کے والوں (ظالموں) میں سے تھا +

اور اسی طرح آنحضرت خود فرماتے ہیں جیسا مذکور ہو چکا ظلمت نفسی و اعترفت بذنبی میں نے بڑا کیا اپنی جان کا اور اقرار کیا اپنے گناہ کا +

عصیان بخنی جرم [۳] پھر ایک اور لفظ ہے عصیان یہ بھی مثل جرم کے مستوجب عذاب فارسی میں انبیا سے منسوب ایضاً اللہ و رسولہ اندلہ فار جنہم۔ جس نے خدا اور رسول کی نافرمانی کی ہو

سہ اس آیت کا ترجمہ عبدالقادر صاحب نے یہ فرمایا ہے "میں تھا کہ گاروں سے گمراہی بہانہ پر اپنی سہ اس کے

یونس کا ظلم اور [معنی یہ کرتے ہیں "میں مکر اور معیبتوں میں پھنسا ہوا ہوں۔ آپ مانتے ہیں کہ اس دعا میں حضرت یونس کے مرزا کی اختلافات متعلق جو لفظ ہے "لہ ظلم کا لفظ" مگر وہاں کہ ہم لفظ ظلم کے معنی اسی کے مطابق کر سکتے ہیں یعنی معیبتوں کے نیچے دبا ہوا" ربو یونبر ۱۳۵۹ء ص ۲۷ و ۲۸۔ کیا خوب! ظلم کے معنی مظلوم ہونے بیانی

اور ظالمین کے معنی وہ تمام لوگ جو معیبتوں میں پھنسنے ہوئے ہیں پھر قوم لوٹے زیادہ اس معنی میں کون ظالم تھا؟ جن کی بہتی تہ و بالا کو بھیجی۔ اسی طرف اشارہ ہو گا ان اھلبا کا نو اظالمین اور ان سے زیادہ کون ظالم تھا؟ جو طوفان میں غرق ہو رہے تھے۔ تو اسی معنی میں کہا ہے فاخذھم الطوفان وھم ظالمون (عنکبوت) ۵۰ قرآن کریم کے اوپر یہ غایت مزاجی کی خاص ہے۔ آج تک یہ نکتہ کسی کو نہیں سوجھا تھا۔ آپ سے زیادہ کون قرآن کے اعجازی جواہر پہنچ ہو سکتا ہے سب سے بڑھ کر تو آپ ہی حین الظالمین ہو گئے۔ کیوں صاحب کیا ہی وہ سبق تھا

اُس کے لئے دونوں کی آگ ہے۔ حضرت آدم کے لئے یہی لفظ بولایا۔ فصْحٰی اٰدَمَ ذٰبَہٗ اٰدَمَ نے اپنے رب کی نافرمانی کی۔ پس جب انبیاء کی شان میں ظلم اور عیسان سے لفظ وارد ہو چکے جو اپنے نتائج میں جرم کے مساوی ہیں تو پھر یہ کیا پوچھتے ہیں کہ جرم کا لفظ ان کے لئے نہیں آیا غراب تو ہم لفظ اجڑھنا بھی نبی کو بولتے ہوئے قرآن سے دیکھا چکے اور ہر جیلے کی جڑ لٹ گئی +

ہفتم۔ سزا اور گناہ۔ مرزا کہتے ہیں ”اور متوقع طلب یہ تھے کہ کیا قرآن مجید نے کوئی لغزینی جرم اور ذنب میں کی ہے؟ کیا قرآن مجید مذنب کیلئے وہی سزا مقرر کی ہے جو اُس نے مجرم کے لئے مقرر کی ہے؟“ ص ۳۲ اسکا جواب آپ نے یہ دیا ”قرآن کریم نے ہر ایک ذنب کے لئے سزا کا وعدہ نہیں دیا۔“ جرم کے مرتکب کے لئے ضرور سزا ہے ”ص ۳۴ اصل بحث تو طے ہو چکی کہ ذنب گناہ ضرور ہے اب یہ بحث کہ ذنب سزا کے حکم میں جرم کے برابر ہے یا نہیں بالکل فضول ہے +

بقیہ ضلوفٹ۔ جو آپ نے ہم کو پڑھایا ”اُس امر کا کہ قرآن شریف نے کسی لفظ کو کُن معنی میں استعمال کیا ہے فیصلہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ قریب المعنی الفاظ کے استعمال۔ سیاق و سباق یا قرآن شریف کے عام مہم پر غور کیا جائے“ ص ۳۵۔ خود رافضیت دیگران رافضیت +

حضرت یونس کی حمایت میں مرزا جی ایسے پہلے کہ خدا کی پناہ۔ یہاں حضرت یونس کی عصمت زیر بحث نہیں اسلئے ہم فرشتہ ذکر کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں ”حضرت یونس کے متعلق پوری مانرو نے اپنی معمولی جرأت کے ساتھ یہ عجیب بیان کیا ہے کہ وہ نوزادانہ خدا سے بھاگ گئے اور خدا کے حکم کی خلاف ورزی کی۔“ قرآن کریم کا ایک لفظ بھی اُس کے اس عجوبے کی تائید نہیں کرتا۔ ”تھان شریف میں جو یہ لکھا ہے اذ ذہب مغاضباً یونس جب چلا گیا غصہ سے لڑا کہ اس پر مرزا صاحب فرماتے ہیں ”قرآن شریف میں یہ نہیں لکھا کہ یہ ان کا غصہ کس کے متعلق تھا لیکن اتنی بات ظاہر ہے کہ یہ غضب ان کا خدا تعالیٰ کے متعلق نہیں ہو سکتا۔“ ایک نبی کے متعلق یہ کہنا کہ وہ خدا کے خلاف غضب میں تھا اگر بے ایمانی نہیں تو بے وقوفی ضرور ہے“ ص ۳۴ اس طرح مانرو صاحب کو ہمارے مرزا جی نے جھوٹا۔ بے ایمان اور بے وقوف کر دیا۔ اب ناظرین یہ متگردانتوں میں انگلی دیاؤں گے کہ ہر لفظ جو مانرو صاحب نے بے ایمان یا بیوقوفانہ محض تحقیق کی بنیاد پر اپنے قلم سے نکالا تھا وہ مرزا صاحب الہام کے زور میں اپنے

مگر قرآن سے ثابت ہے کہ ذنب گناہ ہے اور اسی پر سزا کا وعید ضرور ہے ورنہ ایماندار کیوں کہتے فاعفر لنا ذنوبنا وقنا عذاب النار۔ اے خدا بخش دے ہکو ذنوب ہمارے اور بچا ہم کو دوزخ کے عذاب سے دال عمران غم اسی سے ثابت ہے کہ ذنب کی سزا جہنم ہے اور اس کی معافی جہنم سے رہائی اور دیکھو (انعام غ و مومن غ) +

یقیناً یہ آپ فرما چکے ہیں۔ اور ہم یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ اس قسم کے الہامات اگر بے ایمانی نہیں تو یہ قونی ضرور ہے بلکہ دونوں میں ہم یہاں مرزا جی کے الہامی مکتوب عربی کی نقل بمعہ اردو ترجمہ کے درج کرتے ہیں :

ذهب يونس مغاضباً من حضرت الكلباء وقناه في قافواست
جلاي يونس غضناك بورك درگاه خداوند تعالیٰ سے اور آوارہ ہو گیا بیابانوں میں
الابتلاء لمافر كا لخاصيان لما تاه كالمبهوتين
استخوانوں کے کیوں بھاگ غضناکوں کی طرح اور کیوں آوارہ ہوا آشفستہ سروں کی طرح
ولما ترك يونس بسوء فهمه الاستقامه واستقلال
اور کہیں ترک کیا یونس نے اپنی بدفہمی سے استقامت و استقلال کو
ورئ كل ذلك بما اعلن ضمير قلبه بالحركت
اور دیکھنا پڑا یہ یونس کو کیونکہ اس نے ظاہر کردی اپنی دل تشنگی چھوڑنے سے
من المقام وفارق مقبره من غير اذن الله
اپنی جگہ اور جدا ہوا یونس اپنے مقام سے بغیر اجازت خدا کے
العلام وفعل فعل المستجبين و كذا لك
علیم کے اور اُنہی کی یہ حرکت جلد بازوں کی اور اسی نے
متماء الله ذالنون بما ظهر منه حدوق ولون
اس کا نام رکھا خدا نے فائنون کیونکہ ظاہر ہوئی اس سے گرمی اور تیزی
بالغضب الملكون ولا يلقى لاحدا ان يغضب على اسباب العالمين
دل میں غصہ کو پوشیدہ کرنے سے اور یہاں انہیں کسی چیز کو کہ غضناک ہو جہاں کہ

اب مرزا جی کی بحث کے قرینہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس پہلو کو اختیار کر لیا ہے کہ انبیاء مذہب یعنی گنہگار تو ضرور ہیں لیکن خدا نے انکو معاف کر کے جہنم کی سزا سے بری کر دیا مگر اس سے تو عصمت انبیاء نہیں ثابت ہوتی۔ گناہ کی سزا سے بچنا دوسری بات ہے اور گناہ سے بچنا دوسری بات۔ اسلام کے خیال کے موافق تمام بدی صحابہ کو مغفرت کی بشارت ہو چکی دیکھا ہم ادھر لکھ چکے، اور تم تو فونی ورسلیٹ عیسائیوں سے یہ سن بھی پڑھ چکے کہ دونخ کا مذہب ابوری نہیں۔ انجام کار سب نیک ہو کر بہشت میں داخل ہو جائیں گے۔ دونخ بھی خدا کی رحمت کا ظہور ہے جو انسان کو پاک کرتی ہے جیسا آگ سونے کو۔ دونخ میں ایک مدت گزر جانے کے بعد ہر بد بخت نیکیت ہو جائیگا ڈکٹوب عربی ص ۱۱۷ تا ص ۱۲۱ تو پھر اب ذنب میں اور جرم میں کیا فرق رہا؟ نہ سزائیں گناہ ہونے میں اور نہ قابل غفور ہونے میں۔

ہشتم۔ عقل کشائی۔

ہم دیکھتے ہیں کہ بجائے قرآن کی مشکلات حل کرنے کے مرزا جی نئی نئی مشکلیں پیدا کر رکھتے ہیں۔ اور ایسی ایک شکل میں آپ پڑھ رہے ہوئے ہیں جس سے آپ کو باہر نکالنے کا ثواب ہم کو ملیگا۔ آپ فرماتے ہیں ”اگر ہم ذنب کو مترادف گناہ کا مان لیں تو ہم کو ایک اور شکل کا سامنا پڑتا ہے۔ سورہ آل عمران میں یہ آیت وارد ہوئی ہے جب اللہ نے نبیوں کے ساتھ عہد باندھا۔

میشاق القہلین اور غلط ترجمہ یہ فرما کر جو کچھ میں تم کو کتاب اور حکمت سے دوں پھر تمہارے پاس (بیتہ فٹ نوٹ) ولا جمل ذلک استبلا یونس و صارا من الملوہین

اور اسی وجہ سے جتلا ہو یونس امتحان میں اور ہو گیا مورد طاعت

و نزلات علیہ الاموم (ص ۲۲۵-۲۲۷)

اور زائن ہوئیں امیر مصیبتیں +

مرزا جی نے اپنے مکتوب عربی کا فارسی الہامی ترجمہ بھی کیا ہے۔ اسی کی زبان ہندی کے ساتھ ہم نے اردو ترجمہ کیا۔ دروغ گو را حافلہ نباشد زبانی دروغ کے متعلق متاکر و ستادیندی دروغ اور الہامی دروغ۔ یہ مرزا جی کا اظہار ہے

ایک نبی آوے تصدیق کرتا تھا اُس کی جو تمہارے پاس موجود ہے تو تم ضرور اُس پر ایمان لانا اور تم ضرور اس کی مدد کرنا۔۔۔۔۔ اس سے روشن ہے کہ تمام انبیاء کو مکہ میں ہی مسیح کے حکم پر شک و مہمتیں بنی محمد پر ایمان لائیں۔ اگر اس آیت کو اُس کے ساتھ ملا کر پڑھیں جو اوپر مذکور ہو چکی اور ذنب کو مہمئی گناہ یا جرم نہیں تو ہم کو عیسے کو بھی گنہگاروں کی فہرست میں داخل کر دینا پڑے گا۔ اور آپ ناکید سے فرماتے ہیں کہ یہ یعنی "اس آیت سے بخش صریح ثابت ہیں" ص ۱۹۱ چونکہ اس معنی پر آیت کو آپ نے نص صریح فرمایا اسلئے ماننا پڑتا ہے کہ مزاجی کی یہ دلیل ضرور انکو البہام ہی سے علی ایسے وقت میں کہ جب آپ کے معمولی قوائے ذہنی منقطع ہو چکے تھے ورنہ یہ اس درجہ بے ہوشی +

۱۰، اپنی بحث کی خاطر آپ آیت کا ترجمہ غلط کرتے ہیں اور پھر مروڑ مروڑ کے اس سے ایک ایسے معنی بخوڑتے ہیں جو مصنف کے کبھی وہم میں بھی نہیں آئے تھے۔ آیت یہ ہے اِذَا خَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ مَا اَتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا لَكُمْ مَعِ صَحیح ترجمہ التّٰوْحِیْدِ بَرْدِ الْقَلَمِ (آل عمران) غلطی ترجمہ اسکا یہ ہو گا۔ جب لیا اللہ نے عہد انبیاء سے کہ جو کچھ میں نے دیا تم کو کتاب اور حکمت سے بعد ازاں آوے تم پر اس کوئی نبی تصدیق کرتا اسکی جو تمہارے پاس ہے تو تم ضرور اُس پر ایمان لانا اور ضرور اُس کی مدد کرنا۔

اس آیت کا مطلب سمجھنے کے لئے ہم ایک دوسری آیت کی طرف رجوع کرتے ہیں جسکے معنی میں کوئی تنازع نہیں :-

لَقَدْ اخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَءِیْلَ وَارْسَلْنَا إِلَيْهِمْ رُسُلًا كَلَّمْنَا جَاءَهُمْ رُسُلًا لِّیَمْلَأَ تَصْوَیْ اَلْأَفْئِدَہِ فَرِیْقًا کَذَبُوا وَفَرِیْقًا یَّقْتُلُونَ۔ (مائت و پنج) البتہ لیا ہم نے عہد بنی اسرائیل سے انہیں نے بھیجی انکی طرف رسول کو پھر جب آیا انکے پاس کوئی رسول جو نہ بھایا اُن کے جی کو تو کتنوں کو انہوں نے جھٹلایا اور کتنوں کو قتل کر ڈالا + اب چونکہ اس امر میں اتفاق ہے کہ اللہ نے اپنے رسول رسولوں کے پاس نہیں بلکہ بنی اسرائیل کے پاس بھیجے اس لئے خطاب انہیں سے ہو سکتا ہے لہذا آیت زیر بحث کا ترجمہ یہ

ہونا چاہیے۔ جب لیا اللہ نے عہد انبیاء کے باب میں بنی اسرائیل سے الی آخرہ اس ترجمہ دو شاہد کی صحت پر ہمارے پاس دو مسلم الثبوت شاہد ہیں۔ ایک تو حضرت ابن مسعود اور ابی بن کعب سے حفاظہ قرآن کی قدرت جس کے موافق متن آیت یہ ہے۔ اذ اخذ اللہ میثاق الذین

نزلہ القرآن ص ۱۲۲ [اولو الکتاب] جب لیا اللہ نے عہد اہل کتاب سے اور مجاہد نے صاف صاف صاف کہہ رکھا ہے خطاء من الکتاب یعنی میثاق النبیین کا تب کی غلطی ہے دیکھو درمنثور

سیوطی۔ دوسرا شاہد شاہ عبد القادر صاحب ولہوی ہیں جن سے زیادہ معتبر سند ہندوستان میں نہیں مل سکتی اس آیت کے فائدہ میں فرما چکے ہیں اللہ نے اقرار لیا نبیوں کا یعنی نبیوں کے مقدمے میں بنی اسرائیل کا اقرار لیا پس اگر یہی آیت آپ کی دستاویز ہے تو اسکے بموجب بجائے تمام انبیاء کے بنی اسرائیل کو حکم ہوا ہو گا کہ آنحضرت پر ایمان لائیں۔

عقلی قرینہ (۲) یہ عہد نبیوں کے ساتھ ہو بھی نہیں سکتا تھا بلکہ صرف غیر لوگوں کے ساتھ انبیاء کے بارے میں عموماً نہ کہ آنحضرت کے خصوصاً۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ جب آنحضرت تشریف لائے تو صفحہ زمین پر کسی نبی کا وجود بھی نہ تھا جو آپ پر ایمان لا کر یا آپ کی مدد کر کے اللہ عہد کے قابل ہو سکتا بنی اسرائیل کی وہ نسل جس میں انبیاء کو آنا تھا اور جس کو انبیاء پر ایمان لانا فرض تھا بار بار سلسلہ دار باقی رہی اور انبیاء کی تصدیق یا تکذیب کرتی رہی مگر انبیاء کا سلسلہ تو اس

تابیان مرزائی [۱] اسی مزاجی اولیٰ الخ جید اپنے پر کی حایت میں ہم براہِ ارض کر کے کہتا ہے کہ ہمارا ترجمہ عجیب ترجمہ "لیکھت ہی خلاف محاورہ ترجمہ ہے جس میں ہم نے بنی اسرائیل کا لفظ اپنی طرف سے لکھا ہے" یہ وہ ص ۱۲۲ ص ۱۲۳ اس کا تعجب ہمارے ترجمہ پر نہیں ہے بلکہ شاہ عبد القادر کے ترجمہ پر جو آئینے پر سے زیادہ غادرہ کے نقاد تھے اور اس کو معلوم ہو جانا چاہئے کہ بنی اسرائیل کا لفظ لکھنے والے داسے ہم نہیں بلکہ حضرت ابن مسعود اور ابی بن کعب ہیں۔ اور ان لوگوں کی شان کیا ہے۔ اس کو مولوی نور الدین سے پوچھ لینا چاہیے کہ اس سے اس کا تعجب اور بڑھ جاوے گا۔ کیا اچھا ہوتا اگر مرزا اسے مرید اپنے یہ کہو ہمارے مقابلہ میں آکر بنا چوڑو دیتے اور خود اس اپنی حایت کرنے دیتے اور ایسے جلد گھبرا جاتے۔

طرح نہیں رہا کہ ہنسی کے وقت دوسرا ہی بھی موجود رہتا۔ اور نبی کا کوئی غیر نبی قائم مقام نہیں ہو سکتا۔ پس زمانہ نفرت میں جب کوئی نبی موجود نہ تھا تو نبی اسرائیل کو اپنے انبیاء کا قائم مقام قرار دیتا بڑی نادانی ہے جسکا مرتکب مرزا کا فذلیؒ ہوا۔ ص ۲۴۷ پھر یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ آنحضرتؐ کچھ فراموش نہ تھے جنہوں نے کتب سابقہ کی تصدیق فرمائی حضرت مسیحؑ تو چھ سو برس قبل آپ سے بنی اسرائیل کے روبرو انکی تورات کی جو پہلے سے موجود تھی تصدیق فرما چکے تھے۔ ص ۲۴۷ قالما بین ید یحییٰ بن النور احیاء آل عمران حج۔ اگر مرزا صاحب اپنے دینی والدہا سے قطع نظر کر کے صرف اپنے ہوش سے کام لیتے تو یہ سمجھ جانا کچھ مشکل نہ ہوتا کہ انبیاء کی شان اللہ کے نزدیک اس سے بہت بلند ہے کہ ان سے ایک ضروری فرض کی بابت ایذا و غم نہ قسمی جائے۔ علی الخصوص ایسی حالت میں کہ ان میں سے کوئی نبی آنحضرتؐ کا ہم عصر ہونے والا نہ تھا۔ بہر حال مسیحؑ محمدی ایمانداروں کے زمرے سے باہر نکل آئے اور بطور لائسنس لیکچراروں کی فہرست سے بھی۔ ورنہ مرزا نے تو ایمان کی بڑی شامت کر دی تھی کہ پیغمبر اسلامؐ پر حضرت مسیحؑ کا ورہ سافروضہ ایمان انکو ایسی منطقی شکل میں ”لہکار“ بنائے جو ان شہداء فہم لغیر کے تو آپ امام ہو گئے؟

مسیحؑ اس آیت (۳) پہلے کو اس امر پر تاکید کرنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ آیت متنازعہ کے فقرہ ”مخرج من التورۃ“ میں التورۃ مناسبات میں صرف یہی لوگ داخل ہیں جو دین محمدی کے قائل ہیں خصوصاً حضرت کے اپنے امتی نہ کہ مؤمنین شرائع سابقہ۔

گو فرم مرزا صاحب سے ضرور پوچھیں گے کہ تیسرے آپ کی تاویل سے شکل دفع کیونکر ہو گئی تھی تو یوں ہے کہ آپ کی شکلوں میں ضرب لگ گیا۔ اگر فرض کریں کہ مسیحؑ مدد دیگر انبیاء کے حضرت کے مؤمنین کی فہرست میں ضرور داخل ہیں تو پھر جناب کا یہ الہامی ترجمہ بطور شفاعت کے ان مردوں اور عورتوں کے لئے بھی دعا کا جو مجھے پر ایمان لاتے ہیں تاکہ دوسے ان خطوں کی سزا سے بچائے جاویں جو ان سے مرند ہو چکیں بوجہ انکی نفرت کی کزوری کے اور کہ

ان کی زندگی کا سلسلہ بالحد گناہ سے پاک رہے۔ یہ ترجمہ تو پیرا ہی غرق کئے واپس ہے۔ اور عصمت انبیائے لئے امکان ہی باقی نہیں چھوڑتا۔ کہ اگر اس ترجمے کے موافق آنحضرت کو اپنے ایقانداروں کے واقعی گناہوں کے لئے استغفار ماننے کا حکم ہوتا ہے :

آپ کے اس الہامی ترجمہ نے ایک اور نرا خطرہ پیدا کر دیا کہ جب انبیاء آنحضرت کے مومنین قرار پائے تو پھر استغفار کا مطلب اُن لوگوں کی شان میں کیا ہوگا جنکو من المومنین فرمایا؟ کیا انکو بھی اشتیاق کی حضور سی میں ”جسم کی کمزوری“ اب تک شام ہی ہے اور انبیاء میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ باقی ہے؟ اور کیا اب بھی انکو اپنی زندگی کا سلسلہ بالحد گناہ سے پاک کرنا رہ گیا؟ کوئی کلام نہیں کہ اس تازہ الہام نے مرزا صاحب کی تاویل الاحادیث کی ٹہنی پلید کر ڈالی۔ آپ کو پھر سے اپنے منطق کی مرمت کرنا پڑی اپنے ترجمہ کی اور نیز اپنے ایمان کی :

نہجیم۔ مسیح کی خصوصیت۔

مرزا جی نے اس آیت کے معنی لگاڑنے میں جو ایسی صیرت افزا اور بے اندازہ جہالت صرف کی تو اس سے آپ کا مقصد کیا تھا؟

ہمارے سوال : ہم نے یہ سوال کئے تھے کہ کیوں مسیح سے قرآن میں ذنب کا لفظ مذکور نہیں ہوا؟

جس طرح دیگر انبیاء سے منسوب ہوا اور کیوں مسیح نے استغفار نہیں کیا جس طرح اور نبیوں نے کیا؟

ہمارے پہلے سوال کا جواب دینے کے لئے پیر قادیان نے قرآن کی درسی گردانی کی اور آیت شریفہ کی گت بنائی اور سوائے مذمت کے کچھ دھواں نہ کیا۔

ہمارے دوسرے سوال کا جواب دینے کیلئے اُس کے ایک خلیفہ نے سارا قرآن چھپایا

مرزا کے خلیفہ اور اس امر کے ثبوت میں کہ مسیح نے استغفار کیا دو آیتیں پیش کیں جو

کی پریشانی

لاگہ کے حق میں آئی ہیں :

لِاسْتَغْفِرُونَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ (شرائع)

گناہ بخواتین میں دایستہ اپنے جویج نہر کے ہیں :

لِيَسْتَغْفِرُوا لَلَّذِينَ آمَنُوا (سورہ)

گناہ بخشواتے ہیں، واسطے اُنکے جو ایمان لائے

آپ بڑے فخر سے فرماتے ہیں ”مسیح بھی اہل زمین میں شامل ہیں مومنوں میں شامل ہیں اسلئے فرشتے اُنکے لئے بھی استغفار کرتے ہیں“ جلد ۲ ص ۶۶۶ :

ہم کہنے لگے کہ اگر فرشتے مسیح کے لئے استغفار کرتے ہیں تو یہ فرشتوں کی خطا ہے۔ مسیح اپنے لئے آپ کیوں استغفار نہیں کرتے؟ کیوں اپنے تئیں اُنہوں نے استغفار سے مستثنیٰ سمجھا؟ اگر تمہارا قول حق ہے تو فرشتے تو سبھی انبیاء کے لئے استغفار کرتے ہیں پھر کیوں اور انبیاء نے استغفار کرنا ضروری سمجھا اور کیوں مسیح نے فضول سمجھا؟ اس کا جواب تمہارے پاس یا تمہارے پر کے پاس کیا ہے؟

ان منطق [یعنی اپنے منطق کے نتائج دیکھ لو۔ کیا تم فرشتوں کو مومنوں میں شامل نہیں کرتے اور کیا حضرت جبریل وحیہ کلی کی صورت میں مَن فی الارض ”اہل زمین میں شامل“ نہیں ہو چکے؟ ہلا کہ کیا کرنا کتابین زمین پر اہل زمین کے پاس لایم یکتیون (نزع) اُنکے دینے اور بائیں بیٹھے ہوئے وعن الیمین وعن الشمال قید (ق ع) اعمال نہیں لکھ کرے۔ تو کیا ان آیتوں کا یہ مطلب ہوگا کہ فرشتے فرشتوں کے لئے بھی استغفار طلب کرتے ہیں یعنی عجمانی کمزوریوں کے غلبہ سے حفاظت کے خواستگار ہیں تاکہ وہ وحی غلط نہ دے جاویں اور اعمال غلط نہ لکھ لیں اور فرشتوں کو بھی ”عجمانی کمزوری“ لاحق ہوگئی ہو؟ قادیان والے بھی عجیب و غریب نکتے قرآن شریف کے حل کرتے ہیں؟

اس قسم کے جواب دینے سے تو سکوت بہتر تھا۔ سب قرآن خوان جانتے ہیں کہ ان آیتوں میں مراد صرف وہی ایماندار گناہ میں جکی بہتری آسمان کے سب ملائکہ بھی جانتے ہیں اور ان سے وہ لوگ یعنی مستثنیٰ ہیں جن سے گناہ نہیں سرزد ہوا۔ عموماً اور تشبیہات کا قاعدہ پچوں کو بھی معلوم ہے۔

ہماری حجت ان عموماً سے بحث کر کے ہمارے مخالفوں کو کچھ نہیں حاصل ہو سکتا۔ اگر کوئی قرآن سے یہ آیت پیش کرے (ان الانسان لکنفور جبیل) (خف ع) بالتحقیق انسان صریح کفر کرنے والا ہے۔ یا یہ حدیث قدسی پیش کرے یا عبادی انکم مخطئون باللیل والنہار۔ (مشارق الانوار نمبر ۸۲۱۷) اسے میرے بند و تم رات دن خطا کرتے ہو یہ کہنے لگے کہ یہ نص انبیاء کو کافر ثابت کرتی ہے اور حدیث تمام انبیاء اور ملائکہ کو خطا کار ثابت کرتی ہے۔ اور پوچھے کہ کیا انبیاء الا انسان کے عموم میں داخل نہیں اور کیا ملائکہ خدا کے عباد بندے نہیں۔ تو سارا قادیان اُمنڈ آئیگا اور کہیگا کہ کہنے والا یا بے ایمان ہے یا بیوقوف یا دونوں۔ مگر اسی قسم کی مسلسل تقریر یہ ”دنیا کے مذاہب پر نظر“ کرنے والے ہم سے کرتے ہیں:

امقابل غور آخر میں ہم اپنے نظموں کو یہ یاد دلانا چاہتے ہیں کہ ہمارا مسئلہ عصمت مسیح جو قرآن و حدیث کی بنیاد پر قائم کیا گیا لفظ استغفار یا ذنب کی کسی تاویل پر منحصر نہیں۔ اگر ہم بحث کی خاطر وہ سب بھی مان لیں جسے مرزا صاحب اڑے ہوئے ہیں تب بھی ایک ذرہ بھر ہمارے دعوے کو نقصان نہیں پہنچتا۔ ہم اُس وقت اُسکو ان الفاظ میں پیش کریں گے کہ ہمزا ایک مسیح کلمۃ اللہ کے جو انسانی فطرت کی کمزوریوں کے بد نتائج سے کلیتہً بری رہا اسلام کے تمام اہل الزم پیغمبر بعدہ آنحضرت کے تمام بنی آدم کے ہمزبان ہو کر استغفار کرتے اور اپنے ذنوب کا اقرار کرتے ہیں۔ یہ سب کے سب مذنب ہیں مسیح اکیلا پیغمبر ہے جو مذنب نہیں۔ اور شافع المذنبین کے لئے یہی فضیلت لائے ہوئے ہے۔

دھم۔ مرزا کو ہماری تحدی۔

ہم افسوس کرتے ہیں۔ کہ ذنب کی بحث نے ہمارا اس قدر وقت ضائع کیا۔ اس سے صرف مرزا جی کی تاوانی لوگوں پر روشن ہو گئی۔ اس سے کوئی عام فائدہ نہیں کیونکہ اہل اسلام میں سے کبھی کسی نے ایسی حماقت کی ہی نہیں کہ ذنب کے معنی سوائے گناہ کے کچھ اور بتلائے ہوں مگر یہ امر دلچسپی سے خالی نہ ہو گا کہ مرزا جی نے بار بار اپنی کتابوں میں حضرت مسیح

کی حقیقی موت کے ثبوت میں قرآن سے لفظ توئی کی سند پکڑی ہے اور کہا کرتے ہیں کہ اس لفظ کو خدا نے تعالیٰ نے پچیس مرتبہ اپنی کتاب قرآن کریم میں بیان کر کے صاف طور پر کھول دیا ہے کہ اسکے معنی روح کا قبض کرنا ہے نہ کچھ اور آئینہ کمالات اسلام ص ۳۳۰۔ اور اس بات پر وہ اڑے ہوئے ہیں کہ لغت عرب میں اس لفظ کا اطلاق صرف موت ہی پر ہوتا ہے حالانکہ معتبر اہل لغت اس لفظ کے ایک معنی تمام تر گرفتیں بھی بیان کرتے آئے ہیں گو قرآن میں اتنی متوفیہ اور قلما توفیتی میں توئی کے معنی موت ہی ہیں :

ذنب کی بحث کا بخیرہ وہی حال ہے۔ توئی کا لفظ قرآن میں پچیس دفعہ آیا مگر ذنب قریباً چالیس دفعہ قرآن مجید میں استعمال کیا گیا ہے جیسا مرزا نے ہم کو بتلادیا ریوڑ جلد ص ۳۱۲ ہم کہتے ہیں کہ ہر جگہ ذنب کے معنی گناہ ہیں مرزا اس کے معنی سوائے گناہ کے کچھ اور بتلاتا ہے ہم اپنے معنی کی تائید میں وہ سب کچھ کہتے ہیں جو مرزا توئی کے معنی کی تائید میں کہہ گیا۔ اور مرزا نے وہ سخن اختیار کیا ہے جو پرائے مولوی لفظ توئی کی تائید میں اختیار کرتے ہیں۔ پس اب ہم مرزا سے اسی قسم کے دلائل طلب کرتے ہیں جو خود مرزا ہمیشہ اپنے مخالفوں سے طلب کیا کرتا ہے ذیل کی عبارت میں ناظرین توئی اور اس کے معنی مر جانے کی جگہ ذنب اور اس کے معنی گناہ پڑھیں :

باز در ہر امکان کہے نیست کہ چہیں اثرے از صحابہ یا حدیثے از آنحضرت صلعم پیش کند کہ معنی لفظ توئی بجز میرا نیدن چیزے دیگر در اس بیان کردہ باشد و ہرگز مخالفان بریں قدرت نخواہند یافت اگرچہ از حسرت ہمہ زند۔

و قبض از فلماے گوئند کہ لفظ توئی در زبان عرب گاہے بمعنی استیفاء آید و ہمیں معنی در قرآن شریف انجام داد است و ہر گاہ ازین علماء مطالبہ سند کردہ شود پس بیچ سندے از شعراء عرب نمے آرد :

در کتب لغت و ادب ہرگز مخالف اس نخواہید یافت و ہر کہ لغتیش لغات عرب کند و

شتران جستجو برائے آن لاغر گرداند اور گز ایں لفظ را در مثل ایں مقامات بجز معنی میرانیدن نخواهد یافت و ایں لفظ بار بار در قرآن شریف ذکر کرده شدہ است و خداے تعالیٰ ایں لفظ را در مقام میرانیدن استعمال کرده است و قائم مقام لفظ امات گردانیدہ ہے
پس بدینہ ایں خصوصیت کنندہ است کہ بتائید و عوے خود شعرے از اشعار جاہلیت پیش کنند یا کلامے از کلمات فصحاے ایں ملت بنہاید

من در دریای علم عربی وارد شدم تا محقق آن رسیدم و بر کوہ ہائے بلند آں برآمد و
تو غلبا میدارم و شمرہ ہائے آنرا چیدم و از ہر طرف گرد آوردم و در کلام قوم غصبا گردم و نحوہ صفو
دیدم پس بجز جسم میرانیدن و روح باقی داشتند معنی تو فی در کلامے یا شعر شاعرے نیافتم۔
دکتاب عربی مع ترجمہ فارسی صفحات ۳۲ ۱۵۱ ۱۵۳ ۱۵۵ ۱۵۶ ۱۵۷

قصہ مختصر ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ اگر مزاجی ساری عمر غوطہ کھائیں اور اس جستجو میں
ہندوستان کے تمام گدھوں کی پیچیں بھی لگا دیں تو بھی قرآن کی ایک آیت اور حدیث
کی ایک روایت بھی نہ پا سکیں گے جہاں ذنب کے معنی سرائے گناہ کے کچھ اور ثابت ہو سکیں
اور نہ کسی اہل سنت یا شاعر کی کوئی سند لاسکیں گے اگرچہ از حضرت بمبرند ہے

عصمتِ مسیح اور قرآن وحد

گرمین آلودہ دامنم چہ عجب ہمہ عالم گواہ عصمتِ اوست

باعتبار عصمت یہ امر محتاج بیان نہیں کہ اہل اسلام مذہباً اسکو اپنا ایمانی عقیدہ سمجھتے ہیں مسیح کی کفایت کہ جملہ انبیاء معصوم و بے گناہ ہیں اور وہ یہ ماننے کو بھی تیار ہیں کہ ان تمام انبیاء میں مسیح روح اللہ کو باعتبار عصمت ایک ایسی خصوصیت حاصل ہے جو کسی اور بشر کے لئے ممکن نہیں ہوئی۔ اور جہاں تک ہم نے محض تحقیق سے کام لیا ہم کو روز روشن کی طرح ہویدا ہو گیا کہ کلمہ اللہ کی بابت ایسی عصمت و بے گناہی کا عقیدہ سراسر قرآن وحدیث کے مطابق ہے :

اہل کتاب کے جتنے انبیاء ہیں انکو اہل اسلام برحق تسلیم کرتے اور اپنے عقیدے کے لحاظ سے سب کو معصوم مانتے ہیں۔ اور گوہم عیسائی لوگ مذہباً اپنے انبیاء کو عموماً معصوم نہیں مانتے تو بھی عصمتِ مسیح کے باب میں پوری طرح اہل اسلام کے ہمزبان ہی کہتے ہیں کہ جسطرح قرآن وحدیث ویسی ہی انجیل شریف سے بھی کلمہ اللہ کی عصمت ثابت ہوتی ہے پس ظاہر ہے کہ عیسائیوں کے لئے تو کوئی روک نہیں کہ وہ موعیے یاد آؤ یا کسی اور اپنے نبی کی عصمت سے اپنی پاک کتابوں کی بنیاد پر انکار کریں۔ مگر کسی مسلمان کے لئے جو جملہ انبیاء کو معصوم ثابت کر رہا ہو کسی یہودی کے مقابل زبج آکر موعیے کو یا عیسائی کے مقابل عیسے کو برا بھلا کہنا اور نالافتنی زبان سے نکالنا سخت کور باطنی ہے :

مرزا نہ ادھر ہم آج کل ہی تماشا دیکھ رہے ہیں کہ مرزا قادیانی (خدا انکو ہدایت بخشے) ایک کے ہوئے نہ اُصغر کے ہوئے اور طرف تو عصمت انبیاء علیہم السلام ثابت کرنے چلے ہیں (ریلوں نمبر ۱۹۲ء) اور اُصغر کے ہوئے اور سولہ طرف "یسوع کی عصمت پر اعتراض" سارے ہیں (نمبر ۱۹۲ء) اور ہم نہیں معلوم کہ کونسا الہام یا عرفان ان دونوں عنوانوں کو مطابق کر سکیگا۔ کیا عیسائیوں کی ضد میں عیسے کا نام انبیاء کی فہرست سے کاٹ دیا؟ اہل اسلام کا عقیدہ حضرت مسیح کی عصمت کے باب میں جو کچھ ہے اُسکو خود مرزا صاحب نے بڑے قلق کے ساتھ اپنی کتاب نورالحق میں بیان کیا ہے "ہمارے مولوی لوگوں نے کہا مسیح ابن مریم اپنی بعض صفات میں بمشیل ہے اور جو کمال اور بزرگیاں اس میں پائی جاتی ہیں اُسکے غیر میں نہیں پائی جاتیں۔ وہی ایک ہے جو اعلیٰ درجہ پر گن ہوں سے پاک ہے۔ شیطان نے اسکی پیدائش کے وقت اسکو چھوڑا نہیں اور بجز اسکے سب نبیوں کو چھوڑا اور کوئی شیطان کی مس سے بچ نہ سکا مگر ایک مسیح اور اس صفت میں نبیوں میں سے اُسکا کوئی بھی شریک نہیں" (حصہ اول صفحہ ۶)۔

اگر حضرت مسیح کی ایسی سگینا ہی کا مسئلہ صرف اہل اسلام کی خوش اعتقادی سے ہوتا تو ہم کو اُنکی چنداں پروا نہ ہوتی مگر ہماری حقیقی ہم کو تیلانی ہے کہ یہ عقیدہ اسلام کی بڑی مستحکم بنیاد پر قائم ہے جسکے مقابل مرزاجی کی خلاف بیانی بالکل ہی سچ ہے اور اس باب میں ہم وہی کچھ نکلیں گے جو ایک راسخ الاعتقاد مسلمان قرآن کو حق مان کر لکھ سکتا ہے۔

مسیح استغفار و توبہ [اولیٰ]۔ اگر کوئی سارے قرآن شریف کو پڑھ کر جانچے تو اس پر یہ بات سے بری بری ہے قرآن روشن ہو جائیگی کہ اسلام کے جو پانچ اولوالعزم رسول میں یعنی آدم ابراہیم موسیٰ عیسے و مسند یہ سب بجز ایک حضرت عیسے کے اپنے اپنے ذنوب یعنی گناہوں کا اقرار کرتے اور اپنے رب سے مغفرت یعنی آمرزش کے طلبگار ہوتے ہیں۔ اور اگر کوئی حضرت مسیح کی استثنائی معصومیت کا قائل نہ ہو تو وہ کچھ جواب نہیں دے سکتا کہ کیوں اُن سے اقرار ذنوب یا استغفار منسوب نہیں کیا گیا؟

بروئے حدیث دوم۔ اگر احادیث صحیحہ پر غور کیا جائے کہ جن پر قرآن شریف کے بعد اسلام کا دار و مدار ہے تو وہاں بھی یہی امر پیش آتا ہے۔ مثلاً حدیث شفاعت کو دیکھو جو صحیحین کی روایت سے ثابت ہے۔ اس میں یہی ذکر کرتا ہے اپنی خطا کا جو اُس سے صادر ہوئی اور شرفاتا ہے اپنے رب سے اُس کے باعث فیذ کو خطیئۃ الیٰ اصاب فیتسحی مرتباً صہنا (شارح الانوار نمبر ۱۵۹) +

اور اسی میں حضرت مسیح فرماتے ہیں ولکن استوا محمدٌ اعبد اقد غفرلہ صا تقدّم من ذنبہ وصا تاخر لیکن تم لوگ محمدؐ پاس جاؤ جو ایسا بندہ ہے جس کے اگلے اور پچھلے گناہ معاف کر دیئے گئے۔ مگر اس قسم کے کوئی بھی الفاظ حدیث شریف میں مسیح سے منسوب نہیں ہوئے جس سے گمان ہو سکے کہ کبھی کوئی خطا یا ذنب آپ سے بھی سرزد ہوا جسکو آپ خود یا کوئی اور بنی یا کرتا۔ بلکہ یہی روایت جو مسلم میں وارد ہوئی اُس میں اس قدر حضرت مسیح کی شان میں اضافہ ہوا ہے۔ ولم یذکولہ ذنباً اور ہرگز کوئی ذنب اُنکے متعلق مذکور نہ ہوگا۔ خطا اور ذنب کے متعلق مرزا کی تمام رقیق تاویلات کا رد ہو چکا ہے۔

مسیح مس شیطان (موسوم۔ قرآن شریف میں صاف صاف الفاظ میں وارد ہوا کہ والدہ سے پاک برو کرآن مریم صدیقہ نے صدیقہ کو اور نیز انکے فرزند مسیح کو قبل تولد ہی خدا کی پناہ میں سپرد کر دیا تھا اور اُنکے حق میں دعا کی تھی اٰنی ستمتہا مریم و اٰتی اعینہ صا بک و ذرمتہا صحن الشیطان الوحیم (آل عمران ۴) میں ہے اُسکا نام رکھا مریم اور میں تیری پناہ میں دیتی ہوں اُسکو اور اُس کی اولاد کو شیطان مردود سے۔ اسلام کی اصطلاح کے موافق قبل تولد ہی شیطان مردود سے اللہ کی پناہ میں اسطرح سوچنے جانے کے معنی سوائے پوری بیگناہی کے اور کچھ ہو ہی نہیں سکتے۔ اور یہ مفہوم آیت کا اس درجہ جربستہ اور صاف ہے کہ آج کل کوئی فقیہ یا مسلمان معترف نہیں بنا گیا جس نے اس معنی سے کبھی انکار کیا ہو اور انکار کرتا کیسے جبکہ خود صحابہ نے یہی بیجا کہ جو آنحضرت کی احادیث کے خازن اور امین مانے جاتے ہیں :-

چهارم۔ گویا اس آیت کی تفسیر و تشریح میں آنحضرت کا یہ قول بھی ہے جو صحیحین میں منقول ہے (مشارق الانوار النبی ۲۹) ص ۹۹ مومن مولود یولد الا الشیطان یمتسہ حین یولد فیستہیل صاخر خا من مس الشیطان اناہ الاہریم وابتہا کوئی بچہ پیدا نہیں ہوتا مگر اُسکو چھو لیتا ہے شیطان پیدا ہوتے وقت پس وہ چلا آئے چچ کر اُسکے چھونے سے مگر مریم اور اُسکا بیٹا ایسی مشہور حدیث ہے کہ ہر محمدی مفسر نے قرآن کی آیت متذکرہ بالا کی تفسیر میں اسکو بیان کیا ہے۔ اب اس واقعہ کو کوئی مانے یا نہ مانے مگر آنحضرت نے ایسا ضرور بتلایا ہے کہ انسانی پیدائش کا عالمگیر قانون یہی ہے کہ ہر بچہ بطن مادر سے نکلنے وقت مس شیطان میں مبتلا ہوتا ہے اور اُسکی پہلی چچ کا باعث مس شیطان ہوتی ہے اور اس مس سے سوائے مریم اور مسیح کے کوئی محفوظ نہیں رہا۔ اُس سے متبراہونے کی خصوصیت صرف انہی دو تن کو حاصل ہے۔ بخلاف جملہ مشرکین اس حدیث کی تفسیر میں مزاجی یوں نظر آتا ہے۔ میں یہاں اُنکے انگریزی رسالہ نمبر ۵ صفحہ ۲۳۹ سے اردو میں ترجمہ کرتا ہوں۔ یہی مضمون اردو رسالہ ص ۱۵ میں بھی مختصر طور پر موجود ہے :

مزاجی اور مسلمانوں کے درمیان ایک یہ حدیث مشہور ہے کہ عیسیٰ اور اسکی ماں مس مس شیطان شیطان سے متبراعتے۔ لیکن ان الفاظ کی تعبیر میں غلطی کی جاتی ہے اور خیال کیا گیا ہے کہ ان الفاظ میں کوئی استثنائی جلال مریم یا اُسکے فرزند کا الہام سے ظاہر ہوا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسیح اور اُسکی ماں پر یہود نے بڑی آزادی کے ساتھ بخش اور نہایت ہی مایاک قسم کے بہتان لگائے تھے۔ انہوں نے شیطانی افعال ماں اور بیٹے دونوں سے منسوب کئے تھے اور انہیں کینہ بہتانوں کی جو اُن کی پاکدامنی پر لگائے جاتے تھے تردید کرنے کو اور اُنکو الزام سے پاک کرنے کو یہ الفاظ ابتداء استعمال ہوئے۔ یہی ایک پہلو ہے جس کے لحاظ سے یہ حدیث مریم اور اُسکے فرزند کو مس شیطان سے متبراجبان کرتی ہے۔ یہ الفاظ دوسرے انبیاء کے حق میں وارد نہیں ہوئے۔ کیونکہ انکی زندگی میں ایسا کوئی واقعہ پیش

نہیں آیا۔ اور نہ ایسا کوئی گندہ الزام ان میں سے کسی پر لگایا گیا؟
 یہ کیا الجھی ہوئی تقریر ہے اور کس قدر اپنے مدعا کے خلاف ہا شاید اسکو الہام کا نقص
 عارض ہے اگر مس شیطان سے متبر اسونے کے یہی معنی ہیں کہ فحش اور نہایت ناپاک الزاموں
 کی تردید کی جائے تو مس شیطان میں مبتلا ہونے کے معنی بالکل اسکے برعکس ہوئے۔ کیونکہ یہاں
 نہ صرف یہی بیان کیا کہ مریم اور مس شیطان سے بری میں بلکہ یہ بھی بیان کر دیا کہ ہر دوسرا
 بشر وقتِ تولد اس میں گرفتار ہو چکا ہے۔ پس یہی حدیث جو صدیقہ اور اسکے فرزند کی بریت
 کا حکم رکھتی ہے کل بنی آدم کے لئے فرد جرم منسوخ ہو گئی۔ اس میں ایک امر واقعہ کا اظہار
 ہے کہ نہ بخیر جو پیدا ہوتا ہے بلا امتیاز مس شیطان میں مبتلا ہو جاتا ہے اور سوائے مریم
 اور مسیح کے اس سے کوئی محفوظ نہ رہا۔ پھر کیا ہم آپ کو یاد دلاؤں کہ یہ حدیث یہودی کی تردید
 میں بیان نہیں کی گئی جو فحش الزام لگایا کرتے تھے۔ کیونکہ وہ تو جو سوبرس قبل ہی موافق
 شہادت قرآن کے کلمہ اللہ کی زبان مجز بیان سے صم حکم کر دئے گئے تھے جب انہوں نے
 صدیقہ سے آرکھا تھا یا صمیم لہد جنت متنا فرمایا بلکہ حدیث تو ان لوگوں سے بیان
 ہوئی جو دلی ایمان والیقان سے مان چکے تھے کہ مریم صدیقہ ہے اور اسکا فرزند کلمۃ
 اللہ بنا رہی صمیم و روحِ مینہ اور اس میں بھی ایک قاعدہ کا یہ بیان کیا گیا جسکے
 ضمن میں مستثنیٰ کا ذکر بھی لازم آیا۔ تو کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اگر یہ حدیث انہونی تو مسیح
 کی پاک پیدائش قرآن سے کافی طور پر ثابت نہ ہو سکتی؟

معنی حدیث ہم کو اس حدیث کے معنی بیان کرنے کی کچھ ضرورت نہیں۔ وہ تو ظاہر ہے
 ماہرین مولود زیادہ ظاہر ہیں اور علمائے اسلام کے درمیان اسپر کوئی نزاع نہیں۔ چنانچہ
 شیخ سلیمان جمل شارح جلالین فرماتے ہیں قال علماء فانی لھذا الحدیث
 ان الله استجاب دعاء امہ صمیم وان الشیطان تجنس جمیع بنی آدم
 حتی الانبیاء والاویاء الامم صمیم وابنھا کہا ہے ہمارے علمائے اس حدیث

کے باب میں کہ تحقیق اللہ نے قبول کی دعا والدہ مریم کی اور تحقیق شیطان کو چھپتا ہے تمام بنی آدم کو جیسے نبیوں اور ولیوں کو بنجر مریم اور اُس کے فرزند کے۔ پس مرزا جی صرف یہی نہیں کہ ”یہ الفاظ دوسرے انبیاء کے حق میں وارد نہیں ہوئے“ بلکہ بمقتضائے قانون پیدائش انسانی یہ الفاظ کسی کے حق میں وارد ہو ہی نہیں سکتے تھے اور حدیث میں ایک حقیقت کا اظہار ہے نہ کسی مناظرے کا اشتہار:

حدیث کی صحت ہاں ایک بات ضرور ہے کہ مرزا جی اس حدیث کی تاویل میں جو اس طرح چرکے گئے تو شاید آپ اپنے مریدوں کے رد و جواب اُسکی صحت سے انکار کرنا زیادہ مناسب سمجھیں اور اس بنا کار کی بابت نہ ہم ہر سے مواخذہ کر سکتے ہیں اور نہ مریدان باعقیدت سے کیونکہ یہ لوگ دارالامان قادیان میں رہ کر عقل و نقل کی عملداری سے باہر نکل گئے۔ مگر دوسرے مسلمانوں کی تسکین کے لئے اس قدر کہ دنیا بے موقع نہ ہو گا کہ فسطائی شراح بخاری نے اس حدیث کی بات فرمادیا ہے۔ و کفی بصحة هذا الحديث رواية الثقات و تصحيح المشيخين له من غير قلاح عن غيرهما۔ اس حدیث کی صحت کے لئے یہی کفایت کرتا ہے کہ اسکو ثقہ راویوں نے نقل کیا اور اُسے شیخین یعنی بخاری اور مسلم نے صا و کیا جبکہ اوپر کسی دوسرے نے کوئی اعتراض نہیں کیا:

پہنچ۔ اس حدیث کی رو سے اور آیت مذکورہ بالا سے بطرح حضرت مسیح کی عصمت **عصمت صدیقہ مریم** ثابت ہوتی ہے اسی طرح مریم صدیقہ کی بھی۔ اور اگر یہ برحق ہے کہ مریم معصومہ تھیں تو عصمت مسیح کے لئے ایک طبعی دلیل بھی ملتا لگتی ہے۔ انسان کی ذوق طربانی کمزوری جو اسکو گناہ کی طرف مائل کرتی ہے اسکو وراثتہ اپنے ماں باپ سے حاصل ہوتی۔ اہل کتاب کی اصطلاح میں اسکو پیدائشی گناہ کہتے ہیں اور اسی لئے حدیث میں کہا گیا خطاء آدم فخطائے ذریعہ آدم نے خطا کی اور اسی سبب سے اُسکی اولاد نے خطا کی۔ کوئی بشر نہیں جبکہ دل میں یہ موروثی فساد نہ ہو۔ شوق صدر کی مشہور روایت

میں اسکو وضاحت سے دکھلایا ہے کہ فرشتوں نے حضرت کو پکڑا اور اوپر سے نیچے تک سارا سینہ چاک کر کے دل کے اندرونی جوف میں سے علقۃ سوداء یعنی ایک کانے بمعدنہ کا لوتھر نکال ڈالا جو حظ الشیطان یعنی شیطان کا حصہ تھا (دیکھو مشکوٰۃ علامات النبوة - ابن ہشام ذکر شق صدر - تفسیر عزیزی الم نشرح) اور اس حظ الشیطان کی جڑ ایسی گہری فطرت انسانی میں ہے کہ شق صدر کا عمل بھی مکرر سے کر کرنا پڑا تھا۔ پس صرف ایک حضرت مسیح ہیں کہ جو اپنی پیدائش میں باپ کی طرف سے فطرۃ ہر موروثی الائنس سے مبتلا رہے۔ اور اُنکے وجود میں وہ فطرتی کمزوری جو انسان کے روح کو مغلوب کر کے گناہ کا موجب ہو جاتی ہے کلیتہً مفقود ہو گئی۔ اور یہ ایسا زالیسا ہے جو بجز مسیح کے کسی بشر کو نصیب نہیں ہو سکتا۔

تولد بے پدر [ششم] - حضرت مسیح کی معجزانہ یعنی بے پدر پیدائش - عیسائی اسکو انجیل کی بنا پر اور مسلمان قرآن کی بنا پر مذہباً مانتے ہیں۔ اور اُنکے نزدیک دنیا میں ایسی کوئی عقلی دلیل نہیں جو الہامی دلیل سے زیادہ مضبوط اور قوی ہو۔ سید احمد رحمہ نے اسکا انکار کیا تھا اور اس میں وہ سراسر اُس یورپی گروہ کے مقلد ہو گئے تھے جو شہادت کی بنا پر جلائے موت کا حکم کرتے ہیں۔ ہم یہاں اس سوال کا کوئی جواب نہیں دیتے کہ اگر مقدس کتابوں کے بیان کو الہام کے اعتبار پر قبول نہ کر لیا جائے بلکہ محض مؤرخانہ اصول و روایت سے کام لیا جائے تو کسی نبی کا کوئی معجزہ مثل کسی اور تاریخی واقعہ کے ثابت ہو سکتا ہے یا نہیں۔ سید نے معجزانہ تولد کا انکار کیا اور اُن دلائل کو سنا دیا جو آپ نے منکرین معجزہ سے یاد کی تھیں۔ اور ہم کو کوئی تعجب نہیں آیا:

مرزا کا اقرار انکار [گمراہ غلام احمد نے ایک نیا تماشہ کیا ایک طرف تو آپ سرستہ کو دانتے ہیں کہ انہوں نے اس خیال کو ظاہر کیا کہ درحقیقت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے باپ یوسف کے لطف سے تھے۔ اور ایک طرف یہودیوں کے تمام اعتراضات کو رد کر کے اصل صدیقہ کی نظیر میں پُرانوں کے قصوں اور ہندوؤں اور یونانیوں کے افسانوں کا حوالہ دیکر آپ

مخالفین کے ہر زبان سوال کرتے ہیں کہ ”کیوں جائز نہیں کہ صدیقہ کے حمل کے لئے کوئی مخفی صدیق بنو اور پھر آئٹ کا کھب لای غلطاً از کتیا سے بدظن ہو کر آپ جو اباً خود فرماتے ہیں کہ لوگوں کو اس جدید منطق کی طرف راہ نہیں کہ کیونکر روح القدس کنواری عورتوں کو عطیہ حمل عطا کر دیا کرتا ہے“ دسم ۱۵۱ اور دوسری طرف ایک فرمانبردار طفل کتب کی طرح گویا مار کے ڈر سے قبول کر لیتے ہیں کہ ”قرآن نے حضرت مسیح کی ولادت کو بے پدر مان لیا ہے۔“ اسلام نے وحی الہی کی اطاعت سے اس قسم کے حمل کو مان لیا ہے اسلئے ایمانی رنگ میں نہ کسی دلیل سے مسلمانوں کو قبول کرنا پڑا کہ ایسا ہی ہوگا۔“ واہ ۱۵

گئے برطانیہ اعلیٰ نشینم گئے برپشت پائے خود نہ بینم
 کس قدر مچل کے مرزا جی نے اس حقیقت کو مانا ہے۔ ہم کو یہودیہ دیا داتے ہیں خذ ججو
 ہما و صا کا دوا لی فعلی ن اور اس پر بھی آپ یہ فرماتے ہیں کہ ”قرآن شریف کا مسیح
 اور اُسکی والدہ پراحسان ہے کہ کروڑہا انسانوں کی سیوع کی ولادت کے بارے میں زبان
 بند کر دی ورنہ اگر قرآن بھی وہی رائے حضرت مسیح کی ولادت اور اُنکی ماں کے چال چلن
 کی نسبت ظاہر کرتا جو یہودیوں نے ظاہر کی تھی تو تمام دنیا اسی کثرت رائے کی طرف مائل
 ہو جاتی۔“ اگر یہی منطق سے توکل کو آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ قرآن نے خدا پراحسان کیا
 کہ اُسکی الوہیت و ربوبیت کو تسلیم کیا ورنہ کروڑہا انسان بریڈ لاک رائے کی طرف مائل
 ہو جاتے۔ آپ نہیں سمجھ سکتے کہ حق پر گواہی دینا اپنے نفس پر احسان کرنا ہوتا ہے پس
 اس برحق اور پاک پیدائش کو مان لینا قرآن کا بھی فرض تھا۔ کیا آپ بھول گئے؟
 کہ ”انہی بہتانوں کی وجہ سے یہودیہ پھٹکا پڑی“ ص ۱۵۰۔ پھر کون اس پھٹکار میں حصہ
 لینا چاہتا؟ مگر مطلب سعدی دیگر است۔ اس پردے میں دراصل آپ یہ کہنا چاہتے تھے کہ
 مسیح کی بے پدر ولادت کو مان کر خود بد دولت نے عیسائیت اور مسلمانوں پر احسان کیا ہے۔
 خیر احسان ہی تھی۔ مگر آپ پھٹکار سے کیوں ڈر گئے۔ آپ کے سر پر تو پھٹکارنے آشیانہ بنا لیا ہے

تولد بے پدر اب جبکہ تولد بے پدر کو ہمارے ایمان نے مان لیا تو تمہارا فرض ہے کہ تباؤ کا اقرار اس راز کا مقصود اور اسکا سر اور کم کیا ہے؟ کیوں سلسلہ قانون تولد کو مسیح کی پیدائش میں معطل کر دیا؟ کیوں استقامت و فطرت کو توڑ دیا؟ اس کی کیا ضرورت تھی؟ کیا یہ نیچر کا ایک محمل کھیل تھا؟ اگر یہ معجزہ تھا تو پھر کیونکر ایسا بڑا معجزہ اکارت جاسکتا تھا؟ ہر مزامی کے پاس ہمارے ان سوالوں کا صرف یہی جواب معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کو منظور تھا کہ یہودی انبیاء جی شہادتوں سے حضرت مسیح اور انجی والدہ صدیقہ کے چال چلن پر ناجائز حملہ کریں اور انکو عصمت اور طہارت سے محروم قرار دیں۔ جس سے مریم اور مسیح کو تو یہ نفع ہوا کہ حضرت مریم صدیقہ اور ان کے سیدائے کو ایسے بتانوں سے جو کچھ دل پر صدمہ پہنچا ہوگا اسکا اندازہ ایک شریف کر سکتا ہے۔ اور یہودیوں کو یہ نفع ہوا کہ وہ انہیں بتانوں کی وجہ سے یہودی پھیکا پر بڑی "ص ۱۵۰" اور ایسا فعل شان کبریائی کے تو سرگزشتیاں نہیں ہے۔

مرزا کی عقل آپ فرماتے ہیں کہ "اس جگہ با درسی صاحبان کے لئے بڑی مشکل ہے۔ کہنا یہ چاہئے تھا کہ اہل اسلام کے لئے بڑی مشکل ہے۔ مگر ہم سمجھتے ہیں کہ مشکل صرف آپ کو ہے۔ ہماری مشکل تو حل ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اس ولادت نے مولود میں ایک روحانی قوت دے دی۔ اس میں آدم کے خطا کا سلسلہ منقطع کر دیا۔ اور یورپی کمزوریوں سے بالکل آزاد کر کے اس حنظل الشیطان کو جو سلا بعد نسل باپ سے بیٹے کی طرف منتقل ہوتا چلا آتا تھا۔ ابن مریم میں معدوم کر دیا جبکہ نتیجہ انکی بیگناہ و بے ذنب زندگی میں بمبھقان ع آفتاب آمد ذیل آفتاب روشن ہو رہا ہے۔ اور جب یہ پیدائش جس نے قانون فطرت کو توڑ دیا اتنی بڑی ذاتی برکت کا باعث ٹھہری کہ مسیح معصومیت میں خود ثابت ہوئے تو نفع سراسر مریم اور ابن مریم کے ہاتھ رہا۔ جن میں روحانی فیض کے چشمے بنی آدم کی سیرابی کے لئے آج تک جاری ہیں اور آخر تک جاری رہیں گے۔ اور یہودیوں کی شرارت اور ضابطہ سے انکو سرگزشتہ نہیں پہنچا۔ مگر سراسر مریم فرماتی ہیں۔

اب سے تمام پیشینہ جو کہ مبارک کہیں گے، ورنہ قالیہ چھاپہ آسمان پر تو ملائکہ پکار رہے ہیں ان
اللہ اصطفاک و طهرک - اور ایک جہاں جس میں تمام مسلمان اور تمام عیسائی شامل
ہیں اُنکی پاکدامنی کی قسم کھا رہا ہے۔ پھر یہ مُٹھی بھر پیر دہی جبرائیل کی گستاخی کی وجہ سے اللہ کی
مار بھی پڑ چکی اس مُٹھ سے کسی ایذا دار کے سانسے زبان کھول سکے ہیں۔ ہاں قادیان میں اُنکا
کچھ زور ہو تو موجود کا وار و مدار یہودی صلیح ہستہ پر ہے۔ مسیح کے تولد سے پندرہ کو مان کر زراعی نے
تولد کے پر اپنی شکلوں کو خوب پڑھار کھا ہے۔ آپ ہم کو سناتے ہیں کہ پہلے انسان کے باپ
کی نظیر مفقود اوماں دونوں نہ تھے اور ہم روز دیکھتے ہیں کہ صد بائیسے بغیر ذریعہ ماں باپ
کے پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ حضرت مسیح کی ولادت اہل کوئی خصوصیت نہیں بلکہ یونانی اور
ہندی ظلیموں نے اس کی نظیریں دی ہیں کہ کبھی انسان محض ماں کے مادہ سے بغیر باپ کے
نطفہ کے پیدا ہو سکتا ہے، زحید اول نمبر، صفحہ ۶۷-۶۸

ہم نکار کرتے ہیں کہ کبھی کوئی انسان بلا ماں باپ کے پیدا ہوا اور خود تم کو کچھ اس مقرر
کے چارہ نہیں کہ ”جس بات کی تم تلاش میں تھے یعنی یہ کہ بغیر باپ کے پیدا ہونا اسکی نظیر یقینی
طور پر ہندوؤں اور یونانیوں میں ہیں نہیں مل سکی“ ص ۷۱

اب رہے کیرے جو آپ کو اس قدر ستا رہے ہیں اگر حق ہے تو قانونِ فطرت یہ تھا کہ
اس قسم کے کیرے ہمیشہ بلا ماں باپ پیدا ہوا کریں۔ انکو انسانی تولد کے قانون سے کیا ہونا
یہ بلیق شاید قادیان کے مدرستہ العلوم میں پڑھایا جاتا ہو کہ چونکہ بعض کیروں کی پیدائش
کا قانون بلا ماں باپ کے پیدا ہونا ہے اس لئے بعض انسان بلا باپ صرف ماں سے پیدا ہوئے۔
پیدائش آدم پہلا انسان جو بلا ماں باپ پیدا ہوا وہ مسیح کے تولد کی نظیر نہیں ہو سکتا اور ہم
تم کو بھادیں کہ کبوں ہنگوین جنس کا قانون ایک ہے جس سے کوئی جنس صفہ ہستی پر موجود
ہوتی ہے۔ اور تیرے جنس کا قانون دوسرا جس سے ایک جنس کے افراد زمین پر پڑھتے
ہیں۔ جب پہلا انسان موجود ہو گیا جیسے کسی جنس کا پہلا درخت یا پہلا حیوان تو اب

بقائے جنس کا قانون جاری ہوا کہ درخت بیج سے اور حیوان ماں باپ کے نطفہ سے پیدا ہوتا رہے۔ کس صفائی سے قرآن فرماتا ہے: **بَدَا خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ طِينٍ**۔ شروع انسان کی پیدائش مٹی سے ہے **ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ مَاءٍ مَهِينٍ**۔ پھر نباتی اُس کی اولاد پڑے پانی کے قدر سے (سمجھو غ) پس اگر بقول تمہارے "حضرت مسیح کی ولادت میں کوئی مخصوصیت نہیں" تو وہ کیوں ترئے جنس یعنی افزائش نسل آدم کے اٹل قانون کے تابع نہیں رکھے گئے؟ کیوں وہ بھی ماء مہین ذلیل و خوار پانی سے نہیں پیدا کئے گئے؟ کیوں قانون ولادت ٹوٹا؟ بیچر کی یہ کیا دل لگی تھی؟ ہم کہتے ہیں کہ مسیح آدم ثانی ہے اور ایک نیا مخلوق اور اُسکی پیدائش کو آدم کی پیدائش پر بوجہ فضیلت حاصل ہے قرآن کے بیان کے مطابق آدم کو اللہ نے اس طرح خلق کیا کہ اُس کے جسم کو تو من صلصال من حِمْيَاصْنُون خشک کھسکھاتی مٹی سے جو مڑے ہوئے گارے سے نکالی گئی تھی بنایا۔ (حِمْيَاصْنُون) اور ریشہ خاک آدم کے لئے گویا بجائے مادہ کے متصور تھی اور بالکل نئے حقیقت تھی۔ آخر خاک تھی جس سے کم قدر کوئی شے عالم سفلی میں نظر نہیں آتی اور اسی کثیف اصل کے عذر پر ابلیس نے آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کیا تھا۔ اس خاک کے تیلے کو جو کچھ شرف حاصل ہوا وہ صرف اس روحانی مناسبت سے کہ اللہ نے اُس میں اپنی روح پھونکی و نفخت فیہ من روحی (حجر) اور یہی نفخ روح پیدائش آدم میں باپ کی جگہ متصور ہے:

مَسِيحَ آدَمَ ثَانِي مگر اللہ پاک نے پسند نہ کیا کہ آدم ثانی کے کالبد کو اُسی حقیر صلصال سے بنا جس سے آدم پیدا ہوا تھا۔ یا اس مادہ میں سے بنائے جس سے نسل آدم کی پیدائش ہوئی۔ بلکہ اُس نے اُس کے مادے کو جسم اطہر صدیقہ میں لطیف و لطیف بنایا اور اُس میں ایسی برکت رکھی کہ وہ ہر کدورت سے پاک ہو گیا۔ آدم کا جو خاک کا کالبد بنایا تھا وہ شیطان کے تصرف سے نہیں بچ سکتا تھا جسے کہ اہل اسلام میں یہ روایت بھی مشہور ہے

کہ اللہ نے آدم کا پتلا بنا کر چالیس برس تک زمین کتبہ میں ڈال رکھا تھا تو شیطان آیا اور اُس کے تمام اعضا کا امتحان کیا۔ پھر اُس نے لانت مار کر اُسکو بھٹکایا اور اُس کے منہ سے گھسا اور پیٹ دوسرے میں خوب گشت کرتا ہوا ناک کی راہ نکل آیا اور دیکھو طبری فارسی اور لغت عربی بطن اطہر صمد بقیہ نسخ کے جسم کو خدا نے ایک برتر طریقہ پر خلق کیا۔ قرآن کہتا ہے کہ اُس نے پہلے مریم کو پیدا کیا اور آٹھ ایکہ بطن مادر سے وہ خدا کے سپرد کی گئیں۔ پھر خدائے انہی خلفت کی ایسی کہ شیطان پاس نہ آنے پایا نہ اُنکو چھو سکا نہ خود انہوں نے خدا کے گھر یعنی مسجد الاقصیٰ الذی بذکرا حولہ میں پائی۔ اُن کی تعلیم و تربیت پر صالح نبی زکریا مامور ہوا۔ آسمانی خوراک رزقاً من عند اللہ سے انہی پرورش کی گئی۔ درشتوں نے انہی خدمت کی اور اُنکو پاک کیا تھے کہ خدا نے اُنکو اپنا کر لیا اور تمام نساء العالمین پر مرفوع کیا دیکھا تھی قادیان میں کوئی مرد در بڑھیا جو صدیقہ کے مقابلے میں کہہ رہے کہ میں نے تجھ سا پوتہ بنایا ہے؟

اسی کے بطن اطہر سے جو ہر لوث سے منزہ تھا خدا نے کسی نامعلوم روحانی عمل سے اپنے کلمہ کا جہانی لباس بنایا۔ بھلا اسکو شیطان کیسے چھو تا؟ یہ نفیلت آدم کو کب نصیب ہوئی آدم نے کالبہ کو مسیح کے کالبہ سے کیا مشابہت؟ چہ نسبت خاک را با عالم پاک؟ دیکھو آدم جنت میں رکھے گئے۔ مگر اُنکو دہاں سے اترنا پڑا مسیح زمین پر رکھے گئے اور اُنکو رنج سہاوی ہوا۔ پھر روحانی مناسبت جو آدم کو حاصل تھی وہ سب مسیح میں برہم اثر موجود ملتی ہے۔ وہ اللہ کا کلمہ اور اُس کی روح ہے۔ اب چاہے اُس کو ابن اللہ کہو چاہے کلمہ اللہ۔ چاہے روح اللہ۔ اللہ کے ساتھ اُس پاک وجود کو جو بے مثل لعلی دو اسطر حاصل ہے اُس کے اظہار کے لئے انسان کی زبان تو قاصر ہے اور کچھ ایسے ہی الفاظ بے ساختہ موزون ہو جاتے ہیں جن کے معنی اُس سے بہت زیادہ ہیں جو لوگ آج تک بیان کر سکے۔

مسیح آیت اللہ! ہم کو یہ کہنے کی کچھ ضرورت نہیں کہ جیسی عجیب و غریب یہ پاک پیدایش تھی اسی کے بالکل مناسب ویسی ہی عجیب و غریب اس مولود کی ساری زندگی بھی ہوئی اُسکا ہر دم معجزہ تھا ہر قدم آیت اللہ۔ وہ اب بھی زندہ و قائم ہے اور بڑی تجلیات کے ساتھ آسمان سے نزول فرمائے گا۔ اور اس میں اُسکا کوئی شریک نہیں وہ آپ ہی اپنی مثل ہے۔

کہ عدیم است عدیش چو خداوند کریم
اور گو آپ خدا تعالیٰ کی قسمیں کھا کھا کر اور ہزاروں حلف اٹھا اٹھا کر مشیل مسیح ہونے کا دعویٰ کریں اور زندگی بھر جھوٹ بولیں کہ مسیح سے بڑھ کر یہاں معجزات ظاہر ہو رہے ہیں اور ہمیشہ رٹا کریں کہ دیشیں علیے بھی بہت سی باتوں میں علیے سے بڑھ کر ہے (۲۰۸۰ ۲۰۸۵) مگر ہم آپ کی قسموں کے جواب میں یہی کہیں گے کہ لا یضح کل حلاف ہلین کیونکہ ہم کو اور سارے جہان کو خوب معلوم ہے کہ آپ اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ کشمیر کے مسقیم قادیان سے ہی نگرین محلہ خان یار کی خاک چھائیں اور بالآخر ذیابطیس و اسہال کی بیماری بدن کے نیچے جھٹے میں اور دوران سے اور کمی دوران خون کی بیماری بدن کے اوپر جھٹے میں (نمبر ۹ ص ۲۴۶) لئے ہوئے آپ اسفل اور اعلیٰ کی ہزار کرواہات کے ساتھ جس خاک سے نکلے تھے اُسی سے چالیں۔ اے کاش آپ کا سر اس قدر نہ پھر جاتا اور شاید اُسی دن کے لئے کسی نے کہا تھا ع

مردہ باد اے مرگ۔ علیے آپ ہی میاں ہیں
ہفتقم۔ لوگوں نے اس مسئلہ پر بھی بحث کی ہے کہ انسان کیونکر معصوم ہو سکتا ہے؟
ملک ہند کے سب سے بڑے محمدی عالم شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے اس سوال کو اٹھایا تھا اور اسکا جواب بھی دینا چاہا۔ آپ فرماتے ہیں کہ والعصمة لها اسباب ثلثة
ان یخلق الانسان لفضیلاً عن السموات البرذیلة۔۔۔۔۔ وان یوحی الیہ

حسن الحسین و قبح القبیح وان یحول اللہ بینہ و بینما یرید من
السموات الرذیلۃ (حجۃ اللہ البالغہ) یعنی عصمت کے لئے تین اسباب ہو سکتے
ہیں (۱) یہ کہ انسان شہوات رذیلہ سے پیدا ہی پاک کیا جائے (۲) یہ کہ وحی سے اُس کو نیکی
کی خوبی و بدی کی بُرائی کا علم بخشا جائے (۳) یہ کہ حائل ہو جائے اللہ درمیان اُسکے
اور اُسکے ارادوں کے جو شہوات رذیلہ سے پیدا ہوں :

اسباب عصمت اگر ہم اسکو مان لیں تو اس معیار سے بھی حضرت مسیح عصمت میں منفرد ثابت
جو مسیح میں ہوتے ہیں۔ پہلا سبب سوا اُسے آدم کے کسی کو حاصل نہ تھا اور آدم کو
بہم ہونے بھی جو کچھ حاصل تھا وہ اُس کو خطا سے بچانے کو کافی نہ ثابت ہوا۔ آدم
کے بعد اور جو سب اُس کی صلی اولاد سے ہوئے خطا و آدمہ و خطا ئ ذریتہ
کے حکم میں داخل ہو کر غاطی ہوتے آئے۔ مگر ہم مسیح کی معجزانہ پیدائش کی بحث میں بدلیل
و کھلا چٹکہ کہ یہ سبب بدرجہ کمال مسیح کی ذات کو حاصل تھا :

بنوت ماورزادہ دوسرا سبب وحی پر منحصر ہے اور وحی یوم ولادت سے کسی کو نہیں پہنچی سوا
حضرت مسیح کے (۱) آپ نفع روح ہو کر بطن مادر میں تشریف لائے (۲) کلمۃ اللہ ہو کر زمین پر
ظہور فرمایا (۳) آغوش مادر میں آئے ہی بنوۃ کا ڈنکا بجایا (۴) اللہ آئینی
الکتاب و جَعَلَنی نبیاً میں بندہ ہوں اللہ کا مجھ کو اُس نے کتاب دی اور مجھ کو نبی کیا
وہم نطق فی المهد آپ کا معجزہ بنوت تھا۔ علاوہ اسکے اور بھی لفظی کے معجزات ہیں۔ ان باتوں
سے ثابت ہوتا ہے کہ مسیح نبی ماورزادہیں جیسا کہ کوئی اور نبی نہیں ہوا۔ پس یہ دوسرا سبب
ہمیشہ سے آپ کو حاصل رہا :

تیسرا سبب ایسا ہے کہ بہت سے خدا کے بندوں میں عام ہو سکتا ہے اور جسکی
نسبت بمقدور شہادت ہم پہنچ جائے اُسکو اُسی حد تک گناہ سے محفوظ مان سکتے ہیں اور
یہ ایسا سبب ہے جو اُسی شخص کو درکار ہو سکتا ہے جسکو پہلے دوسرا سبب حاصل نہیں۔

اگر کسی درجہ پر بسبب انبیا کو حاصل تھا تو وہ انکو حقیقی معنی میں معصوم نہ کر سکا کیونکہ انکار ذنوب و استغفار اسکے منافی ہیں۔ مگر مسیح کو علاوہ پہلے دو سببوں کے ایک اور برکت بھی حاصل تھی۔ اگر اُسکو دوسرے سبب میں شامل نہ کریں وہ تیسرے سبب کی وجہ سے نہایت اعظم مرتبے پر تصور ہوتی ہے۔ ایلدناہ بروح القدس مدد دی ہم نے اسکو روح پاک سے اہل اسلام اس آیت کے معنی خوب جانتے ہیں اور مرزا صاحب کو اسکا بڑا قلق ہے۔ آپ اپنی کتاب آئینہ کمالات اسلام ص ۱۰۵ ایس لکھتے ہیں: ”اسکی تفسیر میں تمام مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ روح القدس ہر وقت قرین اور رفیق حضرت عیسیٰ کا تھا اور ایک دم بھی اُن سے جدا نہیں ہوتا تھا۔“ دیکھو تفسیر حسینی تفسیر مظہری تفسیر غیری معالم ابن کثیر وغیرہ۔ اور مولوی صاحبی شرح فتح البیان میں اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں جبرائیل ہمیشہ حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ ہی رہتا تھا اور ایک طرفۃ العین بھی اُن سے جدا نہیں ہوتا تھا یہاں تک کہ اُن کے ساتھ ہی آسمان کو گیا۔“ اور شاہ عبدالعزیز صاحب اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں بالجلۃ تائید بروح القدس بہر معنی کہ باشد از خصوصیات ایشان بود۔ یعنی حاصل کلام تائید بروح القدس چاہے اسکے کچھ ہی معنی کیوں نہوں حضرت مسیح کی خصوصیات سے ہے۔

خصوصیات اس تمام تقریر سے ثابت ہو گیا کہ مسیح کی عصمت کی خصوصیت میں مرزا جی نے جو مسیح کچھ کلام کیا تھا وہ سراسر قرآن و حدیث کی ضد میں تھا اور یہ جو علماء اسلام کہتے تھے بالکل حق تھا کہ ”مسیح ابن مریم اپنی بعض صفات میں ہمیشہ ہے اور جو کمال اور بزرگیاں اس میں پائی جاتی ہیں اُسکے غیر میں نہیں پائی جاتیں۔ وہی ایک ہے جو اعلیٰ درجہ پر گناہوں سے پاک ہے۔ شیطان اسکی پیدائش کے وقت اُسکو چھوٹا نہیں اور بجز اُسکے سب نبیوں کو چھوٹا۔ اور کوئی شیطان کی مس سے نہ بچ سکا مگر ایک مسیح۔“ اس صفت میں نبیوں میں سے اُسکا کوئی بھی شریک نہیں۔“ اور جب حضرت مسیح کی زندگی کے حیرت افزا عظیم الشان واقعات

پر ایمان کی نظر سے غور و فکر کیا جاتا ہے۔ درگاہ سرمدی میں اپنی والدہ صدیقہ کی بے تطیسر مقبولیت انکا بے پدر تولد۔ اُنکے معجزات بتیات۔ اُنکا صعود و آسمانی۔ انکی حیات۔ اُنکا دوبار بڑے جلال و نصرت کے ساتھ نزدل۔ اور انکا بطور حاکم عادل کے قیام تو ہم کو کوئی حیرت نہیں ہوتی۔ گو مرزا جی ساری عمر اسپر رویا کریں کہ اہل اسلام نے حضرت عیسیٰ کو حد سے زیادہ بڑھا دیا یہاں تک کہ بعض نے کہا کہ وہ فرشتہ ہے انسان نہیں۔ اور بعض نے کہا **عظمت روح افندہ** کہ وہ ایک کلمہ اور روح افندہ ہے اس صفت میں اسکا کوئی شریک نہیں۔

اور بعض نے اس پر تمنا شے پڑھائے اور کہا کہ وہ ایک الگ مخلوق ہے جو فرشتوں سے بڑھ کر ہے کیونکہ ملائک تو عرش پر نہیں جاسکتے مگر وہ عرش پر بیٹھا ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کی طرف اسکا رفیع ہوا اور خدا تعالیٰ پر ہے۔ پس وہ ہر ایک فرشتہ اور ہر ایک مخلوقات سے افضل ہے۔ یہ تو بعض علما کا قول ہے مگر صاحب کتاب انسان کامل عبدالکریم نے جو تصوف میں سے ہے اس بارے میں جہدی کر دی۔ اور کہا کہ تثلیث ایک معنی کے ہوتے ہی ہے اور اس میں کچھ جرح نہیں اور عیسیٰ ایسا ہے اور ایسا ہے بلکہ اس طرف اشارہ کر دیا کہ وہ خدا تعالیٰ کی مخلوق نہیں ہوتا۔

کیا حیرت کہ جب انہوں نے دنیا میں ایک ایسے فوق الانسان وجود کا شاہد کیا جو قدرت الہیہ کا ایسا بین مظہر تھا اور اُسکو ایسے معانی افح اور بلندی پر دکھایا جس تک کوئی مخلوق کبھی پہنچ نہ سکا اور جبکہ اوپر سوا خالق کو نہیں کے کوئی نظر نہیں پڑتا تو انکی نگاہ فیض ہو گئی۔ اور بخودی کے عالم میں جہاں مظاہر و مکارہ اپنے تئیں کم کر دیتا ہے۔ یہ لوگ وہ کچھ کہہ گئے جو کہہ گئے۔ اور کیونکر نہ کہتے، اُنکو تو خدا لگتی کہنا تھی۔ عیسیٰ کی ضد میں اپنا ایمان برباد کرنا منظور نہ تھا۔ آپکو اسکا صدمہ ضرور ہے۔ مسیح کی عظمت و شان دیکھ کر تم کو جو اپنے تئیں مثیل مسیح کہتے ہو اپنی ذلیل و خوار ہستی کے کسی گھن آنی ہوگی؟ کیا عجب کہ تمہارے سینے میں کینے کی آگ بجھ کر اٹھی اور مرزا استخوان کو جلائے ڈالتی ہے اس عناد کا علاج تو سدی بننا پڑا۔

بیر تار ہی اسے حدود کیس تخت کہ از مشقتِ او جز بمرگِ نواں ست

عصمت مسیح از انابیل

معہ ردّ شبہات

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد

میلش اندر طعنہ پاکاں برد

اول مرزا کا طریق عمل

روح اللہ کی عصمت مطلق پر قرآن و خبر کی ایسی بین شہادت موجود ہوتے ہوئے کون مسلمان ہے جسکو اپنے ایمان کا پاس ہرا اور بھر بھی وہ آپ کی شان کے خلاف زبان ہلائے یا اپنی بے ادبی کی معذرت کرنے سے شرم نہ کرے۔ مگر مرزا جی کو دیکھو آپ کہتے ہیں "کاش مرزا اور حجت اسلام پادری صاحبان خدا کے پاک بیوں کی نکتہ چینی نہ کرتے اور توہین و تحقیر اور عیب گیری نبی صلعم سے مسلمانوں کا دل نہ دکھاتے تا مسلمان بھی یہودیوں کی کتابوں کی مدد سے اور خود انجیلوں میں سے بھی حضرت مسیح کے عیسوں کی نفی میں نہ کرتے۔ یہ گناہ و حقیقت پادری صاحبان کی گردن پر ہے۔ ص ۱۰۹" اس منطق کا ماحصل یہ ہے کہ پادریوں نے آنحضرت کی توہین اور تحقیر کر کے مسلمانوں کے دل دکھائے۔ اسلئے مسلمانوں کو واجب ہوا کہ یہود کے ساتھ ملکر حضرت مسیح کی توہین اور تحقیر کر کے خود اپنے مسلمان بھائیوں کے دل دکھائیں اور گناہ گار ہو جائیں۔ اور چونکہ "ہزاروں کتابیں پیغمبر اسلام صلعم کی توہین میں شائع کی گئیں" ص ۱۰۹ پس مسلمانوں نے بھی اسلام کے ایک بڑے ادلو الزم نبی کی توہین میں ایک کتاب شائع کر دی

کیا خوب آپ نے پادریوں کی اصلاح کی! گویا مرزا کہتا ہے اسے پادریوں مسلمان ہو کر میں
تمہارا مقابلہ نہ کر سکا۔ پس اب اسلام ترک کر کے یہودی اور زندیق بن کر تمہارے مقابلے کو
آتا ہوں یعنی تمہارا شکون بگاڑنے کو اپنی ناک کاٹتا ہوں ع
آخریں بروست ویر باز دے تو

گو ہم مسلمانوں کے دل و کھانے والوں کے لئے مہذرت نہیں کرتے مگر اس قدر کہ ہم
دینا بے موقع نہیں کہ جن کے دل و کھانے انکو خود معلوم ہو گیا کہ مخالفوں کو اشتعال دینے
والا قادیان کاٹنا اور اسکا مکتب تھا اور اسکی گردن پر اس گناہ کی مناسب جگہ ہے یہ
مرزا کی اس تقریر سے یہ بات بھی روشن ہو گئی کہ عیسائی تو عدم عصمت انبیاء میں بالکل
نیک نیتی سے بحث کرتے ہیں اور دلیل میں اُن کتابوں کو پیش کرتے ہیں جو اہل اسلام کی
مسئلہ میں مکر مرزا محض ضد پر تھاپا ہوا ہے ”ادریہودیوں کی کتابوں کی مدد سے“ صرف ایسی
بات زبان اسے نکالتا ہے جسکو نہ خود ماننا ہے اور نہ اسے مخاطب۔ اور یہ ایک ایسا شرم
ناک مکابرہ ہے جسکو کوئی اہل حق جائز نہیں رکھ سکتا۔ اور شاید اسی لئے مرزا نے اختیار کیا ہے
ہم نے آج تک نہیں سنا کہ مسیح کے حق میں یہودی کی مدد کرنی اور بدگمانی کا جواب کسی عیسائی
نے حضرت موسیٰ کو بُرا بھلا کہہ دیا ہو یا کسی ایماندار مسیحی نے صحابہ کی حمایت میں شیعوں کا جواب
دینے کے لئے حضرت علی کو گالیاں دی ہوں +

مولوی سید احمد حسن شوکت اس چال کو تھانہ گئے اور سچی اسلامی غیرت سے لکھتے ہیں
”وہ لوگ کس قدر فحشی القلب ہیں جو عیسے جیسے ادلوا العزم نبی کو بُرا کہتے ہیں جسکی عظمت و قوت
دُورِ بابت اور جسکی والدہ ماجدہ کی عفت و عصمت کی گواہی خود قرآن مجید نے دی
برخلاف اسکے مرد و قادیانی عیسے علیہ السلام کو گالیاں دے کر دوزخ کا کندہ بنتا ہے اور
اپنے کو عیسے مسیح سے بہتر بنا کر دارالبوار کو اپنا مسکن بناتا ہے..... کوئی حکمت عملی کوئی
مصلحت ضرور ہے کہ مسیح علیہ السلام کی طرح آنحضرت صلعم پر کھلم کھلا سب لعن نہیں کیا جاتا۔

اگرچہ فتناً اور معنی کل انبیاء پر سب احسن ہو چکا ہے۔ کیا معنی کہ جس شخص نے ایک بنی عیسیٰ مسیح کو گالی دی اُس نے قرآن کا خلاف کیا اور تمام انبیاء کو گالی دی (ضمیمہ ششمہ ہند ۱۶۷۱ء ص ۱۹۳)۔

حضرت خضرؑ اور بات بھی ایمان کی یہی ہے کہ کسی مسلمان کو زیارتیں کہ سوانح مندرجہ انجیل **نکتہ چینی** کی بنا پر حضرت مسیح کی عصمت پر حرف گیری کرے۔ جب قرآن کی تہنوت سے وہ انکو ایسے اعلیٰ درجہ پر معصوم مان چکا تو اسکا فرض ہے کہ اگر کوئی دوسوہ کسی قول سے اسکے دل میں پیدا بھی ہو تو وہ تاویل کر کے اسکو قرآن کے مطابق کرے اور خود معترض کو جواب دے۔ دیکھو حضرت خضرؑ نے ایک کچہ کو مار ڈالا اور گوشتی انسان باقصاص ہر حال میں حرام ہے تاہم اس فعل پر حضرت موسیٰؑ کو بھی اعتراض کرنے کی مجال نہیں تھی۔ اور اُس کی ایسی تاویل کی جاتی ہے جو اس فعل میں حضرت خضرؑ کے بیٹھا ہونے کی منافی نہ ہو پھر کہو نہ کہ کوئی مسلمان حضرت مسیح کے کسی عمل پر اعتراض کر سکتا ہے گو اسکا تبرا اس پر پوشیدہ بھی ہو۔

مرزا کی مفروضہ حاشا ہم مرزا کو اپنا صحیح مخاطب نہیں سمجھتے کیونکہ اسکے خیالات مسلمانوں **امت** کے مقبول نہیں۔ وہ ایک گمنام دینی خانہ بدوش گردہ کا پیشوا ہے جسکی مخصوص مسلمانانہ کالپ لباب مسیح کو گالیاں دینا۔ مرزا کو مسیح موعود اور مہدی مسعود کہنا اور چاروں طرف ڈینگ مارنا ہے۔ عمر بھر تو آپ نے قرآن پڑھا مگر سمجھے اتنا بھی نہیں جتنا کیر داس سمجھتے تھے۔ پھر انجیل نہ سمجھنے کی اُن سے کیا شکایت وہ تو آپ کے تعلیمی نصاب میں بھی داخل نہ تھی آپ کی انجیل دانی تشری کیوں رام نہ کلنگ اوتار کی قرآن دانی سے کچھ زیادہ ہے اور برہمچاری دھرم پال جی بی اے عرف عبدالغفور کی قرآن دانی سے کچھ گھٹ کر۔ ایک آریہ دوست نے اُن صاحب کار رسالہ ترک اسلام نمبر کو نذر کیا جب وہ لکھی پیدائش پر میں نے اُنکے اعتراض سنے تو مجھکو ہنسی آئی اور یہ سوال اُن میں پیدا ہوا کہ اعتراض کرنا مرزا نے برہمچاری جی سے سیکھا یا انہوں نے مرزا سے۔ ہر

کتاب ایک ہی اصول تفسیر کی محکوم ہے۔ جو اصول مرزا نے قرآن کی تفسیر کا بیان کیا۔
 بحسنہ وہی اصول انجیل کی تفسیر کا ہے۔ اور ایک حق پسند شخص تھوڑے صبر و دیانت سے
 صحیح معنی تک بہ آسانی پہنچ سکتا ہے۔ جس مضمون پر ہم نے یہاں قلم اٹھایا اس ہماری
 غرض صرف یہ ہے کہ جو لوگ شریر دشمنوں کے شبہات کی وجہ سے کسی شبہ میں پڑ گئے ہوں
 اُس سے نکل آئیں۔ ورنہ مرزا کے ہر سخن سے روح اللہ کے ساتھ اُسکی قلبی عداوت
 و نفرت ظاہر ہے۔ حتیٰ کہ اُسکا سارا بیان ہدیان ہے اور جواب کا مستحق نہیں ہے۔

مرزا کا بیس [بعض اقوال آپ کے قابل شنید میں ہماری راست پسندی میں مجبور کرتی
 کے حق میں سے کہ ہم گواہی دیں کہ حضرت مسیح کا ایک نیک خلق بھی عقلی طور پر ثابت نہیں
 جس نطن ہو سکتا۔] ص ۱۲ تاریخ و واقعات کے ذریعہ سے ایک ذرہ بھی اخلاقی نیکی

انکی ثابت نہیں ہو سکتی۔ ص ۱۲ ایک فاضل یہودی نے اپنی کتاب میں یہ ثابت کرنا چاہا ہے
 کہ لغو و باطل یہ انسان در حقیقت ایک دنیا پرست اور سکار بھٹا جس سے نہ کوئی مجبور ہوا
 نہ پیشگوئی سچی نکلی۔ ص ۱۲ آپ کی زبان پر یہ لغو و باطل بھی کیسا بے محل آیا، پھر آپ نے فقر

مسیح کی عصمت پر شریر دشمنوں [ص ۱۲] "شریر یہودیوں" ص ۱۵ "عیسائی قوم کے مکہ جیوں"
 ص ۱۵ اور زفری نمینکر یعنی دہریہ جو لہڈن میں موجود ہے جو خدا کی ذات کا منکر روح
 کی بقا کا منکر اور عدا کا منکر بریڈ لاہریہ کا پیرو ہے ص ۱۵۵ ان سب لوگوں کے اعتراضات

بڑے مزے سے انہیں کی زبان میں بیان کر کے یہ بھی فرماتے ہیں کہ جس قدر گستاخی سے
 حضرت مسیح اور انکی ماں کی نسبت انہوں نے عیب شماری کی ہے ایک مسلمان کی قلم سے
 وہ باتیں نہیں نکل سکتیں۔ ص ۱۵۵ اور پھر بھی وہ باتیں آپ کے قلم سے بڑی تفصیل کے ساتھ

نکلیں۔ اور آپ کو نہ صرف مسلمان بلکہ مسلمانوں کا مہدی ہونے کا دعویٰ ہے۔
 [تسلیہم] اُدھر تو وہ شور و شوریٰ اور ادھر یہ بے نیکی ملاحظہ فرمائیے۔ اس تمام نقل کفر کے
 بعد آپ دنیا کو اپنے مریدوں کی طرح بیوقوف سمجھ کر فرماتے ہیں۔ ہم نے یہ طویل عبارات

اس واسطے نقل کی ہیں تاکہ ناظرین کو معلوم ہو جائے کہ ہمارا مدعا ان اعتراضات کا حوالہ دینے سے کیا تھا اور آپ اطمینان دلاتے ہیں کہ ہم نے یہ طریق اس لئے اختیار نہیں کیا کہ نوزاد اللہ حضرت عیسیٰ کو ایک برا آدمی ثابت کیا جائے۔ کیونکہ ہم اس کو خدا کا ایک راستہ باز رسول سمجھتے ہیں، یہ تو عین بندہ نوازی تھی، ہمارا مطلب صرف عیسائی مشنریوں کو شرم دلانا ہے، ص ۳۰۷، ۳۰۸۔ اسے کاش بخوڑی سی شرم مشنریوں سے آپ بھی مانگ لاتے! ہم پوچھتے ہیں کہ جب ان اعتراضات کے طوباروں سے خود تمہارا بے نوزاد ایک حضرت مسیح ایک بڑے آدمی ثابت نہ ہو سکے اور تم انکو برابر خدا کا ایک راست باز رسول سمجھتے ہی رہے تو پھر انکو کسی عیسائی یا مسلمان کی نگاہ میں کیا وزن حاصل ہو سکتا ہے؟ اور وہ کیوں ان مردود اعتراضوں کی تردید کرنے کی تکلیف گوارا کرے؟ آپ نے غلطی کی اگر بجائے شر یہودیوں کے اعتراض منانے کے آپ شر مسلمانوں کے ایسے اعتراض ایک جگہ جمع کر کے ہم کو مناتے جو آپ کے اور فتاویاں کے مسلمانوں کے مسلمہ ہوں تو ہم خوشی سے انکی تردید کرتے۔ پھر کیا دراصل آپ کو یقین ہے کہ لوگ آپ کے اس بخوفول کو باور کر لیں گے؟ کہ میں شر مسلمانوں کی طرح خواہ مخواہ کی رعایت نہیں کرنا اور نہ کسی خدا کے مقدس اور راستہ باز پرستہ وہ حملہ کرنا چاہتا ہوں، ص ۱۱۶ +

بہر حال ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ان بڑے بڑے اعتراضوں کی جن میں مرزا جی مسیح کے ”شہرہ دشمنوں“ کے ساتھ متفق معلوم ہوتے ہیں اس جگہ بطریق ایجاز نوزاد کو رس اور اسکی پروا نہ کریں کہ بعد میں وہ کہہ دیں گے کہ یہ اعتراض تو ہمارا نہ تھا۔ ہم مسلمان اسکو کب مانتے تھے وہ تو ایک ”فاضل“ یہودی یا فری تھنکر کا تھا۔

دوم۔ مسیح کا دعویٰ عصمت (۱) جسطرح قرآن و حدیث میں ہم مسیح کو کبھی اقرار ذنوب یا استغفار کرتے ہوئے نہیں پاتے اُسی طرح صحف اناجیل بھی اس باب میں بالکل سہکت ہیں۔ مسیح کے تمام مشہور حالات زندگی۔ ان کی دعائیں۔ انکے وعظ۔ دوستوں

اور دشمنوں کے ساتھ اُنکے مکالمے سب مندرج ہیں مگر ایک حرف انہی زبان سے کبھی نہیں نکلا جس سے گمان بھی ہو سکے کہ اپنی نسبت اُن کو کسی خطایا عدل علمی کا شبہ بھی رہا۔ وہ ہر ایک ایماندار کا فرض بتلاتے ہیں کہ خدا کے سامنے اقرار کرے کہ جس طرح ہم اپنے قصور وار کو معاف کرتے ہیں تو ہمارے قصور معاف کر، مگر وہ کبھی اپنے کسی قصور کی طرف اشارہ بھی نہیں کرتے۔ ہم یذ کو لہذا ذنب یہاں بھی اُن پر صادق آتا ہے:

من آثم کم من دائم (۲) انسان اپنی نیکی ہو یا بدی کچھ آپ ہی خوب سمجھتا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ من آثم کم من دائم۔ اگر اس معیار سے ہم حضرت مسیح کی زندگی کو جائیں اور اُن کے اپنے ضمیر کے حق میں خود اُنکی گواہی سنیں تو یہ مسئلہ بالکل حل ہو جاتا ہے۔ اُنکو زمین پر گناہ معاف کرنے کا اختیار تو ہے (مسیح) مگر اپنی نسبت وہ اپنے دشمنوں کو علانیہ بخدائی کرتے ہیں مگر کون تم میں سے عجیب گناہ ثابت کر سکتا ہے (یوحنا ۸) وہ صدم و کرم رہ گئے تو خود فرمایا میں ہمیشہ وہی کام کرتا ہوں جو خدا کو پسند آتے ہیں (یوحنا ۸) میں اپنی مرضی نہیں بلکہ اپنے بھیجنے والے کی مرضی چاہتا ہوں (یوحنا ۸) +

پھر اپنے رفیقوں کو جو شب دروڑ آپ کے چشم دید گواہ تھے اُنکی تسلی کے لئے یاد دلاتے ہیں ”میں نے باپ کے حکموں پر عمل کیا اور اُسکی محبت میں قائم رہا (یوحنا ۱۵)۔ اور دعائیں اپنے خدا کو مخاطب کر کے جو دلوں کے بھید جانتا ہے نہایت اطمینان قلب کے ساتھ عرض کرتے ہیں ”جو کام تو نے مجھ کو کرنے کو دیا اسکو تمام کر کے میں نے تیرے جلال ظاہر کیا (یوحنا ۱۵)“

پلاطوس کی (۳) پلاطوس ایک ایسا حاکم تھا جس کے سامنے تمام رطب و یابس شہادت و عیسیٰ شہادت کے جانی دشمن اس کے خلاف پیدا کر سکتے تھے بڑے شد و مد کے ساتھ لائی گئی تھی اور وہ تاکید سے یہودیوں سے پوچھتا رہا تھا ”کیوں اُس نے کیا بُرائی کی ہے (مرقس ۱۵) تو دشمن بلا جواب رہے اور جب پلاطوس نے شہادت کو جانچی تو برطانیہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ ”میں اس شخص میں کوئی قصور نہیں پاتا (یوحنا ۱۹)“

دشمن جان (دم) یہود اسکو یوٹی جو اپنے گناہ کے لئے طح طرح کے عذر درجیلہ ڈھونڈھتا تھا
کی شہادت اُسکے ضمیر نے بھی اسکو ملزم ٹھہرایا اور زندگی کو ناقابل برداشت بنا دیا کیونکہ وہ
شب درویش کے ساتھ رہ چکا تھا اور اپنی آنکھوں سے اُسکی آسمانی زندگی دیکھے ہوئے
تھا۔ آخر بڑے صدق دل سے دم واپسین کے ساتھ اُس نے یہ شہادت ادا کی "میں نے گناہ کیا
کہ خطیہ کو گرفتار کرایا" متی ۲۳: ۳۱

اہل عصر کی (دھ) پھر اُن تمام معاصرین کی شہادت جو مسیح پر ایمان لائے تھے وہ تو ہمیشہ جہان
شہادت کے سامنے ہی ہے اور ہر زبان کبھی سُنی گئی ہے

گرمن آلودہ دامن چٹھیا ہمہ عالم گواہ عصمت اوست

وہ پاک اور بے ریا بے دغ گنہگاروں سے جدا آسمانوں سے بلند کیا گیا (عبرانی ۱۰: ۲۰)۔

سوم - مرزا کے اہم اعتراض - ساہا سال مرزا نے مسیح کی مخالفت میں دہریوں اور ملوثوں
کے سامنے زانوئے شاگردی ترکے اور ہم دیکھتے ہیں کہ وہ کون سے واقعات و تاریخ مسیح میں اپنے

مرزا کے اعتراضات استادوں سے یاد کر لائے ہیں کہ جو اسلام کے معیار سے عصمت حقیقی کے بنیاتی
کا خلاصہ ٹھہر سکتے ہوں۔ آپ بہت بڑے دعوے کے ساتھ لکھتے ہیں "مسیح کی

سہ گزشت میں گناہ کا اقرار بھی موجود ہے گناہگاروں کی طرح تو یہ بھی موجود ہے اور گناہگاروں
و اے افعال بھی موجود ہیں" ص ۱۱۔ اور اگر ایسا ہے تو پھر مرزا کا دعویٰ یقینی ثابت ہو چکا
مگر انہی بھی ہر شخص پر روشن ہو جائیگا کہ یہ بڑا بول اپنے ہر حصے میں ایک دروغ غیبی
فردغ ہے ۛ

نیک استاد پیدہ "گناہ کا اقرار اس کے ثبوت میں لکھتے ہیں" اُس مقام میں حضرت مسیح کا اپنا
ہی توں ایک فیصلہ کرنے والا قول ہے کیونکہ انجیل میں لکھا ہے کہ ایک نے آ کے مسیح سے کہا۔
اے نیک استاد میں کون سا نیک کام کروں کہ ہمیشہ کی زندگی پاؤں؟ اُس نے کہا تو کیوں
مجھے نیک کہتا ہے نیک تو کوئی نہیں مگر ایک یعنی خدا۔ دیکھو انجیل متی باب ۱۹-۱۵۔

آیت مذکورہ بالا سے صاف ظاہر ہے کہ مسیح نے نیک ہونے سے انکار کیا ہے اس کے معنی خیر اسکے اور کچھ نہیں کہ مسیح اپنے تئیں گنہگار سمجھتا تھا "ص ۱۰۶۔ مگر اپنے اس بخود قول کو جو شاید محض عیسائیوں کی ضد میں آپ نے کہا تھا مزید اور آزموش کر کے خود ہی ایک دوسرے معنی مسیح کے ان الفاظ کے ہم کو بتلاتے ہیں "آیت کے سیاق و سباق سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مسیح نے اس مقام میں اپنی فطرتی سعادت کی وجہ سے انکار دکھلایا اور اُس شخص کو اس بات پر تنبہ کیا کہ حقیقی یعنی کاسرچہ خدا ہے اور جو کچھ تو مجھ میں نیکی دیکھتا ہے وہ میری طرف سے نہیں بلکہ خدا کی طرف سے ہے۔ یہ ایک معرفت کا سبق تھا جو مسیح نے انکو دیا "ص ۱۰۷۔ ہم آپکا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ آپ نے اپنے پہلے قول کو تو باطل کر دیا مگر ہماری سمجھ میں نہیں آسکتا کہ ایک ہی آیت سے دو متضاد معنی کیونکر صاف ظاہر ہو گئے تھے۔ آپ کی باطنی آنکھ صاف نہیں ہے ہم اب تم کو سمجھا دیں کہ آیت میں مسیح نے "نیک ہونے سے انکار نہیں کیا۔ بلکہ نیک ہونے کے ایک معنی بتائے جو صرف خدا پر صادق آتے ہیں اور اُس معنی میں نیک ہونے کا انکار کیا ہے:

خدا کس معنی میں نیک ہے؟ اس معنی میں نہیں کہ وہ بیگناہ ہے یا معصوم یعنی گناہوں سے محفوظ کیا گیا۔ کیونکہ خدا کی ذات کے لئے گناہ کا امکان نہیں۔ خدا نیک بالذات ہے اور تمام نیکی کا سرچشمہ ہے اور اسی معنی میں فرمایا "نیک تو کوئی نہیں مگر ایک یعنی خدا" پس خدائی نیکی کا انکار نہ تو انسانی نیکی کا انکار ہے یعنی اُس نیکی کا جو بندہ کے لئے ممکن ہے اور نہ کسی طرح انسانی گنہگاری کا اقرار۔ کیونکہ نیکی بمعنی عصمت و بیگناہی اسکا تو مسیح کو بڑے زور سے دعوئے ہے جیسا ابھی ثابت کر آئے۔ آپ نے خاک حقیق نہیں کی اور آیت کو بالکل نہیں سمجھا اور اس میں انبیاء کے استغفار کی تفسیر بحث تلاش کرنا چاہی ہے:

عالمی بودیلوں میں استادوں اور بزرگوں کو عام طور پر نیک کہتے تھے جیسے اس ملک میں لفظ نیک اور بھلا مانس کہتے ہیں۔ خداوند مسیح نے انکی غلط انسانی کی اصلاح کی کہ بلا سوچے سمجھے کسی کو نیک نہ کہو حقیقی طور پر خدا ہی نیک ہو سکتا ہے اگر تم مجھ کو اپنی مرتبہ میں سمجھتے ہو تو یہ خطاب درست ہے اور اگر محض انسان سمجھ کر کہتے ہو تو یہ درست نہیں۔ (اڈمیٹس)۔

اور پھر اگر اس قول کی وہ قرأت قبول کی جائے جسکو ٹسٹنٹ ادف نے مانا ہے یعنی ”نیکی کی بابت مجھ سے کیوں پوچھتا ہے“ جو سائل کے سوال کے ساتھ ”تس کون نیکی کروں“ مطابق ہے تو ایسے تمام وہموں کا ازالہ ہو جاتا ہے جو بد شعوری یا نا فہمی سے پیدا ہو سکیں پس اب مسیح کے اقرار گناہ پر آپ کے ہاتھ میں کون سی دقت اور بڑبڑاتی رہ گئی ہے

توبہ کا اصطلاح دوسری گنگاروں کی طرح توبہ مسیح نے یوحنا کے ہاتھ پر توبہ کا اصطلاح لیا جس میں اعتراف گناہ کا ہے۔ پس اصطلاح کیا لیا گیا تاکہ گناہوں نے پر مہر لگا دی۔ ”اگر مسیح معصوم تھا تو اسے توبہ کی کیا ضرورت تھی؟ دوسرے کی خدمت میں ایک ذلت کے ساتھ حاضر ہونا اور گناہ کا اقرار کرنا بجز اس صورت کے کب ہو سکتا ہے کہ انسان اپنے دل میں محسوس کرتا ہو کہ میں گنگاروں ص ۱۰۹۔ ”انجیلیں کہتی ہیں کہ اسے جتنی ملے اور اس نے تمام ریم کو ادا کیا جس کا بڑا حصہ گناہوں کا اقرار تھا۔ اسکو بے رحم قرار دینا گویا یہ کہنا ہے کہ جب اس نے گناہوں کا اقرار کیا تو وہ کتنا کچھ تھا اور اس کے دل میں کچھ تھا“ ”تو قانے صاف طور پر بیان کیا ہے کہ یسوع نے بھی دیگر یہودیوں کی طرح جتنی بے پایا اور دوسرے گنگاروں کی طرح ضرور اپنے گناہوں کا اقرار بھی کیا، اور یسوع پر روح القدس نازل نہ ہوئی جب تک اسے یوحنا کے سامنے عاجز نظر نہ کیا اور اپنے گناہوں کا اقرار کر کے اس کے ہاتھ پر توبہ نہ کی“ ص ۵۰۰۔ ۵۰۱

ہم کہتے ہیں کہ اگر کوئی خدا اور اس کے بندوں سے شرم چھوڑ دے تو پر سب کچھ کہہ سکتا ہے۔ مرزا ابتلا شے کہہاں ”تو قانے صاف طور پر بیان کرتا ہے اور کہاں انجیلیں کہتی ہیں کہ مسیح نے توبہ کا اصطلاح لیا۔“ یوحنا کے ہاتھ پر توبہ کی۔ ”اپنے گناہوں کا اقرار کیا“ اور پھر ”دوسرے گناہ گاروں کی طرح“ اور ”ضرور“ کیا اس نے سمجھا تھا کہ ”انجیلیں“ صرف قادیان میں مقفل رکھی ہیں؟

مسیح کے اصطلاح کی نوعیت سچ صرف اسی قدر ہے کہ مسیح نے یوحنا سے اصطلاح لیا۔

مگر توبہ کا اصطلاح اور نہ اس سے بہرہ گز گناہوں کا اقرار کیا نہ کوئی توبہ کی اور نہ وہ یہ کہ سکتا تھا توبہ کے اصطلاح کا "بڑا حصہ گناہوں کا اقرار تھا" اور ان تمام لوگوں نے جنہوں نے یوحنا کے ہاتھ پر توبہ کا اصطلاح لیا۔ صاف صاف لکھا ہے کہ فرداً فرداً ان سب نے اپنے گناہوں کا اقرار کر کے دریائے یرون میں اُس سے پینسہ لیا، "مٹی پتھر کھجور کی نسبت اور تو سب کچھ لکھا ہے کہ یوحنا کے ساتھ گیا بائیس ہویں پینسہ سے پہلے کیا گذرا اور پیچھے کیا گذرا مگر ایک لفظ بھی چاروں انجیلوں میں کہیں نہیں آیا جو اس پر دال ہو کہ اُس نے بھی گناہوں کا اقرار کیا یا توبہ کی۔ بھلا کیونکر سہ سکتا تھا کہ اگر مسیح نے "توبہ کا اصطلاح کیا ہوتا تو اور سب کچھ بیان ہو جاتا مگر اُس کا بڑا حصہ گناہوں کا اقرار ہی منورک کیا جاتا ہوتا بلکہ حق یہ ہے کہ بجائے گناہوں کا اقرار کرنے کے اُسی جگہ بڑی صفائی سے مسیح نے اپنی پگنڈی و نیک کرداری کا اقرار کیا "میں اسی طرح ساری راستبازی پوری کرنی مناسب ہے۔"

مٹی پتھر کی مسیح راستبازی کی میزان گل کو لور کرنے کا دعوہ دیا مگر وہ اور اس سے زیادہ اور کیا دے گا رہے؟ پھر اُس کے پینسہ دینے والے کو بھی اُسکی بیگناہی و عصمت بے پریشیم قیلم ہے۔

پچھلے کی گواہی [دوسرے دن اُس نے یسوع کو اپنی طرف آتے دیکھ کر کہا "یہ کیسویہ خدا کا بڑا دینا کے گناہ اٹھائے جاتا ہے" یوحنا ۱۶ یعنی مسیح اہل جہان کے گناہوں کا دور کرنے والا اور مرض عصیاں کا حاذق طبیب ہے اب اس سے زیادہ زور دار اور کوئی سے الفاظ

انسان لاسکتا ہے

عیسیٰ کی فضیلت [پھر یہی مسیح ہے کہ مسیح "یوحنا کی خدمت میں ایک ذات کے ساتھ حاضر ہوئے اور نہ انجیل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ واقعی یوحنا عیسیٰ کا روحانی باپ بننے کے لائق تھا" ص ۷۰ کیا پرتوایاں کے لئے جھوٹا ہونا منجسی فرض ہے؟ کیونکہ انجیل میں تو لکھا ہے کہ جب یوحنا اوقوں کو توبہ کا پینسہ دیتا تھا تو مسیح کی طرف بڑے ادب سے اشارہ کر کے کہتا تھا "میرے توبہ کے لئے پانی سے پینسہ دیتا ہوں، لیکن جو میرے بعد

آتا ہے، وہ مجھ سے زور آور ہے میں اُس کی جوتیاں اٹھانے کے بھی لائق نہیں۔ وہ تمہیں روح القدس اور آگ سے بپتسمہ دے گا۔ متی ۱۱:۱۱۔ تو قاپہ اور جب مسیح اُس سے بپتسمہ لینے پر مجبور ہوئے تو یوحنا یہ کہہ کر اُسے منع کرنے لگا کہ میں آپ تجھ سے بپتسمہ لینے کا محتاج ہوں اور تو میرے پاس آیا ہے۔ یسوع نے اس سے جواب میں کہا کہ اب تو ہونے دے کیونکہ ہمیں اسی طرح ساری راست بازاری پوری کرنا مناسب ہے۔ اس پر اُس نے ہونے دیا۔ اور جب مسیح بپتسمہ لے کر پانی کے باہر آئے تو روح القدس اُن پر نازل ہوئی اور آسمان سے یہ آواز آئی کہ یہ میرا پیارا بیٹا ہے جس سے میں خوش ہوں۔ اور دیکھو یہ الہی شہادت مسیح کی عہد و ست پرستی اور یہی تو مسیح فرماتے تھے ”میں ہمیشہ وہی کام کرتا ہوں جو باپ کو پسند آتے ہیں“

مسیح کی کامل اور بیدار دل لطفواؤں اور اللہ با فواہم مرزاؤں فرماتے ہیں ”اس سے راستبازی ظاہر ہے کہ اس وقت وہ اپنی راستبازی کو ناقص خیال کرتا تھا“ ص ۵۵۔ اب انکو کون سمجھائے کہ ناقص راستبازی اُسی کو کہہ سکتے ہیں جس میں راستبازی کا کچھ خلاف مل جائے۔ یہیں راستبازی کا خلاف تم نے کس چیز کو قرار دیا؟ جہاں انسان کی عمر بڑھتی ہے وہیں دنوں اور راتوں کا سلسلہ و مجبور ہے کوئی شخص اپنی ساری عمر میں از وقتے بسر نہیں کر سکتا اسی طرح راستبازی ایک بیزان کل ہے جو زمان و مکان کی قید سے آزاد نہیں جس کے اعمال کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور جب تک اُس کی کسی کڑی میں ناراستی بازاری نہ مل جائے اُسکو ناقص نہیں کہہ سکتے۔ مسیح فرماتے ہیں میں راستبازی کی زنجیر میں ایک ایک کڑی جوڑتا اُس کو پورا کرتا جاتا ہوں۔ اور بپتسمہ بھی اسی میں شمار کرتے ہیں تو صرف اپنے وقت پر پورا ہو سکتا تھا۔ پس کسی نوبت میں انکی راستبازی ناقص نہیں ہو سکتی۔ وہ ہر لمحہ کے مناسب اپنا کل فرض ادا کرتے ہیں اور انکی زندگی کی نوبت ایسی نہیں جس سے انہو نے راستبازی کے انہوں نے کچھ اور کیا ہو۔ اور راستبازی کا کمال یہی ہے۔

عصمت کے لئے اسی قدر لازم ہے۔ مگر افسوس مرزا کچھ نہیں سمجھتے نہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔
یہی مسیح کے مرزا نہایت ہی بے بصیری کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ ”یوحنا کی روحانی طاقت
مرث نہیں ایسی بڑھی ہوئی تھی کہ جو نبی لیئو نے اُس کے پاس توبہ کی اسی وقت
روح القدس کا انعام اسکو بخشنا کیا“ ص ۷۔ ہر شخص جو ذوی العقول میں شمار ہو سکتا ہے
سمجھ لیا کہ یوحنا کی روحانی طاقت جو کچھ تھی وہ تو ہمیشہ بڑھتی رہی اور ایک خالق نے اُس
کے پاس توبہ کی۔ پھر کیوں یوحنا کے تعارف سے کسی اور کو روح القدس کا یہ انعام عطا نہ ہوا
مسیح مجھ کو انجیل سے تو ثابت ہو چکا کہ یوحنا ہمیشہ حضرت مسیح کی فصیلت تسلیم کرتے رہے
اور قرآن و حدیث سے بھی یہی ثابت ہے۔ چنانچہ بیٹے کی شان میں والد ہے مصداق
بکلمۃ جن اللہ (آل عمران ۴۷) اور اسکی تفسیر میں کہا گیا ہے ”کلمۃ اللہ سے مراد اس
بیٹے بن مریم ہیں۔ رب بن انس نے کہا سب سے پہلے جس نے بیٹے بن مریم کی قصیدہ کی
تیسرے علیہ السلام ہیں۔ تیسرا وہ ہے کہا ”بیٹے اسنت و نہماج بیٹے پر بیٹے۔“ بن عباس نے کہا
بیٹے برادر خالہ زاد تھے والدہ بیٹے مریم سے کہنی تھیں جو بیٹے میرے پیٹ میں ہے وہ سیدہ ذکرنا
ہے اُسکا جو تیرے پیٹ میں ہے (ترجمان القرآن۔ نواب عبدالحق حسن خان دہلوی پشاور)۔
بجلا جو شخص شکہ مادر سے مسیح کے سامنے سر بسجود رہے اُسے مرزا ہی سا شخص تہیہ کارو دھانی
باپ و مرشد وغیرہ کہہ سکتا ہے۔

مسیح کو اصطلاح مرزا کا یہ سوال تھا کہ ”اگر مسیح معصوم تھا تو اُسے توبہ کی کیا ضرورت تھی؟“
کی ضرورت اُسکا جواب ہم دے چکے کہ اُس کو توبہ کی ضرورت تھی اور نہ اُس نے توبہ
کی پس اب صرف یہ سوال ہو سکتا ہے کہ مسیح کو یوحنا کے ہاتھ پر تیسرے کی کیا ضرورت تھی؟
اور اسکا جواب انجیل یہ دیتی ہے کہ مسیح کی ضرورت مسیح کو اپنی ذات کے لئے لاحق نہیں
ہوئی تھی بلکہ خود یوحنا اور اُس کے شاگردوں اور عموما بنی اسرائیل کے فائدے کے لئے
مسیح کو مسیح لینا پڑا۔ یوحنا خود فرماتے ہیں ”میں تو اُسے بچاتا تھا مگر اس لئے پانا“

بپتسمہ دیتا آیا کہ وہ اسرائیل پر ظاہر ہو جاوے۔ ”میں تو اُسے نہ پہچانتا تھا مگر میں نے مجھے پانی سے بپتسمہ دینے کو بھیجا اُس نے مجھ سے یہ کہا کہ جس پر تو روح اترے اور ٹھہرتے دیکھے وہی روح القدس کے بپتسمہ دینے والا ہے“ یوحنا ۱: ۳۳ +

یہی معلوم ہو گیا کہ مسیح پر نزول روح القدس مطلق یوحنا کے تصرف سے نہ تھا۔ اور اُس نے صرف اس لئے بپتسمہ دیا کہ وہ یوحنا پر اور اسرائیل پر ظاہر ہو جائے۔ پس اس کو ”جسے ہم گناہ آپ کی زبردستی ہے ہم نے اس جگہ مسیح کی عصمت پر خود مسیح کا دعویٰ سنا دیا“ یوحنا بپتسمہ دینے والے کی شہادت سنا دی اور آسمانی گواہی بھی سنا دی جس کے کان سننے کے ہونے تیسری ”گنہگاروں والے افعال“ مرزا کہتے ہیں ”انجیل نوبوا، باب کی ۲۳ و ۲۴ آیات میں مسیح نے صاف صاف اپنی شراب خوری کا اقرار کیا ہے۔۔۔۔۔ اس موقع پر یہ کہنا کہ ہاں اگرچہ نیسور شراب پاکر تھا لیکن اسکا پینا اعتدال کی حد تک تھا محض ایک دعویٰ ہے دلیل ہے۔۔۔۔۔ مذہب دیوں نے اُسے مے خوار یعنی شرابی کہا۔ لیکن اُس نے بجائے اپنی برہنیت ظاہر کرنے کے لازم ہونا پسند کیا“ ص ۸۰۸ +

اب لباب اس تقریر کا یہ ہوا کہ انجیل سے ثابت ہے کہ مسیح کا شراب کا استعمال حد اعتدال سے بڑھا ہوا شراب خوری و بدستی میں داخل تھا۔ یہ ایک ایسا لغو بلکہ بیہودہ دعویٰ ہے کہ مرزا ایک شرشہ انجیل کا ثبوت میں پیش نہیں کر سکتا +

جواز نے ۱۔ فقہ اسلام کا مسئلہ مسئلہ ہے کہ شراب صرف اسلام میں اور وہ بھی بغیر اسلام کے اور عہد میں حرام ہوئی۔ اسلام کے اوائل میں بھی شراب حرام نہ تھی۔ جلیل القدر صحابہ نہ صرف شراب پیتے بلکہ بڑی بے اعتدالی کے ساتھ پیتے تھے۔ حمزہ حضرت کے چچا شراب میں بدست ہر تہ تھے اور حضرت علیؓ غمخور ہو کر نماز میں بیٹھتے تھے بلکہ قرآن میں آیت و من ثمات انجیل والا حجاب نہ لیتے نہ صندھ سکرا و سر دقا حسنات فی ذلک لایہ لقیوم یعقلون (دخ) شراب خراوا انکور کی تعریف میں وارد ہوئی۔

اور امام رازی کا تو یہ خیال ہے کہ حضرت آدم نے شاید شراب کے نشے میں شجرہ ممنوعہ کھالیا تھا اور کہتے ہیں کہ ”یہ امر خلاف قیاس نہیں کیونکہ انکو حبشہ کی تمام چیزیں حلال کی گئی تھیں مگر ایک درخت کے۔ پس اگر یہ درخت گیموں کا درخت تھا تو انکو شراب پینے کی بھی اجازت تھی“ (تفسیر خاتر لہما الشیطان عنہما سورہ بقرہ) پس کسی مسلمان کو حق نہیں کہ مومنین شرائع سابقہ کو محض استعمال شراب کے باعث ملزم ٹھہرائے +

یہود کا الزام ۲۔ مرزا نے خود اعتدال کی حد تک پینے میں اور شراب غوری میں تیزی ہے۔ وہ صرف حضرت مسیح کے حق میں اعتدال کو روانہ رکھ کر جھوٹ بولتے ہیں کہ ”یسوع نے صاف اپنی شراب غوری کا اقرار کیا۔“ اور انجیل یوحنا کا حوالہ دیتے ہیں :

انجیل میں لکھا ہے ”اس زمانہ کے آدمیوں کو میں کس سے تشبیہ دوں۔ وہ کس کی مانند ہیں؟ ان لوگوں کی مانند ہیں جو بازار میں بیٹھتے ہیں۔ یوحنا بتیسمہ دینے والا نہ تو روٹی کھاتا ہوا آیا نہ بے پیتا ہوا اور تم کہتے ہو کہ اس پر بدروح ہے۔ ابن آدم کھانا پیتا ہوا آیا اور تم کہتے ہو دیکھو کھاؤ اور شرابی محمول لینے والوں اور گنہگاروں کا یار لیکن حکمت اپنے سب رازوں کی طرف سے راست ثابت ہوئی۔“ یوحنا ۱۰: ۱۰

حضرت یحییٰ کی اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت یوحنا آبادی سے کنارہ کش ہو کر یہودیہ کے میان روزہ داری میں ”جا رہے تھے۔“ اونٹ کے بالوں کی پوشاک پہنتے اور آپ کی غور رک ٹیڈی و جنگلی شہد بھٹی، مٹی، آبلہ نہ آپ شہر میں آتے نہ معمولی پوشاک پہنتے نہ روٹی وغیرہ عام غذا کھاتے۔ اور اس میں بھی حکمت الہی تھی۔ برخلاف اس کے حضرت مسیح شہروں دیہاتوں میں جا بجا منادی کرتے کھانا پینا جو اور لوگ استعمال کرتے آپ بھی کھاتے پیتے تھے۔ لوگوں کی صحبت سے آپ غور نہ تھے۔ تمام دنیا کے گنہگاروں کے ماوا و ملجا تھے۔ اُن سے ملے جلتے اور انکو راہ خدا کی ہدایت کرتے اور اگر کوئی منکر اعتراض کرتا تو جواب دیتے کہ ”تندرستوں کو حکیم درکار نہیں بلکہ بیماروں کو۔“ یعنی انبیاء کی بعثت کا مقصد گنہگاروں کے لئے

راستباز۔ اور اس کل روش میں بھی حکمت الہی مخفی تھی :

منکر جو تھے وہ کسی کو نہیں مانتے تھے حضرت یوحنا کی تحقیر میں انکو دیوانہ کہتے تھے کہ اس پر تو بدروح سے جو بیابانوں میں مارا مارا پھرتا اور خوراک و پوشاک سے محروم کراتی ہے۔ اور وہ حضرت مسیح کی بھی توہین کرتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ کھاؤ اور شرابی ہے جس کو گنہگار لوگ گھیرے پھرتے ہیں۔ حضرت مسیح کس صفائی سے ان دونوں الزاموں کی تردید فرماتے ہیں کہ منکروں کے الزام یوحنا پر اور مجھ پر محض طفلانہ ہیں۔ وہ یوحنا کی شان میں بے ادبی کرتے ہیں اور میری شان میں بھی۔ اصلی حقیقت صاحبان حکمت پر روشن ہے نہ یوحنا پر بدروح ہے اور نہ میں کھاؤ یا شرابی ہوں :

مسیح کی غذا ۳۔ جس شخص نے انجیل کو پڑھا ہے اُسے معلوم ہوگا کہ جہانی غذا کی مسیح کے پس کس قدر قلت تھی۔ وہ اکثر بھوکے رہتے تھے گو ہزاروں کو بیچارہ طور سے سیر کیا۔ آپ کا مقولہ تھا ”اومی صرف ردئی سے نہیں جیتا بلکہ ہر ایک بات سے جو خدا کے منہ سے نکلتی ہے“ متی ۱۲ میں لکھا نایہ ہے کہ اپنے پیچھے داسے کی مرضی کے موافق عمل کروں اور اُسکے کام کو پورا کروں“ یوحنا ۴ میں ایسے شخص کی نسبت یہودیوں کی سند پر آپ کا یہ کہنا کہ وہ تمام عمر شراب کے مرکب رہے“ سوائے معصیت کے اور کچھ نہیں ہے۔ جب آپ نے اتنا بڑا دعویٰ کیا تھا تو لوگ یہ سمجھتے تھے کہ آپ انجیل سے یہ ثابت کر دینگے کہ کبھی کسی نے مسیح کو مخمور پایا۔ شراب کے نشے میں متوالا دیکھا۔ پس شراب خوری کا الزام مسیح پر دہی لگا سیکٹا جس نے بشیر می کا آسمان اکر لیا ہوا یہودیوں کے ہاتھ بک چکا ہو۔ سچ صرف اسی قدر ہے کہ آئیکہ نے استعمال سے قطعی انکار نہ تھا۔ آپ کبھی کبھی اسکا استعمال کرتے تھے اور وہ نے بھی ”انکو کارس“ تھا۔

متی ۲۶ : ۱۷
ہم قلنا نے گلیل کا معجزہ ۶۔ - مزد کہتے ہیں ”یوحنا کی انجیل کے دوسرے باب میں یہ واقعہ مندرج ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وٹھانے براتیوں کے لئے شراب کافی

ہتیا کی تھی۔ لیکن جب ذخیرہ ختم ہو گیا تو مخمور جماعت نے شراب کے لئے مشورہ بچایا۔ یہ یسوع نے جو مسیحہ شاذ و نادر کے اس جماعت میں شامل تھا اس موقعہ کو غنیمت جان کر پانی کے چھ مسکوں (کل ۱۲ گیلن) کی اعلیٰ شراب بنا ڈالی۔ اور اس طریقہ سے تمام برائیوں کو بذات خود شراب بنا کر مخمور کیا۔۔۔ لوگ پیشتر ہی مخمور تھے۔ جبکہ یسوع نے بڑی فیاضی سے ۱۲ گیلن شراب جو ایک ہی تمام جماعت کے مخمور کرنے کے لئے کفایت تھی اور ان کے لئے مہیا کر دی ص ۳۰۰ + (۱) یہ جھوٹ ہے کہ ”وہا نے برائیوں کے لئے شراب کافی مہیا کی تھی“ اگر کافی شراب موجود تھی تو جلے کے آغاز ہی میں لوگوں کو احتیاج کیونکر لاحق ہوئی اور کہیں کہا جاتا کہ ”ان کے پاس نے نہیں رہی“۔ اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ یا تو شراب ہتیا نہ کی گئی تھی یا ضرورت سے بہت ہی کم مقدار میں تھی اور غیر خواہوں کو منظور نہ تھا کہ وہ ہمارے والوں کی برائیوں کے آگے ٹٹکی ہو۔ اور جب بے شرعاً حرام نہ تھی تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ مثل دیگر کرنا حنا کے مہانوں کے لئے اگر ممکن ہو ہم نہ پہنچائی جائے۔ اور اس نے حضرت مسیح کے لئے اپنے میزان کی ایک شکل کے وقت میں اپنی اعجازی قدرت سے دستگیری فرمائی +

(جب) یہ بھی جھوٹ ہے کہ ان برائیوں میں کوئی ”مخمور ہو رہا تھا اگر مخمور کے اعلیٰ صاحبی معنی بہوش یا بہت مراد لئے گئے ہوں۔ مرزا پتہ بتا دے ان میں کون کون رہتا تھا یا پہلی باتیں کرتا تھا یا اڑکھڑاتا جسے میں چور تھا،

میر مجلس کا دولہا سے یہ کہنا کہ ہر شخص پہلے اچھی نے پیش کرتا ہے اور ناقص اس وقت جب پی کر لیتے ہیں آگئے مگر تو نے اچھی بے اب تک رکھ چھوڑی“ اول تو ایک طریقہ غلط تھا جس سے منطق اخذ کرنا آپ کی خوش فہمی ہے۔ دوم یہ ایک مثل تھی جس سے حاضرین مجلس کی کیفیت بیان کرنا مقصود نہیں تھا بلکہ صرف سوال تھا کہ اگر ایسی بے ہمتا سے پاس موجود تھی تو خلاف قاعدہ اب تک کیوں برائیوں کو نہ دی +

(رج) ۱۲ گیلن شراب جو ایک ہی تمام جماعت کے مخمور کرنے کے لئے کفایت تھی۔ مرزا صاحب

کا شراب کا پیمانہ درست ہی یہی تو بھی ۶۲ گیلن کو تمام جماعت کے مخمور کرنے کو کافی کہنا غلط ہوتا ہے۔ ”مخمور کرنے کے لئے مکتفی ہونا دو باتوں پر منحصر ہے۔ اول جماعت کی تعداد پر۔ اور مرزا کو نہیں معلوم کہ اس برات میں کتنے پینے والے موجود تھے اور فی کس کے کے پائنت پر ہی۔ مگر ہم کو خوب معلوم ہے کہ باوجود چھ مشکوں کے اس برات میں ایک شخص بھی نشے میں نہ تھا اور ہمارے قیاس کے خلاف مرزا ایک لفظ بھی انجیل شریف کا نہیں لاسکتا۔ دوم قسم شراب پر۔ انگریزی شرابوں میں ایک پورٹ سے جس کی بہت بڑی مقدار میں بھی بہت کم نشہ ہوتا ہے پس یہ مرزا کا فرض ہے کہ وہ ثابت کرے کہ جو شراب ان براتیوں کو پلائی گئی وہ بڑی نشیلی شراب تھی۔ اور جب اس تمام جماعت میں کوئی ایک شخص بھی نشے میں نہیں لٹا تو ہمارا یہ کہنا کہ مسیح نے تمام براتیوں کو ”مخمور کیا“ یا جیسا کہ اپنے انگریزی رسالے میں لکھتے ہو ”غضب کا مخمور کیا“ (ص ۳۰۲) کیسے بڑے غضب کا جھوٹ ہے :

شراباً بطوراً (د) بلکہ جو شراب مسیح نے مخمور سے پیدا کی اُسکو اس قسم کی شراب تصور کرنا جو کلواریسٹیوں میں کشید کرتے ہیں انتہا درجہ کی گستاخی ہے۔ جس طرح موافق شہادت قرآن کے حضرت مسیح نے اپنے شاگردوں کو معجزہ نزول مائد میں آسمانی خوراک کھلوائی۔ اسی طرح اس معجزے میں انہوں نے اپنے رفیقوں کو آسمانی شراب پلائی جس کے مسلمان جنت میں امید واپس۔ سقیم کریم شراباً طہوراً یعنی بہشت کا کھانا پیتا انہوں نے اپنے لوگوں کو اسی دنیا میں چکھا دیا۔ اور اسی لئے اس معجزہ کے حال کے بعد لکھا ہے کہ یہ پہلا معجزہ یسوع نے قانا سے ٹھیل میں دکھلا کر اپنا جلال ظاہر کیا اور اُس کے شاگرد اُس پر ایمان لائے بہت خوب کیا اِن فی ذالک لآیۃ لِّیَقُومَ یَعْقِلُوْنَ مگر ہم انکو کیسے سمجھائیں جن کی یہ تشریف ہے فی قُلُوبِہُمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰہُ مَرَضًا :

(۴) مرزا نے عشاءے رتانی پر بھی اعتراف کیا ہے۔ کہتا ہے ”عشاءے رتانی سے مسیح

نے شراب خوری کو دین کی جڑ ٹھیکرایا“ (ص ۱۱۴) :

شرابی گنہگار اور منجھ مرزا کی دردغلوئی کے یہ بھی ہے۔ نہ ہر شخص جسے شراب کا استعمال کیا شرابی یا شراب خوار کہلاتا ہے۔ یہ لفظ اصطلاحاً بہت پر پورے جاتے ہیں۔ عیسائی دین نے شراب کو اس معنی میں تو حرام نہیں کیا کہ اگر ایک قطرہ زبان پر یا ایک گھونٹ حلق کے نیچے اتر جائے تو آدمی گنہگار ہو جائے۔ مگر انسانی فعل کو ضرور حرام ٹھہرایا اپنی جہط پر چمکانا جائز و غیر مناسب استعمال انسان کو گنہگار کرتا ہے اسی طرح شراب کا بھی۔ گو شراب کو حرام نہیں بتلایا مگر شراب خوری و بستی کو ضرور حرام بتلایا۔ یہ فتوے عیسائی دین کا ہے ”شرابی کی مرتوائے نہ بنو کیونکہ اس سے برعینہ واقع ہوتی ہے“ افسی ہے ”مے خوری اور شرابی کو“ مشہور پرستینوں اور مکہ و بیت پرستوں کی جنس میں شمار کیا۔ (۱۔ پطرس ۳) اور حکم دے دیا کہ ”شرابی“ جیسی کلیدیا سے خارج کر دیا جائے ”جنس کے ساتھ کھانا کھانا بھی“ رد انہیں۔

(۱۔ قرتی ۱۱) جسے کہ ”مکس کو بت پرست زنا کار عیاش“ کے ہم پلہ قرار دے کر کہ دیا کہ وہ بھی ”خدا کی بادشاہت کا وارث نہ ہوگا“ (۱۔ قرتی ۱۱) مگر مرزا کی جہالت و جرات قابلِ داد ہے کہ وہ اپنے انگریزی رسالے میں لکھتا ہے ”عیسائی“ صحف مقدسہ میں کوئی ایک آیت بھی نہیں جس سے ظاہر ہوتا ہو کہ شراب خوری سے کوئی گنہگار اللہ کی اراستگی اور غضب کا مایہ و ہوتا ہے“ (نمبر ۳ ص ۱۸۱) ۶

عشاءے ربانی عشاءے ربانی کی حقیقت صرف یہ ہے کہ حضرت مسیح نے جو اپنے شاگردوں کی حقیقت کے ساتھ آخری کھانا کھایا تھا جس میں ”ردی“ اور ”گورکاس“ بھی تھے دو تار ۲۲) اسی کی یادگاری میں عیسائی اپنی عبادت گاہوں میں جا کر ایک ہی طشت سے اور ایک ہی پیالہ سے سب ملکر تبرک کا ایک ایک ٹکڑا دیتی اور ایک ایک گھونٹ انگوڑا کرس جس میں بانی ملاحظہ تہا، پیتے ہیں اور اسی کی طرف قرآن میں شاید اشارہ ہے ”تکون لنا عیداً الا کولنا واخلینا“ کہ وہ دن عید رہے ہمارے پہلوں اور بچپلوں کو۔ اس رسم میں شریک ہونے والے بھی روزہ دار ہوتے ہیں اور یہ عبادت کا ایک جز ہے جس وقت

لوگوں کے دل اپنے شفیع کی موت کی یاد سے بھرے ہوئے ہیں۔

سہ شیرۃ انکور سے یاد آگیا خونِ شفیع

توڑی جب روٹی میحا کا بدن یاد آگیا

پس اسکو شرابِ خوارسی کہتا سراسر خیانت ہے۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جس قسم کی شراب حضرت مسیح نے کبھی استعمال کی وہ انکور کا رس یعنی ایک قسم کا بنڈ تھا جو نشے کے طور پر نہیں بلکہ شربت کے طور پر پیاجاتا تھا کیونکہ انکور کی اُس ملک میں افراط تھی :

چچا سام۔ مرزا کے اعتراضوں کا جواب۔ یہ تو ہم پہلے ہی دکھا چکے کہ قرآن و حدیث کی تعلیم مسیح کی عصمت پر کیا ہے کہ انجیل شریف اس بار سے میں کیا گواہی دیتی ہے اور کہ مرزا کا دعویٰ کہ مسیح نے ازار گناہ کیا۔ گنہگاروں کی طرح توبہ کی اور گنہگاروں والے افعال کئے کیسا شرمناک اور جھوٹا تھا۔ اور ہم کو اب کچھ ضرورت نہیں رہی تھی کہ ہم اُسکے اور خرافات اقوال کی تردید کرتے مگر اتمامِ محبت کے لئے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ لگے ہاتھوں اُسکے دوسرے اعتراضوں کی بھی جانچ کر کے مرزا کو اُسکے مکان کے دروازے تک پہنچائیں۔ اور ناظرین پر یہ بات ردِ سخن کریں کہ یہ شخص اپنے اس قول میں بھی کہ ”میں شریر انسانوں کی طرح خواہ مخواہ کی رعایت نہیں کرتا اور نہ کسی خدا کے مقدس اور راستباز پر ہیو وہ عملہ کرنا چاہتا ہوں“

ص ۱۱۰۔ اچانک یہ ہے حقیقت یہ ہے کہ مرزا نے ان اعتراضوں میں لغویت اور بیہودگی کو انتہا تک پہنچا دیا اور اس میدان میں ”شریر انسانوں“ سے گونے سبقت لے لیا۔ اس طوالت کو ہم اس لئے گوارا کرتے ہیں کہ ہم کو معلوم ہے کہ مسلمانوں میں عموماً ایسے لوگ ہیں جنہوں نے ان اعتراضوں کو جو لفظ ہر صامت اسلام کے پردے میں کئے گئے سنا تو مگر انکی جانچ کر کے نہ کیا اُنکو کبھی موقع نہیں ملا۔ اور اس سے عیسائیوں کو بھی معلوم ہو جائیگا کہ اُنکا یہ مخالف کس مادہ اور طریقت کا شخص ہے جتنے کہ اُس سے ہم کلام ہونا بھی ایک عار کی بات ہوگی :

نقل کفر مرزا لکھتا ہے اور ہم اس نقل کفر کے لئے معافی چاہتے ہیں۔

”اناجیل میں مسیح کے کئی ایک دیگر اقوال و افعال دیکھے جاتے ہیں جن سے اس کی معصومیت بالکل یقیناً ہو جاتی ہے۔ باوجود جو ان اور مجرموں کے اُس کی آشنائی بعض بدکار عورتوں سے تھی جو ہمیشہ اُس کے پاس رہتی تھیں۔ بلکہ ایک جگہ وہ بدکار عورتوں کی توفیق بھی کرتا ہے۔ (متی ۲۳) اُس نے ایک کچنی سے عطر ملوایا جو اُس کی حرام کاری کی کمائی تھی۔ اور ارادہ اس عورت کو اپنے جسم سے جسم لگانے کی اجازت دی (لوقا ۷)۔ وہ اپنے والدین کی بے ادبی کرتا تھا اور اپنی ماں کی اُس نے بے ادبی کی (متی ۱۲) جو شہریت موسوی کے مطابق سخت گناہ ہے۔ اُس نے ایک بیگانہ شخص کے جس نے اُسے کچھ نقصان نہ پہنچایا تھا قریباً دو ہزار سٹروں کو تلف کر دیا (مرقس ۱۱)۔ اُس نے اپنی حاضری میں اپنے شاگردوں کو بغیر رضامندی مالک کے ایسی چیز کھانے کی اجازت دی جو شرعاً ناجائز تھی اور جس دس پرتیوں معتبر اناجیل متفق ہیں (متی ۲۳ مرقس ۱۱ لوقا ۱۱)۔ اُس نے یودیوں کے بزرگوں کو سخت گالیاں دیں اور بہت نامناسب حملے انکی عزت پر کئے جیسا آگے بیان ہوگا۔ اس نے تمام انبیاء اور ادیاء کو جو اُس سے پیشتر گذر چکے تھے چورا اور ہمارا کہا (یوحنا ۱)۔ اور اس بات کا خیال نہ کیا کہ اُسکی تمام تعلیم انہیں سے چرائی ہوئی ہے۔ اُس نے خدا کی مرضی کے خلاف دُعا مانگی جب کہ اُسے یقین تھا کہ اُس کی موت ٹل نہیں سکتی۔ اس نے اُس چور سے وعدہ خلافی کی جو اُسکے ساتھ صلیب پر لٹکایا گیا تھا۔ (متی ۲۷) سے ظاہر ہے کہ یسوع نے پور کو کہا ”آج تو میرے ساتھ بہشت میں ہو گا۔ لیکن شیوع خود تین دن و درخ میں رہا اور یہ بھی شک ہے کہ آیا وہ چور کو بھی ساتھ و درخ میں لے گیا یا نہیں۔ بہشت میں جانے سے تو وہ ناکام رہا۔ پس کم سے کم اُسے مناسب تھا کہ اس چور کو و درخ ہی میں لے جاتا رہے۔ ۵۰-۵۹۔ یہ نزل قافیہ مرزا جی کی (جو بقول خود مسلمانوں کے ہمدی سودیں) معارف شناسی حق پسندی اور راست گوئی کا عمدہ نمونہ ہے اور ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔

(۱) روح القدس کے ساتھ مرزا کی عداوت حد کو پہنچ گئی۔ خدا کے مقدس اور راست باز

یہ یہودہ حملہ تو درکنار یہاں تو اسنے دل کھول کالیاں دی ہیں۔ جبکے لئے کسی سند کے حوالہ کا بھی اُسکو بہانہ نہیں رہا ہے:

مرزا گالی ناظرین اس کفر کو دیکھیں "اُس کی آشنائی بعض بدکار عورتوں سے تھی" نہ یہ انجیل دیتا ہے مقدس کا کوئی اقتباس ہے نہ اسکے لئے کوئی سند قرآن و حدیث کی ہے۔ یہ گالی جو جکا جواب سوائے اسکے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ هَذَا اِفْلَکٌ مُّبِينٌ۔ اور قرآن میں لکھا ہے کہ جن لوگوں نے پاکہ امنوں اور پارساؤں پر عیب لگایا۔ لَعَنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآٰخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ۔ تو ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت پڑ چکی اور انکے لئے سخت عذاب تیار ہے۔ اور دنیا کی لعنت تو ڈنکے کی چوٹ پر ہو رہی ہے اور آواز نہ ملے تو تھارہ خدا ہے:

ایک اور بیان [۲] وہ بدکار عورتوں کی تعریف بھی کرتا ہے اور ہم کو اس کے لئے متی ۱۶ کا حوالہ دیا گیا ہے۔ وہاں لکھا ہے کہ حضرت مسیح نے یہودیوں کے سرداروں کو جو حضرت یحییٰ کے منکر ہوئے تھے تنبیہ فرمایا میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ محصور لینے والے اور کسبیاں تم سے پہلے خدا کی بادشاہت میں داخل ہوتے ہیں کیونکہ یوحنا راست بازی کی راہ سے تمہارے پاس آیا اور تم اُس پر ایمان نہ لائے۔ مگر محصور لینے والے اور کسبیوں کو ایمان ہوا۔ اور تم یہ دیکھ کر تعجب بھی نہ بچھتائے کہ اس پر ایمان لاتے اب تم ہی شرم کر کے بتاؤ کہ یہ بدکار عورتوں کی تعریف ہے یا ایماندار عورتوں کی تعریف ہے۔ جنہوں نے خدا کے پیغمبر پر ایمان لانے میں رد سا کی جو پر سبقت کی اور جو اس کے ہاتھ پر اپنی بدکاری سے توبہ کر کے جنت کی وارث ہو گئیں:

مرزا کی [۳] ناظرین کو چاہئے کہ اس واقعہ کو انجیل و قبا ب، آیت ۳۶ سے ۵۰ تک پڑھیں خباثت اور مرزا کی خباثت کو دیکھیں۔ یہودیوں کے کسی سردار نے حضرت مسیح کی دعوت کی تھی۔ ایک گنہگار عورت جو اُس شہر کی تھی یہ جانکر کہ وہ اس زلیسی کے گھر میں کھانا کھانے

بیٹھا ہے سنگِ مرمر کی ڈبیا میں عطر لائی اور اُسکے پاؤں کے پاس روتی ہوئی پیچھے کھڑی ہو کر اُسکے پاؤں اُنسوؤں سے بھگونے لگی۔ اور اپنے سر کے بالوں سے پونچھے اور اُسکے پاؤں بہت چوئے اور اُن پر عطر ڈالا۔ حضرت مسیح نے حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا اس عورت کے کُناہ جو بہت تھے معاف ہوئے اور اس عورت سے کہا تیرے گناہ معاف ہوئے..... تیرے ایمان نے تجھے اچھا کر دیا۔ سلامت چلی جا۔

ایک گنہگار عورت جو جسکو خشک زاد ہمیشہ دُرکار کرتے رہے مگر جو خود اپنے گناہوں سے نادم تھی۔

گنہگار اندیشہ ناک از خدا بہ از بار سائے عبادتِ نا

اپنے گناہوں سے سچی توبہ کر کے اور اپنی پھیلی خرابِ خستہ حالت پر روتی ہوئی نجات کی تلاش میں خدا کے رسول اور کلمہ کی زیارت کرنے کو شوق اور صدقِ دل سے حاضر ہوئی اور زنجِ محبت سے اُس کے قدموں پر گری اور عاجزی کے ساتھ اپنے تئیں ذلیل کیا اور جو پسینے گناہوں کی معافی کی خوشخبری سُن کر اور مرضِ گناہ سے شفا پائی کلی حاصل کر کے اور بہت بڑے ایمانداروں میں شمار ہو کر اپنے گھر واپس گئی۔ اس کی نسبت ایسی شہادت کے کلمات زبان سے نکالنا کہ ”اور اوتا اس عورت کو اپنے جسم سے جسم لگانے کی اجازت دی۔“ یہ صرف وہی کہہ سکتا ہے جس کے دل سے ایمان و عرفانِ ملیا میٹ ہو چکا ہو۔

یہ عورت جو کلمہ اللہ کی خدمت میں کھڑی ہے اُس وقت سے بونہ ہو چکی تھی جب اُس نے توبہ کے ساتھ آپ کی طرف رجوع کیا تھا۔ اور اخلاص اور عقیدت کے انحال جو بے اختیاری اور بخود ہی کی حالت میں اس عورت سے جس کو ابھی نئی نئی دولتِ ایمان حاصل ہو گئی تھی، ایک مجمعِ عام میں سرزد ہوئے فی الواقع ایسے نہ تھے کہ خدا کا رسول جو گناہگاروں اور بدکرداروں کو تقربِ الہی حاصل کرنے میں جہان میں آیا تھا انکے لئے اُسکو سرزنش کر کے اُسکی دشمنی روا رکھتا۔ پھر اسکا کیا ثبوت ہے کہ وہ عطر جو اسکا

کی کمائی تھی بچہ اور کب مسیح اُسکو اپنے تصرف میں لائے وہ یہ عورت کا اپنا فعل تھا کہ اُس نے آپ کے قدموں پر اس عطر کو ڈال دیا۔ ہم کو صرف یہ معلوم ہے کہ اس وقت جب یہ عورت خداوند مسیح کی خدمت میں حاضر ہوئی تھی وہ ایک ایسا انداز اور نائب عورت ہو چکی تھی لَقَدْ قَابَ تَوْبَةً لَّوْ قَسِمْتَ بَيْنَ أُمَّةٍ لَوْ سَعْتَهُمْ جَعَلْتَنِي تَوْبَةً لِّكَ تَوْبَةً كِي تَحْيَىٰ لَكَ أَلَا تَرَىٰ أَنَّ امْتِ كَ دَرِيَّةٍ تَقِيمُ كِي بَاتِي تَوْدَه تَوْبَةً سَبَّ كَو كَفَايَتِ كَرْتِي - غرضیکہ یہ جو لچر تھا عورت کا اپنا فعل تھا جس سے اُسکی بے ریاخت و ایمان کا اظہار ہوا۔ جب بڑے سے بڑے گنہگار کو بارگاہ الہی میں سائی حاصل ہے تو اگر خدا کے مسیح کی قدس موسیٰ ایک نائب عورت کو نصیب ہو گئی تو تنکو کیوں بڑا محراب ہوا اگر عورت نے مسیح کے قدم چوم لئے تو کیا جھوٹ کا اندیشہ تھا؟ کیا تم کو نہیں معلوم کہ حضرت مسیح کے جسم مقدس سے اعجازی قوت جاری رہا کرتی تھی (لوقا ۱۱) جس سے ہمارے بچا پائے تھے، چنانچہ ایک لاعلاج مریض جو اپنا سارا مال حکیموں پر خرچ کر چکی تھی صرف خداوند مسیح کی ”پوشاک کا کنارہ“ چھو کر اُسی دم ابھی ہو گئی لوقا ۱۱ میں کیا تعجب ہے کہ عورتیں اور مرد جو روحانی اور جسمانی بلاؤں میں گرفتار تھے آپ کے بابرکت اور مقدس جسم کو چھونے کے لئے قدموں پر گرتے اور اپنی مرادیں حاصل کرتے تھے۔ یہ کچھ تو آپ لوگوں نے ہمارے منہ سے سنا۔ اب اس ناپاک اعتراض کی حقیقت ہم خود مزاجی مٹی زبان مبارک سے بھی آپکو سنواؤں۔ آئینہ کمالات اسلام کے صفحہ ۵۹۷ و ۵۹۸ میں آپ نے یہ لکھا ہے ”یاد رہے کہ اکثر ایسے اسرار و حقائق بصورت اقوال یا افعال انبیاء سے ظہور میں آتے ہیں کہ جو انبیا کی نظریں سختیہ بودہ اور شرمناک کام ہے۔ اگر کوئی تکبر اور خود ستائی کی راہ سے حضرت مسیح کی نسبت یہ زبان پر لاوے کہ وہ طوائف کے گندہ مال کو اپنے کام میں لایا تو ایسے غیث کی نسبت اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ اُسکی فطرت ان پاک لوگوں کی فطرت سے متاثر ہوئی ہوئی ہے اور شیطان کی فطرت کے موافق اس پلید کا مادہ اور خمیر ہے؟ آخر کبھی تو بیچ بولو۔ بھول کر رہی +

ماں کی بے ادبی (۱۵) اپنی ماں کی اُس نے بے ادبی کی موتی پہن لیاں صرف یہ لکھا ہے کہ وہ عظمیٰ کے سلسلے میں حضرت مسیح نے فرمایا تھا ”کون سے میری ماں اور کون میں میرے بھائی۔ اور اپنا ہاتھ اپنے شاگردوں کی طرف بڑھا کر کہا دیکھو میرے بھائی یہ ہیں کیونکہ جو کوئی میرے آسمانی باپ کی مرضی پر چلتا ہے وہی میرا بھائی اور بہن اور ماں ہے یعنی بچے نانہ دار یا نانہار لوگ ہیں۔ بھلا اسکو ماں کی بے ادبی سے کیا علاقہ؟

مزاسوروں (۱۶) ”ایک بگینا شخص کے جس نے اُسے کچھ نقصان نہ پہنچایا تھا قریباً دو کے حامی ہزار سوروں کے گلہ کو تلف کر دیا“ مرقس ۱۰ یعنی حضرت مسیح نے دو ہزار سوروں کو تلف کر دیا ناظرین ذرا اس کا بھی لحاظ فرمادیں کہ مرزا اس سوز والے کو ”بگینا“ کہنے پر تو اس قدر مبصر ہے اور روح اللہ کو گتہ گار کہنے کے خیال سے نہیں ڈرتا؟

مسیح کا بیچہ (۱۷) اسکا اصل وقتہ یہ ہے کہ ایک بہت بڑا دیوانہ تھا جس میں تاپاک روح تھی جو قبروں میں رہا کرتا تھا اور کوئی اُسے قابو میں نہ لاسکتا تھا وہ ہمیشہ رات دن قبروں اور پہاڑوں میں چلتا اور اپنے تئیں پتھروں سے زخمی کرتا تھا اور یہ بھی لکھا ہے کہ اُس نے بڑی مدت سے کپڑے نہ پہنے تھے تو قابو اور ایسا خطرناک اور تند مزاج تھا کہ کوئی اُس راستے سے گزر نہیں سکتا تھا مستی میں ایسے خطرناک دیوانہ کو بھونکا اور زار پھرتا تھا جس سے خلق خدا کی عافیت تنگ تھی جس نے راہیں بند کر رکھی تھیں حضرت مسیح نے چنگا کر دیا۔ جب آپ نے اس دیوانہ سے حکم کیا ”اے تاپاک روح اس آدمی میں سے نکل جا“ اور اُس وقت وہاں پہاڑ پر سوروں کا ایک بڑا غول چراتا تھا تو اُس تاپاک روح نے اس آدمی میں سے نکلنے کی یہ شرط کی کہ ہم کو ان سوروں میں بھیج تاکہ ہم اُنکے اندر جا سکیں۔ پس اُس نے انہیں اجازت دی اور تاپاک روح میں نکل کر سوروں کے اندر گئیں اور وہ غول جو قریب دو ہزار کے تھا کڑلے پر سے چھپٹ کر جھیل میں جا پڑا اور جھیل میں ڈوب مرا؟

مسیح نے صرف بدروحوں کو ایک آدمی میں سے نکالا تھا اور چونکہ یہ بدروحوں کے بغیر اسکے نہیں نکل سکتی تھیں کہ وہ کسی دوسرے پر قبضہ کریں اسلئے انکو اجازت دی کہ انسانوں کو چھوڑ کر سٹوروں میں داخل ہوں۔ اس سے زیادہ کی اجازت مسیح کی طرف سے انکو نہ تھی۔

اب اگر ان بدروحوں نے اپنی شیطنت سے ان سٹوروں کو ملاک کیا یا سٹور خود بھڑک کر دریا میں جاگے تو فیصل مسیح کا نہیں تھا۔ اور یہ کہنا زاجھوٹ ہے کہ مسیح نے ”سٹوروں کے گلہ کو تلف کروا دیا“

انسان کا اگر ہم پوچھتے ہیں کہ اگر ایک انسان کی جان بچنے کے لئے یہی ضروری تھا کہ وہ ہزار صدقہ جیلن سٹور تلف ہو جائیں (معلوم ہوتا ہے کہ تمام شہر کے سٹور ایک ہی گلی میں چر رہے تھے اور متفرق ٹانگوں کے تھے) تو بھی اس میں کیا قیامت تھی جبکہ ایک ایسا دیوانہ اچھا ہونے والا تھا جو تمام شہر کے لئے عذاب بنا ہوا تھا؟ اسے مرزا تم کیسے مسخ ہو گئے کہ سٹوروں کے ساتھ تمہاری ہمدردی ایسی بڑھی اور انسان کی جان پر تم کو ترس نہیں؟ ضرور تم کو مسیح کے ساتھ عداوت ہونا چاہئے۔ بھلا کچھ تو مجنسون کے ساتھ مروت دکھلاؤ؟

اگر کسی محلہ میں آگ لگے اور سارا شہر خطرے میں پڑ جائے اور چند آدمی ملکر اہل محلہ کے پانی کے گھر سے بلا اجازت مالک کے لیکر آگ پر انڈیلنا شروع کریں اور پڑوس کے چند مکانوں کے چھپر و فیرو بھی گرا دیں اور اس طرح آگ فرو کریں۔ تو شاید کوئی مرزا ہی سے دل دماغ کا مسترض اُن نیک نیت اشخاص کو الزام دیکھا کہ انہوں نے پرایا پانی صرف کر ڈالا یا لوگوں کا نقصان کیا؟

بس ثابت ہو گیا کہ مسیح نے کسی کو نقصان پہنچایا اور نہ سٹوروں کو تلف کیا۔ انہوں نے صرف ایک بے قابو دیوانہ کو چٹکار کے اہل شہر کے لئے اُسکو خدا کی رحمت بنا دیا۔ اور اگر کسی کو مالی نقصان پہنچایا کوئی حیوان ہلاک ہوا تو اس فعل کے بانی شیاطین تھے مسیح نے صرف اسی قدر کیا کہ خدا کے ایک بندہ پر سے بدروحوں کو ہٹا دیا اور انکی راہ انسانوں پر بند کر دی اور بس۔ اور اس فعل کو یا تو وہی شیاطین بُرا سمجھیں گے جو نکالے گئے یا وہ لوگ جنکے درمیان انہوں نے خود و باطن اختیار کر لی ہو۔

قتل خنزیر اگر تم جاؤ ہم نے فرض کر لیا کہ حضرت مسیح نے ان ۲ ہزار سوڑوں میں سے ایک ایک کو اپنے ہاتھ سے ہلاک کر ڈالا تو آپ اعتراض کرنے والے کون؟ حدیث شریف میں لکھا ہے کہ حضرت مسیح اپنے نزول ثانی میں یقیناً الخنزیر تمام جہان کے سوڑوں کو قتل کر ڈالیں گے تو اُس وقت آپ ان سوڑوں اور اُن کے بیگناہ مالکوں کی وکالت کہاں کہاں کرتے پھر شنگے ہوں؟ قتل نہ فعلی معنی میں ضرور ہونا ہے اگر اسکا کوئی جزو نزول اول میں حضرت مسیح نے پورا کر دیا تو آپ کس شے سے استراحت کر سکتے ہیں؟

ہمویاں ایک بات اور یاد آئی۔ اس حدیث کو آپ اپنے اخبار المکرم کی پیشانی پر لکھتے ہیں اور اُس کے خود مصداق بنتے ہیں۔ تو چاہئے کہ تم کہتے ہو کہ چند سوڑوں کو تو آپ نے بھی قتل کیا ہو۔ اور چونکہ آپ عیسائیوں کے ساتھ اپنی نفرت و بیزاری ظاہر کرنے کے لئے مُتب پرندوں سے زیادہ کبوتر کا کھانا پسند کرتے ہیں کیونکہ وہ (بر غم جناب) عیسائیوں مرزا ابوبکر کا خدا ہے..... اُسکی نرم نرم ٹہریں دانتوں کے نیچے چباتے ہیں صحت یہ ہے تو چھ بچ نہیں کہ ہندوؤں کے ساتھ بھی آپ اپنی نفرت و بیزاری کا ثبوت دیں کیونکہ وہ لوگ بارہا یعنی سوڑ کے اوتار کے قائل ہیں اور یوں آپ کے ایک ہتھ دھکچ ہو جائیں۔ شاگردوں کا بایں کھانا؟ آپ نے شاگردوں کو بغیر رضامندی مالک کے ایسی چیز کھانے کی اجازت دی جو شرعاً ناجائز تھی وہ کیا چیز تھی جو شرعاً ناجائز تھی؟ لکھا ہے "سیبوع

سلہ آپ کی یرکت بھی قابل نفوس ہے۔ کچھ بھی پاس آپ نے اس کبوتر کا نہ کیا جس نے غار ثور میں رسول عربی کی حمایت کی جس نے حضرت یحییٰ کو بشارت دی۔ جس نے سفوف کعبہ کو اپنا آسٹینہ بنایا۔ آپ کو اپنے عمامۃ البشریٰ کا بھی کچھ خیال نہ ہوا۔ ٹہریں چبانے لگے۔ اور شاید اسی کا نتیجہ ہے کہ مرزا صاحب نے خواب دیکھا جواب راہ تبرک نہ میں چھپا۔ میں نے دیکھا ایک تہی ہے اور گویا ایک کبوتر چارہ سے پاس میں ہے وہ اس پر چڑھ کر تہی ہے بارہا نہانے سے باز نہیں آتی تو آخر میں نے اسکا ناک کاٹ ڈالا پھر میں نے زانی تو آخر میں نے کہا "اؤسے وہاں سے دیریں"۔ دیکھو کبوتر کی ٹہریں چھانے والی نکستی کو سپاہی دے دی گئی۔

سبت کے دن کھیتوں میں ہو کر گیا اور اُس کے شاگردوں کو بھوکہ لگی اور نہیں توڑ توڑ کر کھانے لگے اُنہوں نے کھیت میں اناج کی بالیں کھائیں اور اسی کو مرزا شرعاً جائز کہنا ہے۔ ہم کسی حامل متعصب دشمن راستی کو کیونکر سمجھائیں۔ شاگردوں کا فعل بالکل شرعاً جائز تھا جس کے لئے مالک کی شرعی رضامندی بھی موجود تھی۔ تورات کی کتاب استثنا باب ۱۳ آیت ۲۱-۲۵ میں حکم ہے ”جب تو اپنے ہمسائے کے تاکستان میں داخل ہو تو تو جتنے انگور چاہے اپنی خوشی سے کھا لیکن اپنے برتن میں نہ رکھ۔ جب تو اپنے ہمسائے کے کھیت میں داخل ہو تو تو اپنے ہاتھ سے بالیں توڑے۔ پر اپنے بھائی کا کھیت ہنسیہ سے رت کاٹ نہ ہو۔ ہر راگیر کو اذن عام تھا کہ چلتا ہوا انگورستان سے انگور کھائے اور کھیت سے بالیں کھائے جس کے لئے جہاں سے پس شاگرد اسی شرعی اجازت کے موافق بالیں توڑ توڑ کھانے لگے۔ گواس قسم کا رواج تو ہر ملک میں ہے مگر یہودیوں میں یہ رواج شرعی تھا۔ یہ اعتراض قلیویاں کے سینے کے البام اور عرفان اور علومات پر شاید ناطق ہے۔“

لَعْنُ الْذِّينَ كَفَرُوا (۱۰) اُن نے یہودیوں کے بزرگوں کو سخت گالیاں دیں اور بہت تائید سبب کئے اُن کی عزت پر کئے۔ اُسے یہودیوں کی عزت کے حامی! قرآن بتاتا ہے کہ لَعْنُ الْذِّينَ كَفَرُوا وَهِيَ ابْنِ اسْرَائِيْلَ عَلٰی لِسَانِ دَاوُدَ وَعِيسٰی (زائد) کہ نبی سرور میں جنہوں نے کفر کیا تھا اور اصل وہ لعنت کے مستحق تھے اُن پر زیادتی کچھ نہیں کی گئی اور حضرت عیسیٰ نے اُن کے کفر کو دریافت کر لیا تھا۔ فلما احس عیسیٰ منهم الکفر اور ان کافروں کو خدائی غضب سے ڈرایا۔ گالیاں نہیں دیں۔ اور خود تم نے بھی تسلیم کر لیا ہے کہ ”ہم جانتے ہیں کہ مسیح کے سخت الفاظ بھی یہود ہنسی میں بلکہ اپنے عمل چرپاں ہونگے اور رخصت گایوں کے رنگ میں ہرگز نہیں ہونگے۔ مگر دشمن جس کی نیت صاف نہیں ہم اُس کو کیونکر سمجھا سکتے ہیں کہ وہ عمل و موقع کے الفاظ ہیں نہ گالیاں“ جلد ۲ ص ۲۷۲ یہ بھی کہ چکے کہ حضرت مسیح کے منہ سے الفاظ نکلے جسے جوش اور جنونا نہ طیش سے نہیں نکلتے تھے بلکہ نہایت

آرام اور ٹھنڈے دل سے اپنے محل پر یہ الفاظ چپاں کئے جاتے تھے "ضرورت امامت،
 صواب دروغ اور حافظہ ناپائیدار۔ اسی کو کہتے ہیں ایسے شخص کی تردید کرتے ہوئے افسوس
 آتا ہے۔"

مرزا کی (۱۸) اُس نے تمام انبیاء اور اولیاء کو جو اس سے پیشتر گزر چکے تھے چور اور بھارکھا یوحنا
 غلط فہمی یا بیسیخ خداوند کا قول ہے "جو کوئی دروازہ سے بھڑ خانہ میں داخل نہیں ہوتا بلکہ
 اور کسی طرف سے چڑھ جاتا ہے وہ چور اور ڈاکو ہے" یوحنا نے "بھڑ خانہ سے پہلے آئے سب
 چور اور ڈاکو ہیں مگر بھڑوں نے انہی نہیں سنی" یہ جن لوگوں کو بیسیخ نے چور اور ڈاکو فرمایا انکے
 دو نشان بتلائے۔ ایک یہ کہ وہ دروازے سے بھڑ خانہ میں داخل نہیں ہوئے۔ دوسرے
 یہ کہ بھڑوں نے انہی نہیں سنی۔ پس ایسے لوگوں سے مراد "انبیاء اولیاء" سمجھنا یہ صرف مرزا کی
 خوش فہمی ہے جبکہ بطلان کی چنداں ضرورت نہیں بیسیخ نے چھوٹے نبیوں اور رفقاء مروجہ
 کو جنہوں نے جھوٹ بنی اسرائیل کا جردا ہا ہونے کا دعوے کیا چور اور بھارکھا وہ اس قسم کے
 لوگ تھے جنکی نسبت حضرت یرمیاہ نبی نے فرمایا "ان چرواہوں پر داویلا جو میری چراگاہ کی بھڑوں
 کو ہلاک و پریشان کرتے ہیں" ۳۳۔ "میرے لوگ بھڑوں کی مانند ہوئے ان کے
 چرواہوں نے انکو گمراہ کر دیا" ۳۴۔

نبیوں اور رسولوں کی جو بیسیخ سے پہلے گزرے انکی تصدیق تو خود مسیح نے فرمائی
 آپ نے یہود کو سب زلزلہ کی "خدا کی حکمت نے کہا کہ میں نبیوں اور رسولوں کو اُنکے پاس بھیجی
 وہ ان میں سے بعض کو قتل کر گئے اور بعض کو ستا دیئے" لوقا ۱۱ اور ۱۲ اور زور سے فرمایا
 "اے یرشلیم اے یرشلیم جو نبیوں کو قتل کرتا ہے جو تیرے پاس بھیجے گئے انہیں سنگسار کرتا
 ہے" متی ۲۳۔ آپ نے موسیٰ کی گدی کو قابلِ تعظیم ٹھہرایا اور فرمایا "فقیر اور فریسی موسیٰ
 کی گدی پر بیٹھے ہیں جو کچھ وہ نہیں بتائیں وہ سب عمل میں لاؤ" متی ۲۳۔ اور "نوریت اور
 نبیوں کی کتابوں کو" آپ نے تسلیم کیا متی ۲۳۔ اور اپنے شاگردوں کو موسیٰ اور سب نبیوں سے

شرع کر کے سب معیخوں میں جتنی باتیں اُس کے حق میں لکھی ہوئی ہیں وہ اُنکو سمجھا دیں
 ۲۵-۲۶ پس کتبائز جو مٹے ہوئے یہ کہنا کہ مسیح نے تمام انبیاء اور اولیاء کو جو اُس سے پیشتر
 گذرے جو رہے اور شمار کیا کیا آپ قرآن کا وہ اصول تفسیر بالکل بھول گئے جو ہم کو سکھایا تھا؟
 مسیح کی دعا (۹) اُس نے خدا کی مرضی کے خلاف دعا مانگی۔ مسیح کی دعا یہ ہے ”اے میرے
 باپ اگر ہو سکے تو یہ سیالہ مجھ سے الگ جائے تاہم میری نہیں بلکہ تیری مرضی پوری ہو“ پھر دوبارہ
 اُس نے جا کر یہ دعا مانگی۔ اے میرے باپ اگر میرے پیشے بغیر نہیں مل سکتا تو تیری مرضی
 پوری ہو۔ اور وہی بات پھر کیکر تیسری بار دعا مانگی ”ستی ۲۹-۳۰ اور اسی کو مرزا کہتا ہے
 کہ ”خدا کی مرضی کے خلاف دعا مانگی“ اسکو نہ دعا کی ماہیت سے خبر ہے نہ یہ جانتا ہے کہ خدا
 کی مرضی کیا ہے۔ اس پر ہم آگے چلکر مفصل بحث کریں گے۔

۳۱-۳۲ اُس نے جو رہے وعدہ خلائی کی ”توقا ۳۱ میں لکھا ہے کہ مسیح نے جو رہے
 جو اُس پر ایمان لایا فرمایا ”آج تو میرے ساتھ بہشت میں ہوگا“ پس جو لوگ مسیح کے قول کو
 حق سمجھتے ہیں اور جنکی تشریف میں یومینون بالغیب آیا ہے اُنکو تو پورا یقین ہے کہ بلا
 شک وہ جو اُسی روز بہشت میں داخل ہو گیا۔

مرزا کہتا ہے کہ وہ خود تین دن دوزخ میں رہا۔ اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں
 لَعَنَتَ اللّٰہُ عَلٰی الْکَاذِبِیْنَ +

مسیح عالم ارواح میں خداوند مسیح کے بہشت میں اور عالم ارواح میں جانے کا زمانہ وہ ہے جو
 ابن مصلوبیت و قیامت کے واقع ہوا۔ اور دوبارہ زندہ ہو جانے کے بعد آپ چالیس
 دن تک زمین پر اپنے شاگردوں کے ساتھ رہے وہ دوسرا زمانہ ہے۔ اور آپ کا یہ قول
 ”میں نہ زندہ اپنے باپ کے پاس نہیں گیا دیوتا ہوں“ آپ کے رفع جسمانی کی طرف اشارہ کرتا
 ہے جب آپ اسی جسم کے ساتھ دوبارہ زندہ ہو کر آسمان پر صعود فرما گئے۔ نہ اُس رفع روحانی
 کی طرف جب جس روح کے ساتھ بلا جسم آپ بہشت بریں پر تشریف لے گئے۔ اس زمانہ

میں آپ کا جسد مبارک لمحہ میں استراحت فرماتا تھا۔ اس اعتراض میں مرزا جی نے اُس دوسرے چور کا ساتھ دیا ہے جو آخر دم تک حضرت مسیح سے منکر رہا۔

پہنچے۔ مرزا نے اپنے اوپر صرف یہی ظلم نہیں کیا کہ حضرت مسیح کی مقدس زندگی کے اوپر انجیل کے بگاڑ کی بنیاد پر ایسے غوا و بیہودہ اعتراض کئے جنکو کوئی صداقت پسند شخص چاہے کسی مذہب و ملت کا ہو ایک دم کو جاؤ نہیں رکھ سکتا۔ بلکہ اُس نے انجیل نویسوں کے سلوک پر بھی بمصدق الموعود یقین علیٰ انفسہم اپنی بدگمانی کو جو لانی دی ہے۔

مسیح کی طفلی [دکھتا ہے کہ] انجیل نویسوں نے دیدہ و دانستہ اپنے پیش کردہ یسوع کے بچپن کا مبارک عہد کے حالات کو اشارۃً بیان کرنے سے بھی پہلو تھکی کا سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی جوانی کے ایام پر اراداً پورہ ڈالا گیا تھا۔ اس پہلی تیس سالہ زندگی کو بیان کرنے سے کنارہ کشی کی ہے۔ اگر اس زمانے کی نسبت جہاں انجیل نویسوں نے خاموشی اختیار کی ہے دوسرے ذرائع سے پتہ لگایا جائے اور مخالفین کے بیان کو صحیح تسلیم کیا جائے تو اس میں شک نہیں کہ اسکی سوانح میں اعلیٰ درجہ کی پاکیزگی کا نمونہ نہیں ملتا۔ بلکہ مخالفین کے بیان سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس وقت عیوب سے خالی نہ تھا۔ مثلاً یہودی کہتے ہیں کہ ایک دفعہ وہ ایک یہودی لڑکی پر عاشق ہو گیا اس وجہ سے اُسکے استاد نے ناراض ہو کر اُسے خالق کر دیا۔ [ص ۵۰-۵۱]

انجیل نویسوں نے پیشتر وہی حالات تلمذ کر دیئے ہیں جو حواریوں کی آنکھوں کے سامنے اُس زمانے کے بعد وقوع میں آئے جب وہ حضرت مسیح پر ایمان لایا۔ جتنے تھے۔ یعنی بعد اُسکے کہ حضرت مسیح تیس برس کی عمر میں نبی اسرائیل پر ظاہر ہوئے۔ مگر یہ سراسر جھوٹ ہے کہ انہوں نے یسوع کے بچپن کے حالات کو اشارۃً بیان کرنے سے بھی پہلو تھکی کی ہے۔ لہذا انہوں نے بچپن کے حالات کی تفصیل تو نہیں بیان کی اور یہ اُن کے مقصود کے بھی خلاف تھا۔ مگر انہوں نے ایمانداروں کی تسکین و معرفت کے لئے کافی و دانی بیان کر دیا ہے۔ آپ کی والدہ صدیقہ

آپ کو گودیں لے کر مقدس جیکل میں لائیں اور وہاں جلد شرعی رسوم ادا ہوئیں۔ اسکے بعد لکھا ہے جب وہ خداوند کی شریعت کے موافق سب کچھ کر چکے تو گلیل میں اپنے شہر ناصرت کو آئے اور وہ لڑکا (یسوع) بڑھتا گیا اور قوت اور حکمت سے معمور ہوتا گیا اور خدا کا فضل اُس پر تھا تو قاپا ۱۰۔ دیکھئے یہ لب لباب آپ کی بچپن کی مقدس زندگی کا انجیل نویسوں نے بیان کیا۔ الہی حکمت سے معمور ہونا اور خدا کے فضل میں ترقی کرنا حکمت سے معمور ہونے کی طرف قرآن میں بھی اشارہ دیا ہے اِنَّا عَلَّمْنَاهُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (مائدہ ۱۰) اور فضل خدایر بھی آیہ نعمتی علیہ السلام ہے جب حضرت مسیح بارہ برس کے ہوئے تو اس الہی حکمت کا فضل و طہوریوں دیکھا کہ لوگوں نے آپ کو جیکل میں استادوں کی بیچ میں بیٹھے انہی سنتے اور ان سے سوال کرتے سوئے پایا اور جتنے اس کی سن رہے تھے اس کی سمجھ اور اُس کے جوابوں سے دنگ ہونے لگتے تو قاپا ۱۱۔ یہ ہم اس عمر کو دیکھئے اور آپ کا خدا کے گھر میں خدا کی شہادت پر شہنشاہ کے علمائے سوال و جواب کرنا دیکھئے۔ اور دیکھئے والوں کی حیرت ملاحظہ فرمائیے۔ اسی کی تائید میں قرآن میں وارد ہوا ہے لِيُعَلِّمَهُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْحِيدَ وَالْاِنْجِيلَ ۝

مسیح کا عہد شباب [اس بارہ برس سے تیس برس تک کی زندگی کا خلاصہ انجیل نویس یونان کرتے ہیں] یسوع دانی اور قہر و قیامت میں اور خدا اور انسان کی مقبولیت میں ترقی کرتا گیا تو قاپا ۱۲۔ یہ وہ جو سعید نے سفینہ سے مردانیوں کی ہورد و غلوئی کی بابت کہا تھا کذب است امثاک یعنی نہ رہا یعنی جھوٹ بولتی ہیں وہیں انہی۔ وہی ہم قادیانی کو اس جھوٹ کی نسبت بھی کہتے ہیں کہ ”اُس کی جوانی کے ایام پر اراۃ پروردہ ڈال گیا“ نہیں بلکہ پروردہ اٹھا دیا گیا اور مسیح کی مبارک زندگی کی جھلک اہل ایمان کو دکھلائی گئی کہ کس طرح ”جوانی کے ایام میں آپ خدا اور انسان کی مقبولیت میں ترقی کر رہے تھے اور اس سے زیادہ پاک زندگی تقویٰ میں نہیں آسکتی ۝

مرزا کہتا ہے ”اگر اُس زمانہ کی نسبت جہاں انجیل نویسوں نے خاموشی اختیار کی ہے
 دوسرے ذرائع سے پتہ لگایا جاوے“ خاموشی کی نوعیت تو ہم نے دکھا دی کہ کس طرح وہ
 آپ کی عصمت پر باطل ہے۔ رہے ”دوسرے ذرائع“ ہم انکے مخالف نہیں۔ مسلمانوں کے
 عن الصادقین ائمے دوسرے ذرائع میں سب سے معتبر ذراچہ قرآن شریف ہے اور
 اس میں حضرت مسیح کی مبارک زندگی کا خلاصہ یہ بیان ہوا وجہ ما فی الدنیا۔ جیڑی
 الصادقین (آل عمران) جَعَلَنِي مُبَارَكًا مِّنْ أَمْنٍ صَالِكْتِ۔ وَلَئِنْ عَلِمْتُمُ آيَةَ النَّاسِ
 دُرِّ جَسْتٍ صَا (مریم) پس جب ہر وقت اور ہر جگہ آپ کا وجود برکت والا قرار دیا گیا اور آپ
 ہمیشہ صلح رہے تو یحییٰ اور جوانی کی نسبت بدگمانی کی گنجائش کہاں باقی رہی ہوگا انہوں
 مرزا کے ”دوسرے ذرائع“ تو وہی مرثد و اور ملعون یہودی ذرائع ہیں جنکے حوالہ دینے سے
 یہودی بھی شرماتے ہیں۔ اور وہ بہتان عظیم کسی کسی ہم عصر یہودی کی بھی مذہبان سے نہیں
 نکلا کہ کسی بہتر یہودی تاریخ میں درج نہ ہے۔ ہاں صدیوں بعد جب یہودیوں اور عیسائیوں
 کے درمیان عداوت کا بازار گرم ہوا تو عیسائیوں کو رنج دینے کی غرض سے کسی ناپاک طینت
 یہودی منافق نے جس سے آپ کو موافقت ہے یہ لکھ کر اپنی عاقبت خراب کی۔ اور اس کا کفر
 اُسی قسم کا ہے جیسا یہود کے اور ان شرار نے مقدسہ مریم کی شان میں لکھا اور جسکے لئے قرآن
 نے انکو ملعون ٹھہرایا۔ اور بڑا تماشہ یہ ہے کہ مرزا خود بھی ایک جگہ ایسے الزام کو ”یہودیوں“
 کی شرارت اور فحاشی پر مبنی بتلا کر دھو بیٹا مان چکا ہے کہ وہ لوگ اپنی جہلی شرارتوں سے
 حضرت مسیح اور انجیل والہہ صدیقہ کے چال چلن پر ناجائز حملہ کیا کرتے ہیں ”صحت“ اور کچھ
 بھی یہاں اُسکو ان یہودیوں کے اس کفر پر کتنا بڑا وثوق ہے کہ بار بار اسکا حوالہ دیتا ہے
 اور تاکید کرتا ہے کہ ”یہ وہ روایت ہے جو یہودی پیش کرتے ہیں“ ”صحت“ اور آپ یہودیوں کے
 اس اُٹس کو گوش جان فرمائیے اور اپنا کہا ہوا بھول جائیے کہ انہی بہتانوں کی وجہ سے ہر
 پرکھکار پڑی ”صحت“ اور مرزا نے کہا ہے کہ ”اگر مخالفین کے بیان کو صحیح تسلیم کیا جائے“

ہم کہتے ہیں تو اُس وقت قرآن کے بیان کو لغو ماننا پڑیگا کیونکہ کسی یہودی رو کی یہ مانتی ہو
 جانا اور اُسٹا وکانا راض ہو کر عاق کر دینا ایدنا ہ بروح القدس صامرا سکا این
 ما کنست اور وجیہا فی اُندینا اور رحمتہ مِنّا اور مِنَ الصّالحین کی تفسیر نہیں
 ہو سکتا۔ بھلا ہم پر قادیان کو کیا جواب دیں جو نہ قرآن سے راضی نہ انجیل سے راضی اور
 نہ حدیث سے راضی اور جو صرف یہودیوں کو اپنا پیرو مرشد بنائے ہوئے ہے جن کی
 شان میں قرآن نے پکار کر کہہ دیا بَلٰی طَبَعَ اللّٰہُ عَلَیْہَا بَلْکُفْرُہُمْ فَلَا یُؤْمِنُوْنَ۔ مہر
 لگا دی اللہ نے اُنکے دل پر انکے کفر کے باعث پس وہ ایمان نہیں لاتے۔ اب ہم یہ مضمون
 عصمت مسیح کا ختم کرتے ہیں :

مسیح کی موت و بعثت کا اثبات

اور مرزائے قادیانی کے اوہام کا ابطال
مسیح کتاب مقدس کے موافق ہمارے گناہوں کی خاطر مرے اور دفن ہوئے اور
تیسرے دن جی اُٹھے (۱۔ قورنٹی ۱۵)

ہمارے خداوند مسیح کی صلیبی موت ایک ایسا واقعہ ہے کہ اس سے نہ تو کبھی دوستوں
نے انکار کیا نہ دشمنوں نے۔ دوست تو انکار کر نہیں سکتے۔ کیونکہ وہ اپنے خداوند کے احوال
مسیح کی موت پر ان کو زلزلہ کر دیں جس نے اپنی جان بھی اُس کے لئے قربان کر دی۔ ہمارے گناہوں
اہل جہان کا اتفاق اکی خاطر وہ گھائل کیا گیا اور ہماری ہی بدکاریوں کے لئے چلا گیا۔ اور دشمن
بھی کیوں انکار کرنے لگے؟ خداوند کی موت تو انکی عداوت و خبیثت کی سراج تھی جس میں جہان
کے نور پر گویا ایک دم کے لئے تاریکی کی قوتوں کو فتح نصیب ہو گئی۔ پس دوست تو شکر کے
ساتھ اور دشمن فخر کے ساتھ دنیا کی تاریخ کے اس عظیم ترین سانچہ پر ہمیشہ گواہی دیتے رہے۔
نادان دوستوں یاں نادان دوستوں میں بعض گزرے جنکو پطرس کی طرح یہ خیال گوارا نہ
کا خیال ہو سکا کہ کوئی معصوم مقبول بارگاہ دشمنوں کے ہاتھ میں پڑ کر ایسی دردناک
موت سے مرے۔ اور اُس کو نبی کی عظمت اور خدا کے انصاف و رحمت کے خلاف سمجھ کر
واقعہ صلیب کے حقیقی ماننے میں اُنہوں نے تامل کیا۔ مگر وہ بھی کبھی اس امر سے انکار نہ کر
سکے کہ جو شخص صلیب دیالیا اور صلیب پر مرادہ صورت اور شکل میں بالکل مسیح کا منشی تھا۔
اور تمام لوگوں نے اُس کو مسیح ہی سمجھا۔ اُنکی محبت نے اور دلوں کی آرزو نے صرف یہ وہم
پیدا کر لیا جسکا خارجی ثبوت ممکن نہیں کہ کسی نامعلوم اور معجزانہ طریق سے خدا نے اصل مسیح

کو ہر ایک جسمانی درد و کھ اور تکلیف سے بالکل محفوظ رکھا اور دشمنوں کے ہاتھ سے بچا کر آسمان پر اٹھالیا۔ اور اُسکی جگہ ایک نفی مسیح کو صلیب دے دی ہو گئی۔ ہمارے مسلمان بھائیوں کا یہی خیال ہے آج تک اُنکے علماء لاکھ شہید لہم کی تفسیر میں بیان کرتے چلے آئے ہیں مگر جب یہ بلا عذر تسلیم کر لیا جاتا ہے کہ اکثر انبیاء جھٹلائے گئے۔ اور یسوع خدا کی راہ میں شہید ہوئے اور دشمنوں کے ہاتھ سے مارے گئے۔ یقتلون البتین بخیر الحق تو پھر جسمانی ابتلا و درد تکلیف موت و شہادت فی سبیل اللہ مسیح کے حق میں کیونکر ذلت کا باعث متصور ہو سکتی ہے۔ بلکہ یہ تو ایک خاص الخاص پہلو آپ کی رفعت و عظمت کا عیسائی جو خداوند کی شہادت و موت کے قائل ہیں وہ آپ کی ظفر منہ قیامت کے بھی قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ بعد موت تیسرے دن خدا نے آپ کو قبر سے زندہ کر کے ایک جلالی جسم میں اُٹھایا اور گور اور موت پر فتح بخشی اور آسمان پر معہ جسم مرفوع کیا اور یہ سب بڑا معجزہ تھا۔ بلکہ قرآن میں جو لکھا ہے **وَإِنَّ لَآئِلَہٗا لَلسَّاعَةِ (ذوق خ)** یعنی عیسائی قیامت کا علم ہے۔ اس کے سننے ہی سمجھتے ہیں کہ آپ کی ذات سے علم حاصل ہوتا ہے کہ قیامت کیا چیز ہے۔ کیونکہ جسم قبر سے دوبارہ زندہ ہو کر ہمیشہ کے لئے غیر فانی اور جنت میں داخل ہونے کے قابل ہو جاتا ہے۔ مگر محمد بن منکر بن معجزہ جو اسکو نہیں مانتے وہ ہمیشہ آپ کی موت کے قائل رہے اور قیامت و لہنت کے منکر۔

نادان دشمنوں ان منکرین کے گروہ میں اکاؤ کا ایسے خام خیال بھی گزرے ہیں جنکو وقت کا خیال نظر حاصل نہ تھی اور اسی لئے اُنکے خیالات اُنکے گروہ میں بھی نامقبول رہے جنہوں نے مسیح کا اپنے شاگردوں کو بعد صلیب و دفن نظر آنا ایک واقعہ مسلمہ مان لیا مگر معجزے کو باطل کرنے کی غرض سے جیکے وہ منکر ہیں یہ وہم ایجاد کیا کہ مسیح صلیب پر رہے ہی نہ تھے صرف عیش کھا گئے تھے جسکو لوگ موت سمجھتے اور پھر ہوش میں آکر اور کچھ دنوں زیر علاج رہ کر اچھے ہو گئے اور اسی کو شاگردوں نے دوبارہ زندہ ہو جانا مشہور کر دیا۔ یہ

خیال ایسا فاسد بلکہ بودا تھا کہ منکرین کی نگاہ میں بھی نہ چلا اور اسکو اسٹر اس جیسے سر آمدہ ملاحدہ یورپ نے رد کر کے سمجھا دیا کہ مطلق قابل التفات نہیں :

قاعدہ معلومات مگر ہمارے مرزا جی جو ملحدوں اور وہیلوں کے عیسویت کی مخالفت میں کلمہ قادیانی لیس ہیں اور انکے رد کئے ہوئے فضلہ کو مشر مادر کی طرح مضم کرنے میں مشاق ہو گئے اس مؤرد دولا وارث خیال کو انکی کتابوں سے سر قد کر کے بڑے طعرات کے ساتھ اپنے پٹھوں کے ذہن نشین کر رہے ہیں اور اسکو ایک عظیم الشان مضمون ”صوۃ اور“ اس زمانہ کی اعلیٰ درجہ کی تحقیقات ”ص ۳۳۲“ کا نام دے کر گویا فراتے ہیں کہ اس خیال اگرچہ گندہ مگر ایجاد بندہ۔ اور حق یہ ہے کہ یہودی اور صاقت میں بھی مرزا جی کو جدت نصیب نہ ہوئی اگر آپ کبھی کسی دہریہ یا ملحد کے یہاں منڈے بھی تو دہ بھی کوئی شامت کا مارا گھٹیا کابل کا گدھا نکلا۔ پس مسیح کی صلیب موت سے انکار کرنے میں تو آپ نے الحاد کے کچھ ملازوں کی تقلید کی اور مسیح کے ملک شام سے ہندوستان میں سفر کرنے کے خیال میں آپ نو ٹوش ردی شیا کے مرید ہوئے جس نے تھوڑے دن ہوئے واقعی کچھ جدت اور نہر مندی کے ساتھ تم کو مسیح کی نئی سوانح عمری کا دلچسپ ناول صحیح تاریخ کے نام سے سنایا تھا۔ مگر اسکا نیز افسانہ ہونا ثابت ہو گیا اور یورپ سے جب یہ دونوں خیال بالکل مردود ہو چکے تو مرزا جی نے انکو اپنی اندھیر گری میں جہاں کے آپ بوجھ بوجھ کر ہیں رائج کرنا چاہا : یہاں قابل غور یہ امر ہے کہ نہ تو مرزا کو نادان دوستوں کا یہ خیال چھپتا ہے کہ خدا نے مسیح کو ہر طرح کے دکھ درد و سوائی سے بچا لیا کیونکہ یہ قبلی محبت پر مبنی تھا۔ نہ اسکو غمیدہ دوستوں کا خیال چھپا کہ مسیح خدا کی راہ میں ہر طرح کے مصائب سہکر شہید ہوئے اور سب سے اعلیٰ ثواب کو فائز ہوئے کیونکہ یہ واقعات پر مبنی تھا۔ نہ اسکو داناو دشمنوں کا خیال چھپا کہ مسیح کی موت تو یقینی تھی مگر انکا دوبارہ لوٹ کر آنا شانہ دون کا دہم و خواب تھا کیونکہ اس نے لئے بھی فہم و فراست و کارستی۔ اُس کو چھپا تو نادان دشمنوں کا خیال چھپا کیونکہ اُس میں

نہ چھپا نہ البتہ ۱۹ برس میں آپ کی کچھ مضمون کا ترجمہ زبان گسر صلیب دج کیا گیا جس میں اقم نمونوات اور خدا کے زندہ

قرآن کا یہ سخن پورا ہوتا ہے جَعَلْنَا الْكَلْبَ نَبِيًّا عَدُوًّا لِّمُتَابِعِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ
يُوحِيْ اِلَيْهِمْ اِلَى الْبَعْضِ مِنْ حُرُوفِ الْقَوْلِ غَرُوسًا (انعام ۷) ہم نے رکھے
ہرہری کے دشمن آدمیوں اور جنوں میں شیطان لوگ جو سکھاتے ہیں ایک دوسرے کو جھوٹی
باتیں مکاری کی۔ یہ مسیح کے حق میں آپ کی اور آپ کے استادوں کی دشمنی ہے کہ مسیح
کے لئے دو موتیں تجویز کرنے کو یہ خیال چلایا گیا ہے کہ ایک دفعہ تو مسیح صلیب پر چڑھا
گئے۔ ہر طرح کی رسوائی درد و دکھ ہے اور عذبات کی شدت میں فحش کھا گئے تھے تو لوگوں
نے آپ کو مردہ تصور کر لیا اور یہ ایک موت کے برابر مصیبت اٹھا کر دوبارہ ہوش میں آئے
پھر مدت تک بیماری میں مبتلا رہے مرہم پٹی ہوتی رہی اور چنگے ہو کر ایک مرتبہ پھر کبر سنی
کو پہنچ کر موت کا مہرہ چمکتا :

مرزا کا یہی نز خوف القول غروراً جو جنوری فروری دہائی دہون کے سن ۱۹۰۷ء
کے چار نمبروں میں کوئی ہم صحتی سیام کے ہوئے مجذوبوں کی بڑی طرح جھٹلائے رطا اور
شیطان کی آست کی طرح پیچ و بچ ہے ہماری دانست میں خود اپنی تردید تھا مگر اس نے
شور مچا دیا کہ ہمارے مضامین کو متعلق ہوئے دو ماہ کا عرصہ گزر چکا لیکن عیسائیوں کی طرف
سے انکی تردید میں ہم نے کچھ نہیں دیکھا "ص ۱۹" عیسائیوں نے ایسی پرتعزیر کی جسکو مسلمان
بھی مردود مانتے ہیں اور عیسائی بھی کچھ پروا نہیں کی تھی مگر وہ ہمارا یہ کفر بھی توڑے
دیتے ہیں۔ اب اپنی دونوں آنکھیں کھول کر۔ ہمیں اپنی ایک ہی آنکھ کھول کر خوب
دیکھ لیجئے کہ آپ کے "عظیم الشان" عمل کو عیسائی کس طرح زمین سے ملائے دیتے ہیں :
ہم اپنے آئینگیل کے اس نمبر میں مختلف عنوانوں کے نیچے صرف یہ ثابت کر گئے
کہ انجیل شریف کے بیان کے مطابق خداوند مسیح کے صلیب پر فوت ہونے سے
انکار ممکن ہی نہیں اور کہ مرزا کے تمام اوہام نہ صرف باطل بلکہ دانستہ
کذب پر مبنی ہیں :

مرزائی دلائل | مرزا کہتا ہے اب یہ قصہ جو انجیلوں میں بیان کیا گیا ہے قابل غور ہے۔ ایک کالب لیب | آدمی تین گھنٹے صلیب پر لٹکایا جاتا ہے اور کوئی تاریخی شہادت اس امر کی نہیں ملتی کہ صلیب پر تین گھنٹے میں کوئی آدمی مریا ہو۔ صلیب سے اتارے جانے کے بعد اُس کی ہڈیاں توڑی نہیں جاتیں۔ جو آدمی اُس کے ساتھ ہی صلیب پر چڑھائے گئے اور ساتھ ہی اتارے گئے وہ زندہ ہی تھے۔ جب اُس کی پسلی میں ذرہ فیڑہ کا سہرا چھو یا گیا تو وہاں سے خون نکلا۔ کوئی طبی شہادت لی نہیں گئی کہ واقعی یہ شخص مر چکا ہے۔ ان واقعات سے تو صاف اور سیدھا نتیجہ ہی نکلتا ہے کہ یسوع صلیب پر نہیں مرا کیونکہ اس قدر تھوڑے وقت میں کوئی انسان صلیب پر مر ہی نہیں سکتا۔ ”عقل مند صاف سمجھ سکتا ہے کہ حضرت مسیح صلیب پر نہیں مرے بلکہ بھاگ کر کہیں اور پناہ گزین ہوئے“ ص ۵۵-۵۶ +

اول۔ یعنی مدت تک مسیح صلیب پر رہے۔ پہلے تو مرزائے ”مسیح کا تین گھنٹے صلیب پر رہنا“ ص ۲۹ پھر کہا کہ تین گھنٹے کے اندر صلیب پر سے اتار گیا، جلد اول ص ۳۲ پھر اس سخن کی بھی اصلاح کی اور کہا کہ ”قریباً دو گھنٹے سے بھی کم وقت ہے“ ص ۳۹ یعنی مسیح کو دو گھنٹے سے بھی کم وقت صلیب پر گزارا اور بالآخر زیادہ سوچ سمجھ کر آپ نے اصلاح میں ترقی کی تو اور مسیح کے صلیب پر نہایت تھوڑے عرصے رہنے پر قطعی حکم لگا دیا ص ۱۹۲ ÷

کسی دیہاتی اہل دل کا قول تھا: مائی اور رضا مائی بھینا مائی کا سہانا ہے۔ ہم کو یہاں مرزائی زبان حال سے یہ بڑھتے ہوئے سنائی دیتے ہیں ”جھوٹ اور رضا جھوٹ بھینا جھوٹ ہی کا سہانا ہے“۔ ”تین گھنٹے کہے وہ لٹو تھا“۔ ”قریباً دو گھنٹے لٹو تر تھا“ اور پھر ”نہایت تھوڑا عرصہ لٹو تر تھا“ نہیں ہم بھول گئے۔ آپ کی لغویت مبالغہ سے بھی بڑھی ہوئی ہے آپ تو یہ لکھ چکے ہیں ”چند منٹ میں ہی مسیح کو صلیب پر سے اتار دیا۔“ از انشاء اللہ

گھنٹے اور نہایت مختصر عرصہ اور چھ منٹ بتلایا۔ آپ نے اُس پر اُنے ٹکسالی پیشہ درجہ طے
کو بھی ہر دیا جو پکارہ صرف اسی پر اکتفا کرتا تھا کہ
دو مینا آب ست دیک چھ دوغ

دوم۔ آیا طبعی طور پر یہ مدت مسیح کے حق میں زندگی فنا کر دینے کو کافی تھی؟
مسیح کی اذیتیں خداوند مسیح کو صرف ایک صلیب ہی سے بنی صدقات نہیں پہنچے تھے بلکہ صلیب
صلیب سے پہلے سے پہلے جدت دشمنوں نے آپ کو پوری طرح خستہ اور قہر کر ڈالا تھا۔ جمہرات
کی شام کو آپ نے اپنے شاگردوں کے ساتھ فرح کا کھانا کھایا تھا اور پھر اُس کے بعد نہ ایک
دانہ اناج کا آپ کے منہ تک پہنچا نہ ایک قطرہ آب زبان تک۔ صبح ہونے ہی زخم رزخ مہینچائے
گئے اور سارے دن بھوکے پیاسے رہے۔ اور طبیعوں کو معلوم ہے کہ تشنگی کا فائدہ عیوں
پر کس طرح ہوتا ہے پیاس کی شدت اور اذیت۔ الامان۔ تمام شب نصیبت و پریشانی میں
لٹی۔ ایک جھپکی آنکھوں کو نصیب نہ ہوئی۔ رات ہی کو ناخدا ترس دشمنوں نے گرفتار کر
لیا اور صر سے اُدھر دوڑایا۔ تھکا کر بدن کو چور کر ڈالا۔ رُو حانی اذیتوں کی کچھ انتہا نہ
تھی۔ ہر طرح کی ذلت و خواری سہی بُرا چاہتے والوں کی دل آزاری اٹھائی۔ جنگل زندگی
کی راہ بتائی وہی جان کے گاہک ہو گئے بلکہ موت کی راہ میں بھی کانٹے بچھائے۔ کانٹوں
کے تاج نے آپ کا مبارک سر لہو لہان کر دیا اور سر کندھوں کی مارنے جرات پر جرات
پہنچائی اور اس سب کے اوپر یہ سیم کہ آپ کا مقدس جسم جو جنت کے پھول سے نازک تھا
کوڑوں سے پڑوایا گیا (متی ۲۷-۲۷) +

دُرے کی سزا اہم مرزائی فساد قلبی کو دفع نہیں کر سکتے۔ مگر صرف ناظرین کو بتلاتے ہیں
کہ رومیوں کے درمیان کوڑے کی سزا نہایت ہی ایذا دہ اور سنگین تھی۔ کوڑے کے لڑوں
میں لوہے بڑی یا سیسے کے ٹکڑے اس ترکیب سے پروئے ہوتے تھے کہ اُنھی خوفناک
ضربوں سے گوشت پارہ پارہ ہو کر لپٹ قہر ہو جاتی تھی۔ اور اکثر لازم کوڑے کھاتے ہوئے

دہیں مر جاتے تھے۔ جب یہ سزا جس کے تصور سے بدن لرزتا اور روح کانپ اٹھتی ہے
مریم کے فرزند جھٹکت چکے۔ تو بھاری صلیب جو شہتیروں کے دو کندوں سے بنائی تھی
آپ کی بھروسہ پر لاد گیا۔ اور وہ اپنی صلیب آپ اٹھائے ہوئے اُس جگہ تک
باہر لائے جو کھوپڑی کہلاتی ہے، یوحنا ۱۹ اور تب آپ کو صلیب دی گئی:

مصلوب یہ ایک دردناک عمل تھا۔ پہلے صلیب کو زمین پر دھرتے۔ پھر اُس پر لازم کو لٹا کر موٹی
کرناٹھ لپیٹ کر موٹی لمبی لوہے کی سیخوں سے ہاتھوں کی ہتھیلیوں اور سر کے تلووں کو چھید
کر کڑی میں ٹھونک دیتے تھے پھر اسکو زندہ جم سمیت سیدھا کر کے تدر سے گڑھے میں دھر
کر گاڑ دیتے تھے۔ اور سارا جسم چار زخموں کے سہارے سے لٹکتا تھا جس سے جسم کا ایک
ایک رگ و پچھانت کی طرح کھینچ جاتا تھا۔ اس اذیت میں جسکے بیان سے ہر شخص جھکوزہ
بھی اغلاص و عقیدت خدا کے نبی کے ساتھ ہے بیتاب ہو جاتا ہے۔ مسیح نے جنکو قرآن
روح اللہ یعنی خدا کی جان کے لقب سے یاد کرتا ہے پورے چھ گھنٹے رہ کر جان دی۔
مرزا کہتا ہے: ”یہ نہایت صاف بات تھی کہ تین گھنٹے صلیب پر لٹکنے سے کبھی کسی کی جان
نہ نکل سکتی“ صریح یہ وہ لوگوں کو دھوکا دے کر یہ باور کرانا چاہتا ہے کہ گویا مسیح کو تینوں
نے یکایک چنگا بھلا کر کریمین گھنٹے تک صرف ایک رستی سے باندھ کر لٹکا رکھا تھا اور
اس لئے یہ وقت ایسی حالت میں موت کے لئے کافی نہیں ہوا۔ مگر ہم ثابت کر چکے کہ
صلیب تک تو مسیح نیم مردہ پہنچے تھے اور مطلق کوئی حیرت نہ ہوتی اگر آپ کی جان کوڑے
کھانے ہوئے نکل جاتی۔ یا اُس وقت جب آپ زخمی پشت پر صلیب لادے لائے
تھے یا جس وقت آپ کو صلیب پر ٹھونک رہے تھے یا صلیب دینے کے عین بعد
ہی۔ مگر جب آپ پورے ۶ گھنٹے صلیب پر لٹک چکے تو سخت سے سخت منکر کو بھی موت
کا یقین ہو گیا۔ پر مرزا کے انکار کا علاج ہم نہیں کر سکتے۔ منکر نکیر کریں تو کریں:
سوم۔ نیزہ کی ضرب کا کیا نتیجہ ہوا۔ مرزا لکھتا ہے: ”اُس کی پسلی میں نیزہ کا سوراخ چھوٹا

گیا تو وہاں سے خون نکلا۔ ”زخم محض کوئی چھوٹا سا خراش تھا۔“ یہ کہیں نہیں لکھا ہے کہ زخم بڑا گہرا تھا کہ نہ ۱۹ء اور ۱۹۵۵ء۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مرزا ہرن مو سے جھوٹ بولتا ہے۔ جھوٹ بولنے میں گویا ببل ہزار داستان ہے۔

انجیل کے الفاظ یہ ہیں ”ایک سپاہی نے بھالے سے اُس کی پسلی چھیدی“ یوحنا ۱۹ء۔ اول تو لفظ چھیدنا استعمال ہوا جو خود زخم کے گہرے ہونے پر دال ہے۔ دوم اگر ضرب بھالا بتایا نہ کوئی سوئی یا سلائی اور یونانی لفظ کا اطلاق اُس لیے نیرے پر ہوتا ہے جو سواروں کے ہاتھ میں رہتا تھا۔ اور نیزے اور بھالے کی نسبت چھوٹا بولنا شاید قادیان کے کنواریوں کی زبان ہو۔ پس جو زخم ایسے آدے سے لگایا گیا جس کی زد کے لئے کوئی روک بھی نہ تھی اُسکو خراش بلکہ محض کوئی چھوٹا سا خراش بتلانا جھک مارنا ہے۔ سوم ضرب پسلی سے نازک مقام پر لگائی گئی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سپاہی نے اپنے نیزہ کا پورا دار کیا اور ایک گہرا زخم لگایا جو اُسکا مقصد ہوتا تھا چہارم انجیل میں لکھا ہے کہ زندہ ہو کر مسیح نے اپنے شاگرد سے کہا ”اپنا ہاتھ پاس لا اور میری پسلی میں ڈال“ یوحنا ۱۹ء۔ جو زخم اسطرح کا ہو کہ اُس میں ہاتھ ڈالا جاوے اُسکی نسبت یہ جھوٹ بولنا کہ ”کہیں نہیں لکھا کہ زخم بڑا گہرا تھا“ حق اور انصاف کا خون کرنا ہے۔ ہم تو ثابت کر چکے کہ زخم نہ صرف بڑا گہرا بلکہ بڑا چوڑا بھی تھا اور ہم آگے چل کر ثابت کر دیتے کہ یہ ایک کاری زخم تھا جو دل تک پہنچا ہوا تھا۔ اور اگر بالفرض محال دوسرے صدات جو اس سے پہلے مسیح برداشت کر چکے تھے دراصل موت کے لئے کافی نہ بھی ہو چکے ہوتے تو صرف یہی زخم زندگی کو فنا کر دینے کے لئے کافی سے زیادہ تھا اور کوئی بشر اگر اُس میں سات جانبیں بھی ہوں ایسے کاری و مسلک زخم سے جانبر نہیں ہو سکتا۔

چہارم۔ دونوں چوروں کا جو مسیح کے ساتھ مصلوب ہوئے کیا حال ہوا۔ مرزا کہتا ہے ”یہ قریب قریب نہیں ہے کہ دونوں چوروں کے ساتھ صلیب پر کھینچے گئے تھے وہ زندہ تھے مگر مسیح صرف دو گھنٹے تک مر گیا“ دونوں چور صلیب پر سے زندہ اتارے گئے مصلوب کوئی

شخص و ثلوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ چور زندہ ہی اتارے گئے اور مرزا تو خود انجیل سے نقل کر چکا ہے کہ یہودیوں نے اس لحاظ سے کہ لاشیں سبت کے دن صلیب پر نہ رہ جاویں پلاطوس سے عرض کی کہ انکی ٹانگیں توڑی اور لاشیں اتاری جاویں (یوحنا ۱۹) جس سے مستنبط ہوتا ہے کہ وہ لوگ مرچکے تھے اور لاش ہو چکے تھے اور ٹانگیں انکی نہ تھیں اس لئے توڑی گئی تھیں کہ شاید انکی جان ابھی ابھی نکلی تھی۔ اور سپاہیوں نے چاہا کہ اگر کہیں چھپی چھپائی کچھ جان باقی رہ گئی ہو تو تیا لگ جائے اور وہ بھی بالکل فنا کر دی جائے اور ہر طرح کا شبہ مٹ جائے کیونکہ اور زیادہ وہ لاشوں کو صلیب پر نہیں رکھ سکتے تھے۔

انسانی جسموں پر اگر کسی فرض کر لیا جائے کہ چور نہ مرے تھے تو بھی انکی سخت جانی کی مشابہت میں فرق مسیح میں ڈھونڈھنا پر لے درجہ کی حماقت و کور باطنی ہے۔ کیا قادیان میں سب دعویٰ پیسیری میں ہو گیا انسانی جسموں میں سختی اور نزاکت کا فرق نہیں؟ کیا ہم روزمرہ نہیں دیکھتے کہ نفیس و نازک طبیعتوں کو ذرا سی کرکری یا ذرا سی بدبو یا ذرا سی بے حسری آواز یا زندگی کی ایک نظر بھی بڑے دکھ کا باعث ہوتی ہے۔ مگر ایسے نامہجر لوگ بھی ہیں جو ایک ٹکے کے لئے اپنے جسم کو چاقوؤں سے کاٹتے ہیں اور آگ سے جلاتے اور ہر طرح کے انگھوڑن کرتے ہیں جبکہ دوسرے لوگ دیکھنا بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ پس چوروں اور ڈکوروں کی سخت جانی سے جو قتل و غارتگری کے عادی تھے جو شبانہ روز اس قسم کی تیکایش خود اٹھاتے اور دوسروں سے اٹھوانے سے تھے مسیح کا مقابلہ کرنا صرف ایک کافرانہ بے بصیری ہے۔ اعلیٰ درجے کی پاک اور مقدس رعوں کے لئے فرد کا عالم نے اعلیٰ درجہ کے لطیف و پاکیزہ جسمانی مسکن بھی بنائے ہیں۔ اور انکے حواس خمسہ جھکدے بیہ رخ و خوشی کا احساس ہوتا ہے ایسے اعلیٰ انزل پر ہوتے ہیں کہ کچھ غیب نہیں اگر ایک بھونڈی طبیعت کا شخص نہ سمجھ سکتا ہو۔ پس جو ایذا انکو ایک چھڑی کی ضرب سے پہنچ سکتی تھی جو اہم کردہ تلوار کے گھاؤ سے نہیں پہنچ سکتی۔ اور یہی تو وجہ ہے کہ نبی کو تھوڑی

سی ایذا دینا بھی اللہ کے یہاں قتل انسان سے بڑا سمجھا گیا۔ اور خود قرآن میں لکھا ہے
وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ۔ اور مسیح کا تو حال ہی بالکل دوبرا
تھا۔ آپ نرانی صورت سے پیدا ہوئے اُنکے جسم کی نظیر دنیا میں موجود ہی نہیں جی طرح
دُکھ درد کا احساس اُنکو ہوا کسی کو بھی نہیں ہو سکتا۔ مرزا جی کی جہالت عجب شان کی ہے
عروج بن عتیق سے بھی آپ کئی بالاس اویچھے ہیں۔

پنجہ۔ مسیح کی موت پر عینی شہادت
مرزا لکھتا ہے ”مسیح صلیب پر نہیں مرا۔۔۔۔۔ بلکہ غش کی حالت ہو گئی تھی جو مرنے
سے مشابہ تھی“ ص ۱۵ یہودیوں نے مسیح کو غشی میں دیکھ کر سمجھ لیا کہ فوت ہو گیا“ ص ۱۳
”سکتے یا غشی کی حالت اور حقیقی موت میں امتیاز کرنا اس قدر مشکل امر ہے کہ اس
زمانہ کا ایک ڈاکٹر بھی غلطی کھا سکتا تھا“ ص ۱۹

پلاطوس نے اپنے زمانہ کے قواعد و ضوابط کی پوری پابندی کے ساتھ مسیح کی
حقیقی موت کی تصدیق و تحقیق کر لی ایسی کہ اب کسی یا وہ گو کو مجالِ چون و چرا باقی نہیں رہی
چنانچہ جب ارمیتہ کا رہنے والا یوسف مسیح کی لاش مانگنے گیا تو پلاطوس نے تعجب کیا کہ
وہ مرچکا اور صوبہ دار کو بلا کر اُس سے پوچھا کہ کیا اُسکو مرے ہوئے دیر ہو گئی جب صوبہ دار
سے حال معلوم کر لیا تو لاش یوسف کو دلا دی، مرقس ۱۵: ۴۵ یہ اُن سپاہیوں کا افسر
تھا جو صلیب پر تعینات کئے گئے تھے جنہوں نے مصلوبوں کی حقیقی موت کا پورا پورا
امتحان کر لیا تھا۔ دو کی ٹانگیں توڑ دی تھیں اور ایک کی پسلی چھید کر دل تک چیر دیا تھا
اور سکتے یا غشی اور حقیقی موت میں امتیاز کر لینے کے لئے یہ عمل کیا تھا تاکہ مصلوبوں
کی موت میں کچھ دھوکا نہ رہ جائے۔ مگر مرزا پوچھتا ہے کہ کیونکر ہم ایک جاہل پولیس کے
آدمی کی رائے تسلیم کر لیں“ ص ۱۹ اور پھر یہ بھی لکھتا ہے کہ ”عین صلیب کی گھڑی میں
ہی مسیح کے مرنے پر شبہ ہوا“ اور شبہ بھی اپنے شخص نے کیا جس کو اس بات کا پتہ نہ تھا

کہ اس قدر امت میں صلیب پر جان لگتی ہے، ص ۵۲ اور یہاں مرزاجی نے بددیانتی بھی کرنا چاہی ہے، وہ انجیل کی عبارت کو یوں نقل کرتے ہیں ”پلاطوس نے تعجب ہو کر شبہ کیا کہ وہ یہی نہیں الیسا جلد مر گیا، ص ۵۲“ شبہ کیا، یہ الفاظ اپنی طرف سے ملا دیئے اور ”الیسا جلد“ کے لئے بھی کوئی لفظ اصل میں نہیں ہے اور اس پر زور نہیں دیا جاسکتا۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ شبہ تو کسی شخص کا بھی یہاں مفید نہیں۔ مگر ماں تصدیق ضرور مفید ہے سو اگر آپ کے گواہ پلاطوس نے بے سوچے شبہ کیا بھی تھا تو اس نے حقیقت امر دریافت کر کے اسے شبہ کو بالکل رفع کر لیا۔ اور پلاطوس کا یقین آپ کو بھی ٹانبا رہا ہے یہ یقین ایسے شخص کا ہے جن کو پورے مواقع یقین حاصل کرنے کے ہمہ ہنئے تھے اور جو عین صلیب کی گھڑی میں تحقیق کے ذرائع کو عمل میں لایا تھا۔ پلاطوس کو اپنے ماتحتوں اور کارکنوں کے حالات آپ سے زیادہ معلوم تھے۔ اس نے اپنے معتمد افسر کے قول کو حق مانا اور ماننا بھی چاہئے تھا۔ کیونکہ پلاطوس کا تجربہ صوبہ دار کے جوابے سے افضل نہ تھا۔ پلاطوس اپنے احساس اور محل میں حکم شدہ کا اختیار رکھتا تھا۔ مقتلوں میں جلاوی کا کام نہیں کرتا تھا۔ ایسے موقعوں کا ذاتی اور عینی تجربہ صوبہ دار اور اس کے ماتحت سپاہیوں سے زیادہ کسی کو بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ تصدیق کر چکا کہ ”مسیح کو مرے ہوئے دیر ہو گئی“ اور اس کی تصدیق پر یہودیوں نے بھی صا کر دیا اور پلاطوس نے بھی۔ اور اس کو ”جابل ویلس کا آدمی“ کہنا خود آپ کو جابل ثابت کرنا ہے کیونکہ اپنے خاص فن میں وہ جابل نہیں تھا:

مگر ایک طرف باج رہا ہے۔ مرزاجی یہ بھی لکھتے ہیں کہ ”تمام واقعات خدا نے اس لئے ایک ہی دفعہ پیدا کر لئے تا مسیح کی جان بچ جاوے اس کے علاوہ مسیح کو غشی کی حالت میں کر دیا کہ تاہر ایک کو مردہ معلوم ہو، ص ۳۲ یعنی مسیح کو مردہ سنا دینا ایک الہی معجزہ تھا تاکہ ہر ایک کو مردہ معلوم ہو، پس اگر تمام جہان کے ڈاکٹر مسیح کی لاش کا معائنہ کرتے اور

انکے ساتھ آپ اپنے ”حکیم الامتہ“ کو بھی ڈپوٹ کرتے تو حکم خدا یہ تھا کہ وہ سب۔ یکے سب
 یہی کہتے کہ اس لاشے میں جان نہیں یہ مُردہ ہے۔ اس سے بڑھکر عینی شہادت اور
 کیا ہو سکتی ہے؟ اور یہ تو خود آپ نے تسلیم کر لی اور کہہ دیا کہ جہان میں کوئی باقی نہ رہا
 عالم ہوا جابل ڈاکٹر ہوا مسیح جن جو مسیح کو بزمِ مردہ کے کچھ اور کہتا اور خدا کو منظور یہی ہوا۔
 ”تمام واقعات خدا نے اس لئے ایک ہی دفعہ پیدا کر دیئے“ پس عینی مشاہدہ مسیح کی موت کا تو
 ہر ایک کو ہو گیا اور غشی کی حالت پر صرف ایک آپ کو اطلاع ہوئی ہے۔ اور اسکا کوئی
 خارجی ثبوت آپ کے پاس نہیں اور اسی لئے آپ اس غشی کی نظیر ہم کو نہ دے سکے کہ
 غش کھا جانے کے بعد تین گھنٹے مسیح صلیب پر لٹکے رہے تو ہوش نہ آیا۔ پہلو میں نیزہ مار
 لیا تو ہوش نہ آیا۔ واقعی سچ ہے۔ اگر یہ غشی تھی تو اعجازی غشی تھی۔ یہ غشی موت کی تھی تا
 اند کا کہا پورا ہو ”ہر ایک کو مُردہ معلوم ہو“
 ششم۔ خداوند مسیح کی موت پر قطعی شہادت۔

دفعہ سوم میں ہم نیزہ کے زخم کا تذکرہ کر چکے۔ اب ہم یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ کاری زخم
 مسیح کی پسلی کو پھوڑ کر دل تک اُتر گیا تھا اور ایسا زخم ہمیشہ مسلک ہوتا ہے۔ مزاجی اسکا
 نہیں ماننا چاہئے۔ کہتے ہیں ”نیزہ کو عین دل کے مقام پر مارنا کہ اُس سے خون باہر نکلے
 بڑے ہنر کو چاہتا ہے۔ اور ایک جابل سپاہی سے یہ امید نہیں کجاتی کہ وہ انسان کے
 بدن کی تشریح سے پورا واقف ہو“ ۱۹۵۵ء میں عرض کس درجہ مدِ غور و بد تمیز ہے اور شہادہ
 کو بھی اپنی ہی مانند سمجھتا ہے۔ انسان کا دل جو شاہ نہ روز دھڑکتا رہتا ہے بدن کے کس
 حصہ میں ہے اس کے لئے علم تشریح میں مہارت چاہئے۔ ہم نے آج ہی سنا ہے۔ پھر
 کتنا تعجب ہوتا اگر کسی رومی نیزہ باز سپاہی کو یہ نہ معلوم ہوتا کہ انسان کے بدن میں نیزہ سے کون
 کون مقام کاری زخم پہنچانے کے ہیں۔ اور سپاہی بھی ایسا جو قتل گاہوں میں جلادی کا
 تجربہ رکھنے والا اور جبکا منضی فرض یہی ہو کہ تحقیق کر لے کہ ملزم دراصل مرتکب۔ اور قاتل اور

موت کی باضابطہ رپورٹ کرے اگر اس سپاہی کو آپ نے اس منی میں جہاں کہا کہ وہ اپنے فن سے نادم تھا تو آپ نے اسی جہالت کو عالم نشر کر دیا۔ پس بھالے کو پسی کی طرف چلانے سے یہی مقصود ہو سکتا تھا کہ دل تک پہنچا دے۔ ہم سچ کہتے ہیں کہ یہ سپاہی نیزہ بازی میں ایسا خام نہ تھا جیسے مرزا جی علم مناظرہ میں ۛ

پھر انجیل میں اس زخم کی نسبت لکھا ہے کہ ”فی الفور اس سے خون اور پانی بہ نکلا“ یوحنا ۱۹: ۳۴ مرزا صاحب یوں رقم طراز ہیں اور اپنی اس تحقیق پر نازاں بھی بہت ہونگے کیونکہ آپ کا جہل مرکب ہے۔ ہو کا نکلتا صاف اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ مسیح ابھی زندہ تھا کیونکہ مرنے کے بعد جاذب جہم جاتا ہے، صوم ۱۹ حیرت ہے کہ ہزار بادشمن صلیب کے گرد کھڑے ہوئے ہوں اور ایسی موٹی بات کو مشاہدہ کریں اور انکو گمان بھی نہ ہو کہ مسیح ابھی مرا نہیں ہے، مگر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ مرزا جی سے کہیں زیادہ ہوشیار و سمجھ دار تھے۔ وہ اس خون کو مسیح کی یقینی موت پر شاہد سمجھے ۛ

پھر آپ کہتے ہیں ”اگر زخم اس قدر بھی گہرا ہوتا کہ دل تک پہنچ جاتا تو بھی پانی کا نکلتا ممکن نہ تھا سو اے اس کے کہ مرض استسقا ہوتا صوم ۱۹ آپ کو اور علوم کے ساتھ طب میں یدِ خوب نے حاصل ہے ۛ

”یہ ظن اور پانی جو کثیر مقدار میں مسیح کی پسلی کے زخم سے نکلا کیا تھا؟ کہاں سے آیا۔ اور اسکا نتیجہ کیا ہوا؟ اس کے لئے ہم صرف علم تشریح الاجسام کی سند و غوث ننگے اور مرزا جی کے خرافات کو اہل نظر پر نظام کر گئیے۔ ڈاکٹر ولیم اسٹراوڈ۔ ایم۔ ڈی نے ایک ضخیم کتاب ”مسیح کی موت کے جہانی سبب پر تفسیر کی جہ پر سرگردہ اطباء نے انگلستان و جمہیں سمین۔ ایم۔ ڈی نے ویساچ لکھا ہے۔ اس میں انہوں نے علم تشریح کے اصول پر بحث کر کے دکھلایا ہے کہ خداوند مسیح کی موت دل کے پھٹ جانے سے واقع ہوئی تھی اور بہت مثالوں سے ثابت کیا ہے کہ جب انسان کو لگاتار جسم اور روح کو سخت صدمہ پہنچانے والی ایذا یش

برداشت کرنا پڑتی ہیں تو ایک نوبت ایسی آتی ہے کہ دل یکایک متق ہو جاتا ہے اور ایک بیج کے ساتھ روح پرواز کر جاتی ہے۔ چنانچہ انجیل نویس کا بیان بھی یہی ہے پھر روح نے بڑی آواز سے چلا کر جان دیدی مرقس ۱۶: ۷

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ دل کے پھٹنے کے ساتھ ہی خون بہت کبھی کبھی ایک کوارٹ یعنی ۱۲ چھٹانک کی مقدار سے پیری کارڈیم یعنی اُس جھلی میں جو دل کو غلاف کئے ہوئی ہے جمع ہو جاتا ہے۔ اور یہاں خون دو چیزوں پر جو اسکی ترکیب میں داخل ہیں منقسم ہوتا ہے ایک جز کا نام کریسیاٹم ہے جو گاڑھا اور سُرخ ہوتا ہے اور دوسرے کا نام سیرم جو سیال اور آبی رنگ کا ہوتا ہے اور عوام ان دونوں چیزوں کو خون اور پانی ہی کہتے ہیں۔ سپاہی نے موت کے واقعی ہونے کی تحقیق کی غرض سے یا اگر موت صرف ظاہری ہو تو زندگی فنا کر دینے کی غرض سے پس اگر نیزہ سے قلب کے موضع پر وار کیا اور بائیں پسلی کو دیکھو کہ وہ اپنے ہاتھ کا دارمقابل کے بائیں طرف لگتا ہے، زیریں حصہ میں ایک ریحجاز زخم مارا جس سے پیری کارڈیم جو پسلی کے تلے کریسیاٹم اور سیرم سے پر ہو چکی تھی نیچے سے نکل گئی اور زخم کے رستے کل موزوں پانی کی سی دھار کے ساتھ جس میں پھٹکبدار خون ملے گا تھا بہ نکلا۔ اور دیکھئے والے نے عوام کی زبان میں اسکو یوں بیان کر دیا کہ ”فی الفور اُس سے خون اور پانی بہ نکلا“ دیکھو صفحات ۹۹-۱۰۰۔ ۵۸۷ ضمیمہ ثانی لندن ۱۸۸۱ء یہی وجہ ہے کہ کوئی واقفکار دوست یا دشمن نہیں گذر، جس نے مسیح کی حقیقی موت سے انکار کیا ہو۔ اور کسی جاہل و نادان کی بات کا اعتبار نہیں۔ مگر مزاجی کا حافظہ درست نہیں۔ اوپر تو وہ مسیح کی پسلی میں زخم کو بھی مان چکے گو اس کو وہ ذہن کوئی چھوٹا سا خست بنایا۔ اور پھر اس زخم سے خون نکلنے کے بھی قائل ہو چکے گو اسکو بھی زندگی اور غشی پر دال کہا۔ مگر اس رب کے بعد آپ نے ایک جگہ یہ بھی لکھ دیا کہ ”سپاہیوں کو اس قدر وسیع اختیارات حاصل نہ تھے کہ خطبہ چاہتے کسی کو مار ڈالتے۔ اگر انکو ایک طریق سے مارے گا حکم ہوتا

تو اُسکی بجائے خود وہ ایک اور طریق اختیار کر لیتے تاکہ یہ ہدایت تھی کہ صلیب پر موت کے
نہ واقعہ ہونے کے سبب سے تینوں کی ٹانگیں توڑ دیں اور اس قانونی حکم کے بجائے وہ
خود بخود کوئی دوسرا تجربہ کر کے دیکھتے تھے۔ ص ۱۹۔ کیا زبردستی ہے کہ سپاہیوں کو یہ اختیار
تو مانے جاتے ہیں کہ پسلی میں نیزہ چھو کر خون نکال دیں مگر یہ اختیار نہیں مانا جاتا کہ وہ نیزہ
کو ذرا اور گہرا کر دیں۔ تو کیا اُنکا ہاتھ آپ نے روک لیا تھا یا اُنکو قانونی حکم بھی دیا گیا تھا؟
کہ مسیح کی پسلی سے صرف خون نکال کر تمام لوگوں کو دکھلا دو کہ وہ زندہ ہیں مرنے نہیں۔ مگر
اس کی نہ کسی حاکم نے باز پرس کی نہ دشمنوں نے شکایت جو مسیح کی موت کا فتوے حاصل کر
چکے تھے۔ مرزا جی کو چاہئے کہ اب پہلو بدل دیں اس زخم سے بھی منکر ہو جائیں اور چورل
کی ٹانگیں توڑی جانے سے بھی۔ کیونکہ اگر مسیح بھی صلیب پر نہیں مرنے تھے جیسا مرزا جی کو
اصرار ہے تو لازم آئے گا کہ تینوں مصلوبوں کی ٹانگیں بالضرور توڑی گئیں اور قانونی حکم
سے انحراف نہیں ہوا۔ اور مسیح نے بھی یقینی وفات پائی۔ صلیب سے اور پسلی کے زخم سے
نہی ٹانگوں کے توڑے جانے سے ہی۔ اور مرزا جھوٹے ثابت ہوئے جو کہتے ہیں کہ وہ
ملکوں ملکوں سیر سیاحت کرتے ہوئے کشتیہ تک پہنچے۔ بات یہ ہے کہ مسیح کی مخالفت میں مرزا جی
دیوانہ ہو گئے ہیں۔ اُنکو کوئی قرینے کی بات سوجھتی ہی نہیں۔

سپاہیوں کو کوئی حکم مصلوبوں کی ٹانگیں توڑنے یا نہ توڑنے کا نہیں ملا تھا۔ یہ یوں
نے ایسی درخواست کی تھی۔ ٹانگیں دو مصلوبوں کی صرف اس لئے توڑی گئیں کہ کوئی شبہ
اور دھوکا انکی موت میں نہ رہ جائے۔ چوروں کی موت میں سپاہیوں کو شبہ تھا ”لیکن جب
انہوں نے یسوع کے پاس آکر دیکھا دلاش کا خوب معاملہ کیا آیا کوئی آثار زندگی کے تو موجود
نہیں اور اُنکو پورا یقین ہو گیا کہ دیر ہوئی“ کہ وہ مر چکا ہے تو اُسکی ٹانگیں نہ توڑیں“ کیونکہ
یہ عمل غیر ضروری تھا۔ جس میں صرف سپاہیوں کی تکلیف اور محنت متصور تھی۔ مگر ان میں
سے ایک سپاہی نے جو شاید مرزا جی کی طرح عداوت میں ملا ہوا تھا جبکو زندہ اور مردہ

میں امتیاز نہ تھا اور بڑا فکر مند تھا مبادا کوئی دھوکا رہ جائے، اُٹھائے سے اسکی پہلی چھیدی (اور اپنا اور دنیا میں اپنے تمام ہم خیالوں کا شبہ انڈک رفع کر دیا) یوحنا (۱۹) اسکائی فعل مشتائے حکم قانون کے مطابق تھا کہ جطرح ضروری اور مناسب ہو اس امر کا اطمینان کر لیا جائے کہ ملزم جھکو منائے موت دی گئی واقعی مر گیا۔

ہفتم۔ مرزاجی کی ایک اور غلط بیانی کو بھی ہم فاش کرتے ہیں۔ اس ثبوت میں کہ بہت لوگ جو مسیح سے بہت زیادہ عرصے صلیب پر لٹکائے گئے وہ بھی جانبر ہو گئے، وہ فاضل مورخ جوزفین کا نام لے کر کہتے ہیں کہ ”اُس نے قیصر سے تین شخصوں کے جو صلیب پر (کم از کم ایک دن سے زیادہ عرصے سے جیسا کہ واقعات سے شہادت ملتی ہے) لٹکے ہوئے تھے چھوڑے جانے کے لئے درخواست کی۔ اور وہ درخواست قبول ہو کر مناسب علاج سے نبضوں میں سے ایک کی جان بچ گئی صفحہ ۱۹۳ و ۱۹۵۔ اس میں صرف ایک ہی فقرہ جو خطوط کے اندر ہے مرزاجی کے کچھ مفید ہو سکتا تھا مگر وہی فقرہ جھوٹ ہے پھر جوزفین کا مصلوب کیونکہ مسیح کی نظیر ہو سکتا ہے، اس کو کب کوڑے مارے گئے کب اسکی پسلی میں بھالا چھیدا گیا کب وہ ۹۰ گھنٹے صلیب پر لٹکا اور کب لوگوں نے اُسے مردہ سمجھا اور قبر میں رکھا۔

یہاں مرزاجی نے ایک شرمناک جھوٹ بولا ہے۔ اس وقت جوزفین کی تصنیفات کی پوری جلد مطبوعہ چارلس گرلین ہمارے سامنے رکھی ہے۔ مورخ اپنی سوانح عمری کے آخر میں صرف اسی قدر لکھتا ہے کہ ”طبلس قیصر نے جھکو منہ سیریلیس کے ہزار سواروں کے ہمراہ موضع ختیکو کو یہ دریافت کرنے کی غرض سے بھیجا کہ آیا وہ مقام لشکر گاہ کے مناسب اور جرمیں لوٹا تو میں نے دیکھا کہ بہت سے قیدی مصلوب کر دئے گئے۔ انہیں کے درمیان تین میرے دوست تھے۔“ اب مرزاجی بتائیں انکو کن واقعات سے شہادت ملتی ہے کہ یہ مصلوب ”کم از کم ایک دن سے زیادہ“ صلیب پر لٹک چکے تھے؟ بلکہ یہاں تو برعکس یہ مستنبط ہو سکتا ہے کہ لشکر کے جوار میں کوئی موضع تھا جسکے دیکھنے کو گھوڑی کی سواری

پر جو زلیفں گیا اور قیاس چاہتا ہے کہ جیسا دستور ہے صبح کے وقت ناستہ وغیرہ کر کے یہ لوگ روانہ ہوئے۔ اُس وقت تک کوئی قیدی مصلوب نہیں ہوا تھا مگر جب چند گھنٹوں بعد واپس لشکر کو آئے تو یہ باجرا دیکھا اور اُس نے فوراً اپنے دو دستوں کی جان بخشی کرائی۔ متوجہ یہی لکھتا ہے کہ ”قیصر نے فوراً حکم دیا کہ وہ لوگ صلیب سے اتارے جائیں اور انکے علاج میں انتہا درجہ کی ہمت صرف کی جائے۔ تاہم ان میں سے دو تو طبیعوں کے ہاتھوں میں فوت ہو گئے اور صرف تیس رائج کیا۔ یہ تینوں مصلوب بالکل سادے طور پر صرف چند گھنٹوں کے لئے صلیب دئے گئے تھے جھکوا اور کوئی زخم نہیں لگا تھا اور انکا علاج بھی علانیہ طور پر شاہی حکم سے بادشاہی طبیعوں نے کیا۔ اس پر بھی دو مر گئے اور بچ نہ سکے۔ یہ ایک لطف کی بات ہے کہ دوست اور دشمن اس واقعہ کو اس امر کے ثبوت میں عموماً پیش کیا کرتے ہیں کہ باوجود اعلیٰ درجہ کی طبی امداد کے صلیب کے مارے کا جانبر نہ ہونا محال ہوتا ہے۔ اور مسیح کے حق میں یہ قیاس بالکل بیہودہ ہے کہ ایسے ایسے زخم کھا کر وہ گھنٹے صلیب پر لٹک کر اور تمام لوگوں کے دیکھتے مکر کر بھی وہ قبر سے زندہ نہ ہو گئے۔ مگر ہمارے مرزا جی تو اوندھی سمجھ کے ہیں۔ آپ نے اُسی واقعہ کو مسیح کے نہ مرنے کی دلیل ڈال جھوٹ بول کر بنالیا۔ ایک جھوٹ جو زلیفں کے متعلق کہ اُسکے بیان سے مستنبط ہوتا ہے کہ مصلوب ”کم از کم ایک دن سے زیادہ“ صلیب پر لٹکے۔ دوسرا جھوٹ مسیح کے متعلق کہ ”وہ تجربہ کار طبیعوں کے زیر علاج رہا“ ص ۱۹۷ جتنے جھوٹ ہمارے مرزا جی نے اپنے پیڑ سے لٹکائے اتنا جالاجھی کسی ٹکڑی نے نہ تیا ہو گا۔ ہم نے یہاں خداوند مسیح کی موت پر سے مرزا جی کے تمام فاسد اور باطل ادبام کو اُس سے زیادہ مضبوط دلائل سے رد کر دیا جن کے وہ مستحق ہو سکتے تھے۔

خداوند مسیح کی لعنت اور مرزا کا خبط کثیر

خداوند مسیح کا زندہ ہوا جانا۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ خداوند مسیح کی حقیقی موت صلیب پر واقع ہو چکی تو اب ہم کو مطلق ضرورت نہیں کہ مزاجی کی ایسی غیر متعلق اور لغو باتوں پر کچھ بھی التفات کریں جسکے ثبوت میں وہ انجیل شریف کی ایک آیت بھی پیش کرنے سے عاجز ہیں کہ ”مسیح کی قبر ایک وسیع مکان تھا“ جس میں ایک ہوا دار وسیع کوٹھا تھا جس میں ایک کھڑکی تھی ”ص ۵۳۵ ۵۳۶ ۵۳۷ ۵۳۸ جہاں دوستوں نے اسکی خبر گیری کی اور سب علاج کئے ”ص ۵۳۹ اور جہاں ”اُسی وقت سے وہ تجربہ کار طبیوں کے زیر علاج رہا“ ص ۵۴۰ ۵۴۱

مزاجی کا یہ مزاجی کی ایسی ناش غلطیاں ایک دو نہیں بیسیوں میں جن سے ہماری بحث کو کوئی سُرد کار نہیں۔
 کلمہ ”تہنوا“ اُشادہ لوگوں کو باور کرنا چاہتے ہیں کہ گویا انجیل میں لکھا ہے کہ ”مسیح کے مرنے پر یہ دشلم کے تمام مُردے جو آدم کے وقت سے لیکر مسیح کے وقت تک مر چکے تھے زندہ ہو کر شہر میں آ گئے“ اور گلی کوچوں میں دفن کرتے پھرے۔
 جلد اول۔ ص ۳۲۲ جلد دوم۔ ص ۱۹۹۔ ”خدا تانے کا فرشتہ پلاطوس کی جورد کو نظر آیا“ ص ۱۴۱۔ مرزا
 نجیبین کو جو زردشتیوں کی قوم ہے جنہوں نے مسیح کا اشارہ پورب میں دیکھا تھا ”مشرقی اسرائیلی“ بتاتے ہیں۔
 (ص ۱۳۱) جس سے اسکی مراد کشمیری ہیں۔ کہتے ہیں کہ ”یہودیوں نے بمقدار نبیوں کے خون کئے انکا سلسلہ زکایا
 بنی تک ختم ہو گیا“ ص ۱۱۵ اور انکو حضرت مسیح کے ہم عصر نبی کیے کے قتل کا حال بالکل بھول گیا ”مسیح نے ہمیں بل
 یا“ باغبان کے کپڑے پہن لئے ”اُسی طرح شکل تالی“ ص ۱۵۵ اور پھر اپنے دو رمان سر دیا بیس۔ اور رراق
 کی منعت میں خلاف واقع لکھتے ہیں کہ ”مسیح پر بیماریاں اور عوارض معمولی لوگوں کی طرح آتے تھے“ (جلد اول
 ص ۶۶) حالانکہ مسیح کا ایک دن کے لئے کبھی سر بھی نہیں دکھا۔ وہ تو سرتاپا شفا اور دوا تھے۔ پھر انہوں نے
 ان سے سبھی بڑھکر یہودہ باتیں لکھی ہیں۔ کہتے ہیں ”یسوع مسیح کے چار بھائی اور دو بہنیں تھیں۔ یہ یسوع کے

اچھا صاحب وہ قبر تاج گنج کار و صفہ ہی مگر مردہ تو باغ عدن کی ہوا کھا کر بھی زندہ نہیں ہوتا۔ و صفتہ اور جالینوس نے بھی مردہ نہیں جلایا ہے۔

پس اگر جیسا تم بڑی تاکید سے تسلیم کر رہے ہو واقع صلیب کے بعد مسیح پھر اپنے دوستوں کو نظر آئے۔ اُن کے ساتھ کھایا پیا رہے ہے۔ تو وہ ضرور زندہ ہو گئے اور مر کر اُٹھے اور ہم کو تمہارے مقابلے میں اسکے ثابت کرنے کی بھی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی :

مگر اس زندہ شدہ جسم کے بارے میں مرزا جی نے چند غیر متعلقہ شبہات اٹھائے ہیں۔ وہ کہتے ہیں ”قبر سے نکلنے کے بعد (مسیح کے) جسم کی کوئی تبدیلی نہ ہوئی“ ص ۷۷ ”مسیح اُسی فانی اور معمولی جسم سے اپنے حواریوں کو ملا“ ”ایک جلالی جسم کے ساتھ جو موت کے بعد خیال کیا گیا ہے۔ مسیح سے فانی جسم کے عادات اور سونا اور کھانا اور پینا اور سونا اور گلیل کی طرف ایک لمبا سفر کرنا جویر و شلم سے قریباً ۷۰ کوس کے فاصلے پر تھا بالکل غیر ممکن اور نامعقول بات ہے“ ”اسپر صلیب اور کیڑوں کے تازہ زخم موجود تھے جن سے خون بہتا تھا اور درد تکلیف اُن کے

یعنی حقیقی بھائی اور حقیقی بہنیں تھیں۔ یعنی سب یوسف اور مریم کی اولاد تھی، باوجود یوسف نجار کی پہلی بیوی کے ہونے کے پھر مریم راضی ہوئی کہ یوسف نجار کے خلیج میں آئی، "وہلا قتل صہ سہم" صلا تم نے انجیل شریف کے کسی باب اور آیت کا تو والد یا ہوتا جہاں یوسف کی دوسری جود کا ذکر تھا اور خداوند مسیح کے حقیقی بھائیوں اور بہنوں کا۔ بظاہر ہجرت کی بات ہے کہ جو شخص اپنے منہ میاں میں تھوٹے تھوٹے منوں کا عظیم الشان امام ہے۔

(عبدالقل ص ۳۳) وہ ایسے نواباٹیل زبان سے نکالے اور خدا کے بندوں سے نہ شرائے تُو ریت سے نبی سے قرآن سے حدیث سے دینی و دنیوی تاریخ سے غلط حوالے دے۔ لکھا کچھ ہو بیان کچھ کرے۔

مرد دلجو کے بھائی کی طرح گریہ عقدہ حل ہو جانا ہے جب ہم یاد کرتے ہیں کہ مرزا جی کے کوئی معصوم برادر بچاں برابر غم قادر بھی ہیں جن کی رند خواب میں آپ کو سنایا کرتی ہے اور وہی آپ کی ہر بے نیکی بات کے جوہرہ بھی ہیں یہ کوئی پڑھے حق پرست نہیں نے کتب آسمانی میں تحریریں کیں سو حقیقت نفع تیار کئے اور مرزا جی کو دکھلا بھی دئے۔ جھگڑا کا زیادہ حال تو معلوم نہیں ابھی صرف اس قدر بتا لگا ہے کہ قرآن میں انہوں نے ایک بہت بڑی تحریف

ساتھ تھے جس کے واسطے ایک مرہم بھی تیار کی گئی تھی۔ ص ۵۱۵

کر کے کشف کی حالت میں مرزا جی کو پڑھ کر سنا دیا تھا۔ انا انزلناہ قلوبنا من القادریان اور پھر وائس صفحہ میں شاید قریب نصف کے موقع پر یہی عبارت لکھی ہوئی ہے اپنے نسخہ قرآن میں جو ان کی تلاوت میں بہتا ہے دکھلا بھی دی دو کھیر ازالہ الامام ص ۱۱۱ پس کیا عجب کہ یہ تمام جھوٹی باتیں بھی انہیں حضرت کی ساختہ پر داختر ہوں جسطرح آپ پیش مسیح ہے اسی طرح تائید روح القدس کی مائمت میں آپ نے اس قادر کو تلاش کیا اسی سے اشارہ قادر مطلق کی طرف دھونڈنا ص ۱۱۱ ہم بھی کہتے ہیں جیسی روح ویسے فرشتے۔ مگر مرزا کو جگتے ہیں ہمیشہ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ”وائس“ جانب جگہ جھوٹ اور جھوٹوں کی ہوا کرتی ہے اور عیسائی نہ اس انجیل کے قائل ہیں نہ مسلمان اس قرآن کے جو آپ کے برادر عزیز دافتر تئیر کی تلاوت میں رہا کرتے ہیں۔ بھلا ایسے شخص کے ساتھ عقل و فضل سے بحث کرنا کیوں نہ فضول ہو ہم تو اپنی کتابیں دیکھتے ہیں۔ اور اس کے حوالے مرزا غلام قادر کے اوٹین پر مبنی ہیں۔

فصل دوم در بیان یہاں ایک اور بات بھی معلوم ہو گئی کہ مرزا جی کے قبل گاہ تو کوئی ایسے شخص گزرے کہ خود فرزند ارشد انجیلی وفات پر گریا فرماتے ہیں عینین مہر زندگانی مردہ بہ۔ پھر کوئی بھائی صاحب تھے جن کی نسبت آپ لکھتے ہیں یہ اور ایسا ہی میل بھائی مجھے پیش آیا اور وہ ان باتوں میں میرے باپ کے مشابہ تھا۔ پس خدا نے ان دونوں کو وفات دی۔ اور زیادہ دیر تک زندہ نہ رکھا اور اُس نے مجھے کہا ایسا ہی کرنا چاہیے تھا تا جہ میں حضور مت کرنے والے باقی نہ رہیں۔ کیونکہ یہ لوگ زندگی میں مرزا صاحب کی جان کو روٹے رہے اور بے ادبی سے سمجھا کئے کہ آپ کام چور نوادہ حاضر ہیں جو صرف روتی کھانے کا شریک ہوتے ہیں ”ولائف اور کشن۔ ریو یو پندرہم ص ۱۱۱“ انکو کیا خبر تھی کہ یہی خود وہاں ہیں۔ اور جو عمری نے کہا تھا آپ ہی پر صادق آتا ہے جس جہر میں کہ روٹن کو ہر باہن پر بکھو ضرور کہنا پڑا ہے کہ اگر مرزا غلام قادر مرحوم کتابوں میں تشریف نہ کرتے تو بہت خوب آدمی تھے۔ ۱۲

لہذا آپ یہ بھی لکھتے ہیں ”قریباً ہزار بیٹی پرانی کتابوں میں ایک مرہم لکھی ہوئی ہے۔ جو مرہم عینے اور مرہم حوائس اور مرہم شلنگا کے نام سے مشہور ہے ان کتابوں کے تمام فاضل مؤلف گواہی دیتے ہیں کہ یہ مرہم حضرت عین کے خضوں کے لئے بنائی گئی تھی“ ص ۱۹۱ جلد اول۔ اس قول کی لغویت بلا دلیل عیاں ہے۔ جب کتابوں

فانی اور جلالی جسم | ہمارا دعوے صرف یہی تھا کہ مسیح کو صلیب دی گئی وہ مہر گئے۔ پھر زندہ ہوئے اور
 اپنے شاگردوں سے ملے پہلی اور چوتھی بات کو تم خود مانتے ہو دوسری کو ہم نے ثابت کر دیا اور تیسری
 بات تمہارے اقرار اور ہمارے اثبات کا لازمی نتیجہ ہے۔ اب فانی اور جلالی جسم۔ یہ بالکل ایک دوسرا
 مسئلہ ہے جس کا حل کرنا ہماری بحث کے لئے لازمی نہیں۔ مگر تمہاری خاطر ہم یہ بھی ردوار کھتے ہیں۔
 جسم سب فانی ہیں بلکہ ایک مٹی میں رُوح بھی فانی ہے۔ خدا نے رُوح پر سے فنا کا حکم مٹا دیا اور وہ
 غیر فانی بن گئی اسی طرح بہشتیوں کے جسم پر سے بھی خدا فنا کا حکم مٹا کر اس کو جلالی جسم کر دیا۔ مگر ہم
 کو بالکل نہیں معلوم کہ فانی اور جلالی جسم کے درمیان کونسی عادات مشترک ہیں۔ قرآن میں لکھا ہے
 اِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ بَشَرًا مِّثْلَ الَّذِيْ لَوْ كُنُوْا كُوْفُرًا مِنْهُ اَوْ اَنْبِيَاۡءًا
 یُّحٰی اَطْوٰتٰی اور وہی ملائکہ مژدوں کو۔ پس سچ جو مر چکے تھے اُنکو خدا نے جلا دیا۔ جو قبر میں
 داخل ہو چکے تھے اُنکو اٹھا کھڑا کیا اور یہی ہمارا ایمان ہے۔ بیشک مسیح مژدوں میں سے جی اٹھا
 اور اُن میں سے جو (موت کی نیند) سو گئے تھے بیدار ہوئے اور اسی وجہ سے قیامت اور آخر
 کا علم جسے بعد ایا مژدوں کے جسم جلالی ہو جائیگے اس میں نہ کسی مسلمان کو شبہ ہے اور نہ

(البتحیث) کا نام صفحہ دسہر تا کر آپ سینکڑوں جھوٹ بول سکتے ہیں تو بلا نام و نشان کتابوں کے حوالے سے
 آپ نے کیا کچھ نہیں بجا ہو گا آپ کے تمام فاضل مؤلفوں کے ذرائع معلومات کیا ہو سکتے ہیں ہنسی کے زخموں کا حامل صرف
 تین ہی فرقوں کو معلوم ہو سکتا تھا یہودی یا عیسائی اور یہ دونوں زخموں کے قابل ہیں مگر مریم کے نہیں۔ یا
 مسلمان اور یہ دونوں باتوں کے منکوم ہیں۔ پس وہ کون لوگ تھے اور کس بنیاد پر کہ گئے کہ مریم حضرت عیسیٰ
 کے زخموں کے لئے بنائی گئی اب یہی بات کہ کسی مریم کا نام مریم عیسیٰ یا مریم شفاور کھا گیا تھا تو وہ کیوں جاتے ہو
 خود پنجاب میں علاوہ آپ کے پیشینہ کے معرق میاں اور نوجوان مسلمانوں کے اشتہارات چھپ رہے ہیں۔ ہر حافظ طیب
 کے علاج کو مسلمان کہتے ہیں۔ شرعاً معشوق کو سیحاد اور عیسیٰ نفس باندھا ہے۔ پس اگر زمانہ سلف کے کسی ایسے
 مریم کا نام مریم عیسیٰ کھا گیا تھا تو اُس سے یہ عجوبہ کیا کہ اسکو عیسیٰ نے جوڑ کیا اور عروایوں نے نہ کہ کب کیا مسواقت اور اہل کچھ نہیں
 مگر ہم مجھے مطلب یہی دیکھتا ہوں کہ حضرت مسیح اور ان کے حواریں بھی طاری
 طرح ایک پانڈیکس ادویات باندھے پھرتے تھے۔ خوب عکس نہیں مول تو حسرت کی ہے۔

کسی عیسائی کو پس مسیح کے زندہ جسم کے جلالی جسم ہونے میں کیوں شبہ کیا گیا؟ اس پر بھی ہم کو تعجب آتا ہے کہ کوئی مسلمان اہل قرآن کھلواداشترکوہ صحنیا پر ایمان لاکر کھانے اور پینے کو جلالی جسم کے منافی بلکہ غیر ممکن اور ناممکن بات بتا دے۔ شاید نعمائے جنت سے وہ منکر ہو گیا ہے۔

خداوند مسیح کے زندہ شدہ جسم کے خواص کی بابت مرزا نے ایسی غلطیاں کی ہیں جو خود اسکے مقبول خیال کو ضد میں ہیں۔ جب جمعہ کی شام کو مسیح قبر میں در آئے اور حالت غشی میں تین رات دن یوں کی طرح بے آب و دانہ تعزین میں رہے اور تیسرے دن یعنی اتوار کی صبح کو کیوں کہ تازہ زخم موجود تھے جسے خون بہتا تھا اور درد اور تکلیف اُنکے ساتھ تھی اور زخم بھی کیسے کہ سینوں کے دایرہ پاؤں کے تلووں میں۔ تو ایسے زخمی شخص کے لئے "جیل" کی طرف ایک لمبا سفر کرنا جو یرشلیم سے قریبا ستر گوس کے فاصلے پر تھا، کسی باہوش شخص کے ذہن میں کیسے آسکتا ہے؟ زخمی و مجروح پیر اور ستر گوس "پا پاد" مسافت صاف نہ پائے رفتن نہ جائے ماذن اسی کو کہتے ہیں محض اس ایک واقعہ سے ثابت ہو جاتا ہے کہ اب مسیح کا کوئی فانی اور معمولی جسم نہیں تھا۔ یہ زخم ظاہری تھے بے درد اور بے تکلیف "یہ جلالی جسم بطور علامات شہادت نمودار تھے اور دکھلا رہے تھے کہ آپ کے مبارک جسم میں کوئی بہت بڑی تبدیلی واقع ہو چکی تھی۔"

ہم افسوس کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں ایک ایسا "عظیم الشان امام" ہو جاوے جس درجہ جاہل و نادان نکلا کہ اس کو نہ عیسویت کی حقیقت سے آگاہی نہ اسلام سے وقوف اور پھر بھی دعوائے ہمہ دانی۔ ابھی اُس نے کھانے پینے کو جلالی جسم کے منافی کہا تھا اور اب مسیح کے زخموں پر اقرار کرتا ہے کہ "نئی زندگی کے ساتھ زخموں کا ہونا ممکن نہ تھا" ص ۱۵۱۔

مسیح کے زخموں کی حقیقت بخاری مسلم میں حضرت سے روایت کی گئی ہے کہ شہداء و قیامت کو اپنے زخم جسم پر لے ہوئے اچھٹکے مامین مملووم یکلم فی سبیل اللہ الا جاع یلوم الفیاضۃ و کلہذید حی اللون حیم والرحمۃ حسدک (شارقی الانوار ستمبر ۱۹۰۸ء) کوئی

زخمی ایسا نہیں جو اللہ کی راہ میں گھائل ہوا ہو گروہ قیامت کے دن زخم تبا آئینگارنگ سکازنگ خون کا ہو گا اور بلو اس کی ٹشک کی۔ کون زخم مسیح کے زخموں سے زیادہ خدا کی راہ میں لگے؟ پھر کیوں قصب کیا جاتا ہے کہ اپنی قیامت میں مسیح اپنے زخموں کو جسم پر لئے ہوئے اٹھے؟ انجیل کی شہادت عرف اسی قدر ہے کہ مسیح کے جسم پر پانچ زخم دو ہاتھوں میں دو پاؤں میں دو ایک پسلی میں موجود تھے جن کو انہوں نے اپنے شاگردوں کو دکھلایا اور جن کی وجہ سے انہوں نے آپ کو پہچانا کہ آپ ہی جسم کے ساتھ جی اٹھے۔ مگر ان زخموں میں نہ کوئی درد تھا نہ تکلیف نہ ان سے غم جاری تھا اور نہ وہ کسی مرہم کے محتاج تھے:

”جس سے کہ زندہ ہوجانے کے بعد خداوند مسیح نے اپنے شاگردوں کے ساتھ کھایا پیا گریہ کہیں نہیں لکھا کہ آپ کو کبھی بھوک یا پیاس لگی یا بھوک اور پیاس کی درد بھی موجود تھی، جیسا مرزا جی نے لکھا ص ۱۵۔ صرف اسی قدر معلوم ہوتا ہے کہ اپنی حقیقی بعثت کو اپنے شاگردوں پر ثابت کر دینے کی غرض سے تاکہ ان کے تمام شک و شبہ دور ہو جائیں آپ نے انکی تسکین کی خاطر ان کے ساتھ کھانا کھایا (دیکھو تو باب ۲۴ آیت ۴۲)۔ یہ ہرگز نہیں ثابت ہو سکتا کہ دراصل بھی آپ کو صافی خدا کی اصلاح تھی:

”مسیح کے اب رہا سونا۔ سوا انجیل میں کہیں نہیں لکھا کہ بعد زندہ ہونے کے آپ کبھی سوئے بھی جیسا زندہ شدہ مرزا کو اصرار ہے۔ یہ قول بھی مرزا جی کا بالکل باطل ہے کہ قبر سے نکلنے کے بعد مسیح کے جسم کی تبدیلی جسم کی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔“

ایک تبدیلی یہ تو وہ خود شاہد ہیں کہ ایسے بڑے زخم پاؤں کے ٹپوں پر لئے ہوئے مسیح ”پا پاد“ کے کوس کا سفر کر گئے اور نہ کوئی مکان پیدا ہوا نہ مانگی۔ کیا یہی فلانی اور معمولی جسم کے آثار ہیں؟ پھر لکھا ہے کہ مسیح اپنے شاگردوں کے ساتھ قصبہ عمواس میں ایک مکان کے اندر رخصت ہوئے تھے کہ چاک وہ انکی نظر سے غائب ہو گیا (دو ق ۲۴)۔ کہئے کیا لطافت بھی معمولی جسم کا خاصہ تصور کیا گیا ہے؟

پہ لکھا ہے کہ ایک مکان کے اندر شاگرد جمع تھے جبکہ ”دروازہ سے یہودیوں کے ڈر سے بندھے“
مگر دروازہ بند ہی رہا اور یسوع اگر بیچ میں کھڑا ہوا اور ایسا ہی ایک اور دفعہ صبح بند دروازوں میں
سے شاگردوں کے درمیان آگئے یوحنا ۱۹: ۲۷-۲۸ تو کیا یہ بھی فانی مسمومی جسم کی کوئی خاصیت ہے؟
اب کہئے آپ کا وہ سخن کیسا لغو تھا کہ مسیح ”بغیر پتھر کے ہٹائے جانے کے باہر دفن کر کے نہ نکل سکتا تھا“
ص ۵۵ پتھر اس لئے ہٹایا گیا کہ مسیح کے دوستوں کو قبر تک رسائی ہو سکے ورنہ اس جلائی جسم کے
لئے لکڑی اور پتھر کچھ سہارا نہ تھا۔ پھر اُس کے بعد رفیع آسمانی کی بابت لکھا ہے کہ ”انکے دیکھنے والے تھے
اوپر اٹھایا گیا اور بدلی نے اُسے اُنہی نظروں سے چھپایا“ (اعمال ۱: ۱۰) یہ کس جسم کی تعریف ہوئی؟
پھر کئی برس بعد وہ دو پہر بڑی چکا چوندھ والی بجلی کے ساتھ آپ مقدس ایلیوس پر ظاہر ہوئے
اور ان سے یہ کلام ہوئے (اعمال ۲۷: ۹) کیا تم اب بھی جلالی جسم کے قائل نہ ہو سکتے؟

۵۔ اوبانہ دور از مطلوب خویش سعی ضائع ریج باطل پائے ریش

مصرزاکا خبط کشمیر افشائے راز مزار خان یار، نوٹو دوش روسی سیاح نے یہ
افسانہ گھڑا تھا کہ لدارخ میں سفر کرتے ہوئے میری ٹانگ ٹوٹ گئی اور میں نے ہمیں میں لا بائیوں
کی خانقاہ میں پناہ لی وہاں لاموں نے میرا علاج کیا اور میں اچھا ہو گیا۔ وہیں مجھ کو خبر لگی کہ
نوٹو دوش بھی کا فسانہ اس خانقاہ کے کتب خانہ میں ایک بہت قدیم قلمی نسخہ ہے جس میں یہی عینے کی
سرگزشت درج ہے کہ کیونکر بعد بلوغ وہ ہندوستان کی طرف تشریف لے گئے۔ کاشی جی میں اس
کیا وہاں برہمنوں کے علوم حاصل کئے اور پھر تبت لوٹ آئے۔ جہاں بُدھوں نے آپ کو بُدھ کا
ایک قنار مان کر قبول کر لیا بعد ازاں آپ اپنے ملک یہودیہ کو واپس گئے اور وہاں رشتہ منوں
کے ہاتھ سے شہید ہو گئے۔

نوٹو دوش نے کہا وہ نسخہ میں نے دیکھا۔ اُس کا ترجمہ کر لیا اور اب یورپ کی زبانوں
میں اسکو شائع کرتا ہوں۔ اُس نے یہ بھی کہا تھا کہ تبت کے لاما بھی عینے کے ترجمہ سے قائل ہیں
اور اُنکے نام سے خوب واقف۔ مگر پیش بندی اور چالاک کی سے اُس نے یہ بھی لکھ دیا تھا کہ وہ

لوگ کسی اور کو اپنی کتاب نہ دکھائی گئے اور اگر کوئی اس بارہ میں اُن سے استفسار کر گیا تو وہ صاف انکار کر جائیگے۔ کیونکہ وہ کسی یورپین سے بات بھی نہیں کرتے۔ میں نے تو بڑی حکمت عملی سے انکا یہ دینی راز پایا ہے اس وقت یہ بیان میں اپنی یاد سے لکھتا ہوں نوٹوڈش کی کتاب میرے پاس موجود نہیں، یورپین محققین نے موقع پر جا کر تفتیش کی اور بالکل ثابت ہو گیا کہ نہ نوٹوڈش لداخ گیا نہ ہمس میں بکنا نہ اس خالقہ میں کوئی اُسے جانے۔ نہ وہاں کوئی ایسا کتب خانہ ہے۔ نہ لاما علیے کے معتقد ہیں نہ انکے پاس کوئی سوا غنمری مسیح کی موجود ہے۔ نوٹوڈش نے روپیہ کمانے کو ایک ناول لکھ کر شائع کیا اور جہاں دیدہ بسا اور گوید دروغ کا نمونہ دکھلایا تھا اب اُسی پرانے مضمون میں تصرف کر کے ہمارے مرزا جی نے اپنا قصہ بنایا مگر بہت ہی نکما۔ اور یہ دعویٰ کیا کہ مرزا جی کے وعادی [۱] اہل نہایت مضبوط دلائل سے ثابت ہو گیا کہ پھر مسیح سیر کر تا ہوا کشمیر میں آیا (۲) باقی حصہ عمر کا کشمیر میں بسر کیا جلد ازل (۳ ص ۲۲) (۳) اپنی اُن قوموں کی طرف گیا جو کشمیر اور تربت وغیرہ مشرقی ممالک میں سکونت رکھتی تھیں، یعنی (۴) بنی اسرائیل جو مسیح سے ۲۱ برس پیشتر ہندوستان کی طرف آکر اس ملک کے متفرق مقامات میں سکونت پذیر ہو گئے تھے (۵ ص ۹)۔ مسیح نے جب ملک پنجاب کو اپنی تشریف آوری سے مخبر بخشا تو اس ملک میں خدا تعالیٰ نے انکو بہت عزت دی (۶ ص ۲۲)۔ (۷) لاکھوں انسانوں نے اس جسم کی آنکھ سے دیکھ لیا کہ حضرت علیے علیہ السلام کی قبر سری نگر کشمیر میں موجود ہے (۸ ص ۲۲) (۹) چونکہ حضرت مسیح کی دعوت میں آنے والے نبی کے قبول کرنے کے لئے وصیت تھی اس لئے وہ دس مرتبے جو اس ملک میں آکر افغان اور کشمیری کہلائے آخر کار سب کے سب مسلمان ہو گئے (۱۰ ص ۲۳)۔

لے جب ہمارے ضمن چھپ چکا تو ایک دوست کی عنایت سے مرزا صاحب کار از حقیقت ہمارے ہاتھ لگا۔ اس میں آپ فرماتے ہیں ”حال میں جو یہی بیان نے ایک انجیل لکھی ہے جسکو ٹن سے میں نے رنگوایا ہے وہ بھی اس میں ہم سے متفق ہے (۱۱) یہ کہ شرم آتی ہے کہ وہ ہاؤسپرڈیکٹر ہے۔ اُسی کی کتاب سے آپ یہ یقین بھی تحریر فرماتے ہیں ”یہ بات یقینی اور پختہ ہے کہ ہر مذہب کی کتابوں میں کس کے کس ملک میں آنے کا ذکر ہے، یہ عوام جہاں کو ان کتابوں اور کتب خانوں کی حقیقت معلوم ہو گئی کہ وہ متعلقہ ساتھ کوہ تاف میں ہیں۔“

یہ سات متفقہ دعوے مرزا جی نے کئے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ ہر دعوے کے لئے آپ نے کون کون سے مضبوط دلائل دئے ہیں :

دعوے نمبر ۲ و ۳ وہ کے لئے آپ مضبوط کیا معنی کوئی کمزور دلیل بھی نہیں لائے حالانکہ نمبر ۲ آپ کے بے دلیل دعووں کی بنیاد ہے اور صرف اسی حرص میں کیا گیا کہ قادیان بھی کسی طرح اُس خطے میں آجائے جس پر مسیح کے مبارک و مقدس قدم پڑے تھے۔ مگر مرزا جی کو کم سے کم مقامی جغرافیہ تو پڑھ لینا چاہئے کہ پنجاب اہم با مسیحی ملک صرف وہ حصہ ہندوستان کا ہے جو زیرِ کرہ پانچ دریاؤں کے بیچ واقع ہے اور کشمیر سے بالکل جدا۔ مگر آخر یہ طوالت و تلبیزی کیوں؟ مرزا غلام قادر کو چاہئے تھا کہ کشف میں وہ آپ کو نقشہ ہندوستان دکھا کر انگلی سے بتا دیتے کہ آپ کا دولت خانہ عین اُس جگہ کے بیچوں بیچ کے درمیان واقع ہے جہاں حضرت مسیح ٹھہرے تھے۔ اور قادیان کا دوسرا نام سری نگر ہے :

دعوے نمبر ۴ کا پہلا حصہ تو مسلمانوں کا اعتقاد ہے جس کے لئے ہم کوئی دلیل نہیں طلب کر سکتے مگر اسکو دوسرے حصے کے ساتھ لفظ ”اُس“ کے لئے سے ربط دینا دلیل کا ضرور محتاج ہے۔ مرزا جی کو ثابت کرنا چاہئے کہ انخانوں اور کشمیریوں کے اسلام قبول کرنے کا باعث یہی تھا کہ انکے پاس حضرت مسیح کی وصیت آنے والے نبی کے حق میں موجود تھی۔ کیونکہ بلا ایسی وصیت کے بھی اسلام قبول کیا جا سکتا تھا :

مرزا جی مشکل میں پھنسے یہ دعوے ثابت تو ہو نہیں سکتا مگر اس سے آپ کی مشکلیں بہت بڑھ گئیں۔ جب کشمیری اور افغان بنی اسرائیل ہوئے اور انہوں نے بیک کہکرا اپنے تئیں مسیح کی رسالت پر سوجان سے قربان کر دیا اور اسلام کی آمد تک سچے عیسائی بنے رہے بلکہ بنی موعود کے حق میں مسیح کو بھی رکھا کئے تھے کہ انکو قبول کر کے مسلمان بھی ہو گئے تو ثابت ہو گیا کہ اسلام اور عیسویت کے درمیان ایک پورا پکا اور لگاتار سلسلہ اُنکے ہاتھ میں رہا۔ پس اُنکے پاس سے اسلام میں وہ انجیل عیسائی بھی آنا چاہئے جسکی تصدیق قرآن شریف نے

کی جو دست بدست ایمانداروں سے ایمانداروں کو پہنچی تا آپکو ان انجیل کاروں باقی نہ رہے
 جو بقول جناب اس قدر پائیدار اعتبار سے ساقط ہو گئی ہیں اور آپ کے ہاتھ میں کوئی معتبر انجیل
 نہ آجائے کیونکہ اگر اسکا نام بھی مثیل مسیح نے نہ کیا تو دوبارے کی بات ہے۔ حیرت ہے کہ مریم عیسیٰ
 تو آپ نے دھوڑھوڑھکا لا مگر انجیل عیسیٰ کا پتہ نہ لگایا۔ پھر انہیں لوگوں کے ہاتھ سے ہم کو حضرت
 مسیح کی صحیح احادیث بھی ملنا چاہئے اور قادیانی بدعی کے حق میں مسیح کی بشارت بھی۔ پھر شریوں
 اور انجانوں نے جھجھج آنے والے بنی کو بلا عقد قبول کر لیا اسی طرح وہ آنے والے مثیل کا
 بیہوش قدم کرنے کے لئے چشم براہ بیٹھے ہوئے ملینگے۔ تو پھر اسے مرزا تم سچے مسلمانوں سچے
 عیسائیوں اور سچے مسلمانوں کے دیس یعنی افغانستان سے کیوں دور ہو؟ مسیح تو دور دراز سفر
 اختیار کر کے ان لوگوں کے پاس آئے اور تم پاس بیٹھے ہوئے ان سے اس قدر کیوں دور ہوتے
 ہو؟ کیوں تمہاری دعوت کی آواز کابل میں نہیں سنائی دیتی؟ کیوں تم کو ان لوگوں سے گریز ہے
 کم سے کم اسی بات میں مثیل مسیح ہونا دکھلاؤ کہ جھجھج اہل مسیح کو افغانوں نے قبول کر لیا اسی طرح
 اور کم تو اس قوم کی تخری و ابلی و جہل سے زیادہ امید رکھنا چاہئے۔ علاوہ بریں اب تو مسلمانوں
 کی طرف سے تم کو کچا پس نہرا کر انعام بھی دیا جاتا ہے اس شرط پر کہ تم کابل ہو آؤ۔ مگر شاید تم کو
 غالبہ پاک پنجاب سے جھکو مسیح نے اپنی تشریف آوری سے فخر و جھٹکا معارف کو ارا نہیں اور
 مسیحی سلطنت میں صلیب کے سایہ تلے مرنے کو سعادت دارین سمجھتے ہو۔ اسی وجہ سے تم نے اسلام
 کتاب سے بڑا فرض اللہ علی الناس حج البیت ترک کیا اور اسی لئے مسیح موعود بنکر اپنے نبی
 کو جھٹلایا جس نے خدا کی قسم کھا کر کہا تھا و الذی نفسی بیدہ یسہلین ابن صریح لہ صبح
 الذو حاء حاجا مسیح ضرور حج کرینگے کہ مسلمانوں کو حج افسوس تمہارے دعووں پر۔ واپس
 ان پر جو اسلام کا دم بھرتے ہوئے انکو قبول کر لیتے ہیں۔

دوسرے نمبر کی ذیل صرف یہ ہے کہ برنیر وغیرہ علماء فرنگ کا خیال ہے کہ کشمیری یہودی
 ہیں صلت تو پھر اس میں آپکا کیا احسان اور اس کو آپ کی نحو کیواس سے کیا علاقہ؟ کہ مسیح اور

مسیحیوں کی اس

انہی والدہ کشمیر کو آئے انکو عیسائی کیا اُنکے درمیان رہے اور حضرت مسیح نے ۲۵ برس کی عمر میں خان یار میں انتقال فرمایا اور دفن ہوئے اور وہاں کاروضہ آپ کی قبر ہے۔ بچلہ آدمی۔ مجھے کچھ اگلی بچیا بھی سوچتا ہے وہ بچے آج تک نہ معلوم ہوئے کہ میرے مقدّمات کیا ہیں اور کیا نتیجہ نکالنا ہوں؟ یہ بڑی دل لگی کی بات ہے کہ تمام دعووں کی دلیل کا خانہ تو آپ نے طعنہ یعنی خالی رکھا اور اُس میں جلی قلم سے لکھا یہ نہایت مضبوط دلائل سے ثابت ہو گیا نہ صرف دلیل سے بلکہ دلیل کی جمع دلائل سے۔ اور دلائل کیسے کہ مضبوط۔ اور مضبوط کے لئے بھی ایک صفت لائی۔ ”نہایت“ اور پھر ”ثابت ہو گیا“ وہ کیسے جیسے گدھے کے سر پر سینگ۔ اب ساری ہمت آپ نے ”قبر“ کی کشمیر پر صرف کر دی اس کے دلائل سنئے۔

بوسیدہ کتابیں پہلی دلیل پُرانی کتابیں دستیاب ہوئی ہیں جو اس قبر کا حال بیان کرتی ہیں
جلد اول ص ۱۹۷

ارے میاں وہ کون کتابیں ہیں اور کب اور کہاں اور کس کو دستیاب ہوئیں؟ انکا مصنف کون ہے اور پھر وہ کتنی پُرانی ہیں؟ وہ اصلی یا جعلی ہیں اور اُس کا ثبوت کیا؟ ان باتوں میں سے کسی ایک کا جواب نہیں دیا جاتا۔ مگر ہم کو اندیشہ ہے کہ مرزا جی کا کوئی خلیفہ کسی آئینہ نمبر بریلو میں لکھ دے کہ ”جواب کیوں نہیں۔ ان میں سب سے متبر اور پرانی کتاب کا نام سلسلین بن الدین ہے۔ جو حضرت تلامذہ و پیارہ نور احمد مرقدہ کو اس وقت دستیاب ہوئی تھی جب وہ اکبر بادشاہ کے ساتھ کشمیر کو آئے تھے۔ اور اب وہ شیخ جعفر زلی طاب ثراہ کے کتب خانہ میں رکھی ہوئی ہے جو کب تک دیکھ آئے۔ ایک لاکھ سے زیادہ نوگ اس کو پڑھ چکے اور اُس کی ایک نقل مطلق اصل تلامذہ کی روح چاہے بھی ہے جو نہ مانے مبالغہ کر لے“

مئے ہوئے کتب لکھ و مسوری دلیل پُرانے کتب کے دیکھنے والے بھی نہاد و ستے ہیں کہ عیسوی مسیح کی قبر ہے۔ وہ کتب کہاں ہے؟ کس زبان میں لکھا ہوا ہے اسکا مصنف کون کیا ہے اور کس کس نے اسکو پڑھا اور اُسکے پُرانے ہونے کی کیا دلیل ہے؟

پہلے سوال کا جواب مرزا جی نے یہ دیا تھا کہ ”وہ غان یار کی قبر کے اوپر ہے۔“

جب محققین نے لوگوں کو بتلایا کہ مفروضہ ”قبر کے اوپر کوئی بھی کتبہ نہیں تو مرزا دم بخود ہو گئے مگر اسکے مرید نے یہ فرما دیا کہ یہ کتبہ مسیح کی قبر سے ایک میل کے فاصلے پر کوہ سلیمان کی چوٹی پر ایک کادہ کے اندر پڑا ہے۔“ (ص ۱۲۱) اب سری نگر میں رہنے والوں کو خوب معلوم ہے کہ وہاں قرب جوار میں کسی کوہ سلیمان کا وجود بھی نہیں پس وہ قلعہ اور اس کے اندر کا پڑا ہوا کتبہ سب مرزا جی کے دوران سر کے نتائج ٹھیکے۔ ہمارے باقی سوالوں کا جواب مرزا جی نے یہ دیدیا اور ہم ان کے مشکوک ہوئے کہ کتبے پر کا ”نوشتہ اب مٹ گیا“ اچھے موقع پر حرف غلط کی طرح یہ نوشتہ مٹ گیا کہ یاروں میں بات رہ گئی۔ بھلا ہم کیسے مانیں کہ ایسے عزیز الوجود کتبے کو مرزا جی کے مریدوں نے کوہ سلیمان کی چوٹی پر ایک قلعے کے اندر پڑا کر رہنے دیا ہوگا۔ اسکو سزا نکھوں پر لا کر دارالامان قادیاں میں جہاں عقل و عقل کے کسی فتنہ کی گزند نہیں مرزا جی کے گھر پہنچا دیا ہوگا۔ تو وہ بل جس پر برسوں مرزا جی کے گھر میں مصلح الپا اور جو بہت کچھ گھس گئی ہے وہ یہی کتبہ ہوگا۔ بھلا پتہ کیسے نہ لگتا ہے؟

کئی لاکھ جغ وید گواہ [تیسری دلیل] ”سریلا اور اس کے نواح کے کئی لاکھ آدمی ہر وقت کے بالاتفاق گواہی دیتے ہیں کہ صاحب قبر مرصہ انیس سو سال کا بڑا ملک شام کی طرف سے اس ملک میں آیا تھا“ جلد ۱۹ ص ۴۱۹ +

ان گواہوں کو آپ بتلا دیجئے کہ حضرت مسیح کو پیدا ہوئے ۱۹ سو برس ہیں ہوئیں پس کشمیر میں آنے

لے مرزا جی اپنے انگریزی دور رقہ اشتہار جس میں خود بدولت اور غلن یار والی قبر کے نوٹ بھی دیئے ہیں مسخرہ اول میں لکھتے ہیں لوگوں نے اپنی ہی آنکھوں سے ایک پڑا نیکل اب شاہوٹا نوشتہ قبر کے اوپر پڑھا ہے۔ نوشتہ تو قبر کے اوپر بیان کیا گیا اور اسکے پڑانے ہونے کی دلیل بہت متعل ہے کہ وہ شاہوٹا ہے مگر اس کی کوئی دلیل مرزا نے نہ دی کہ جن آنکھوں نے اس کو پڑھا وہ چوہ نہیں تھیں۔ ملے ناظرین ابھی اور کتبوں کے لئے آپ تیار ہیں کیونکہ راز حقیقت میں مرزا جی اعلان دے چکے دیکھنا اس مزار کے ساتھ کچھ کتبے ہوئے جو ابھی مخفی ہیں۔ غالباً دھینے کے طور پر اس قبر میں بعض چیزیں مدفون ہو چکی ہیں (ص ۱۸۰) یہ دو غائبانہ لہجہ کا دیتے ہیں ÷

کے لئے کم سے کم ۵۰ برس تو ہونا چاہئے کیا گواہ آپ کے یہ سمجھے کہ مسیح کشمیر میں پیدا ہوئے ؟
اب راز حقیقت میں ان گواہوں کی گپ سنئے : ”قریباً ۱۹۰۰ برس سے یہ مزار ہے“ ص ۱۵۱ +
انیس سو برس تو مسیح کو پیدا ہوئے گذرے ۱۲۵ برس آپ کی عمر ہوئی اور ۱۹۰۰ برس سے مزار موجود ہے
تو سو سو برس قبل دفات مسیح کے مزار بن گیا ”ادریہی متیہ لوگوں کی شہادت ہے“ کس مسخ سے نے ان
بیوقوفوں کو ۱۹۰۰ کا عدد دنا دیا ہے۔ اگر ہم ان پر حرج کرتے تو یہ بھی کہہ دیتے کہ ”۱۹۰۰ برس سے ہم اسکو
دیکھتے بھی آئے ہیں“

گواہوں نے تو آپ کے جھوٹ بولا مگر ہم سچ کہتے ہیں کہ ”کئی لاکھ آدمی ہر فرقے کے بالاتفاق
اکو کشمیر کے رہنے والے بالخصوص“ اس دروغ بے فروغ پر جو کچھ آپ کو کہہ رہے ہیں کسی کان نہ کھنے
والے پر پوشیدہ نہیں۔ مگر ذرا غور کر دکھ بقول مزار یہ روایت تو ایسی مشہور اور قدیم اور سلسلہ دار اور
کشمیر میں زبان زد خاص و عام۔ اور پھر بھی جمعہ جمعہ اکٹھے دن ہوئے کہ قادیاں کے لوگوں کو اسکی خبر ہوئی
اور انہیں کے منہ سے پبلک کے کانوں تک پہنچی ابھی کل تک تو مرزا جی کو کبھی اسکی خبر نہ تھی گو آپ
فی احسنی الاہراف پنجاب میں کشمیر کے زیر سایہ ساری عمر بسر کر چکے۔ وہ آپ ہی تو ہیں جو ازالہ الامام
ص ۳۷، ۳۸، ۳۹ پر مسیح کی قبر کا پتہ یہودیہ دیس میں بتلاتے رہے اور لکھ چکے ”مسیح اپنے وطن گلیل میں
جا کر فوت ہو گیا“ اور خوار یوں کو کشنی طور پر مسیح ابن مریم مرنے کے بعد جبکہ وہ گلیل میں جا کر کچھ عرصے
کے بعد فوت ہو گیا۔ ہم دن برابر نظر آتا رہا۔“ پس آپ نے ایسی مشہور اور مضبوط روایات سے کیسے انکار
کیا تھا؟ کیا قدامت اور شہرت اسی کا نام ہے ؟

یہودی جوتھی دلیل۔ ”ایک یہودی نے بھی اس کی تصدیق کی کہ قبر واقع سری نگر یہودیوں
شاہ کے انبیاء کی قبروں کی طرح ہے“ جلد اول ص ۱۹۰ +

باطل سنت آنچند معی گوید۔ جب کبھی آپکو مسیحیت کے بارے میں کوئی شاہد رکا رہو کوئی نہ کوئی
یہودی فوراً فریاد کو نہج کیا۔ آپ نے اُس یہودی سے پوچھا ہوتا کہ یہودیوں کی قبروں میں اور انبیا
کی قبروں میں اور پھر یہودی اور مسلمانوں کی قبروں میں خاص کیا فرق رکھا گیا ہے جس سے

ایک تبرکزدوسری سے پہچان سکتے ہیں۔ آپ بھی بہت سادہ لوح ہیں اس یہودی نے انکو بتلایا ہے۔ اول تو آپ خود مان چکے کہ اس قبر کا طرز دفن مسلمانوں اور اہل کتاب سے خاص ہے پس کریں جائز نہیں کہ یہ قبر کسی مسلمان کی ہے؛ دوم یہ قبر مسلمانوں کے محلے میں واقع ہے اس سے بھی اسکا مسلمان کی قبر ہونا ثابت ہے۔ ہاں ایک بات ضرور ہے کہ تم کہتے ہو کہ ”قبر کے مغربی پہلو کی طرف ایک سوراخ واقع ہے۔ یہ سوراخ کسی قدر کشادہ ہے اور قبر کے اندر تک پہنچی ہوئی“ اور تم خود اقرار کرتے ہو کہ ”قبروں میں اس قسم کا سوراخ رکھنا کسی ملک میں رواج نہیں“ راز حقیقت صاف اہم ایسے آپ اپنے منہ سے یہودی سے پوچھ لیجئے کہ پتہ تم نے کیسے اس قبر کو یہودیوں کے انبیاء کی قبروں کی طرح چھل دیا؟ کس بنی کی قبر میں پول نکلا؟

اب یہ بات آپ ہم کو سمجھا دیجئے کہ اس قبر کے پاس ”قدم رسول“ کہاں سے آگئے مجرورہ بنفط رسول مسلمانوں کی اصطلاح میں صرف آنحضرت کے لئے بولا جاتا ہے پس یا تو یہ سب محض لغو باتیں ہیں بے سرو پایا آپ اب یہ تیاری کر رہے ہیں کہ کہیں شب مزاج حضرت اس قبر عیسیٰ کی زیارت کو تشریف لائے گئے ہوں؟

خان یار خیر اب ہم آپ کی خاطر مانے لیتے ہیں کہ کسی نامعلوم طریقے سے یہ قبر یہودیوں کے انبیاء کی کاجو ترہ قبروں کی طرح ضرور ہوگی تو پھر کیا ہر چو ترہ جو بنی کی قبر کے انداز کا بنا ہو بنی کی قبر قرار دیا جائیگا؟ قبر کسی ستھیں یا ما بنی پشت چو ترہ کو نہیں کہتے۔ قبر وہ ہے جسکے اندر کوئی مردہ دفن ہو۔ آپ کے دعوے میں رد و جز ہیں۔ پہلا یہ کہ حملہ خان یار یا سری نگر میں جو چو ترہ ہے وہ قبر ہے یعنی اُس میں کوئی مردہ گرا ہے دوسرا یہ کہ مردہ مسیح کا لاشہ ہے۔ پس جب آپ یہ کہتے ہیں کہ ”لاکھوں انسانوں نے اس جہم کی آنکھ سے دیکھ لیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر سری نگر کشمیر میں موجود ہے“ تو آپ بذیان کہتے ہیں۔ جو شے ”جیم کی آنکھ سے“ لاکھوں انسانوں نے دیکھی وہ صرف ایک تو وہ فناک ہے۔ نہ انسانوں نے کبھی مسیح کو دیکھا نہ مسیح کے لاشے کو دیکھا۔ بلکہ انہوں نے تو اُس لاشہ کو بھی نہیں دیکھا ہر اس قبر میں رکھا بیان کیا جاتا ہے۔ بلکہ حق بات تو یہ ہے کہ اس بات کا بھی

کوئی جھوٹا یا سچا گواہ نہیں ہو سکتا ہے کہ اس تو وہ خاک کے نیچے کوئی لاشہ بھی ہے یعنی ابھی یہ بھی نہیں ثابت ہوا کہ جسکو آپ قبر کہتے ہیں وہ کوئی قبر ہے چہ جائے کہ وہ مسیح کی قبر یا مریم کی قبر ہے۔

صدر لفظ کی قبر ہم چلتے ہوئے یہ سوال بھی کر چکے کہ ایسی ہمان نواز نبی پر در قوم کشمیری نے حضرت مسیح کی قبر تو محفوظ رکھی مگر حضرت مریم جو بزرگ نما حضرت مسیح کے ساتھ کشمیر شریف لائی تھیں انکی قبر کہاں گئی؟ ان کی قبر تو ضرور ملنا چاہئے کیونکہ انکا انتقال تو حضرت مسیح کی صین حیات ہوا۔ ان کی قبر تو حضرت مسیح کی زیر نگرانی بنی ہوگی۔ آپ تو اس ملک کے ”شہزادہ بنی“ تھے۔ سارے لوگ آپ کے معتقد تھے یہ قبر تو ضرور یہودیوں کی انبیاء کی ماؤں کی قبروں کی طرح ہوگی۔ اور یہ بھی دیکھی ہی نہیں اور مشہور ہونا چاہئے جیسے مسیح کی قبر پس آپ کا فرض ہے کہ آپ حضرت مریم کی قبر کا پتہ بتاویں۔ چاہئے تو یہ ہے کہ اسی روضہ صاحب میں جو دوسری قبر کسی سید فیہ الدین کے نام سے مشہور ہے اسکو آپ فوراً قبر مریم ثابت کریں ورنہ بنا بنایا کیسے لکھ رہا ہے۔ ذرا اس مٹے ہوئے کتبے کو دیکھنی فانک گلاس سے پھر تو پڑھئے؟

علم اللسان پانچویں دلیل اور یہ مرزا جی کی بیان قاطع ہے۔ اور شاید ہی وہ عظیم الشان علمی تحقیقات ہے جو یورپ اور امریکہ کے محقق ”لوگوں کے سامنے پیش کی جاتی ہے جلد ۱۹“ یہ ضرور علمی دلیل ہے کیونکہ فیلاوجی یعنی علم اللسان کے متعلق ہے۔ ناظرین ذرا ہنسی روک کے سننا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر سری نگر کشمیر میں موجود ہے اور جیسا کہ گلگتہ یعنی سری کے مکان پر حضرت مسیح کو صلیب پر کھینچا گیا تھا ایسا ہی سری کے مکان پر یعنی سری نگر میں انکی قبر کا ہونا ثابت ہوا۔ یہ عجیب بات ہے کہ دونوں موقعوں میں سری کا لفظ موجود ہے یعنی جہاں حضرت مسیح علیہ السلام صلیب پر کھینچے گئے اس مقام کا نام بھی گلگت یعنی سری ہے۔ اور جہاں انیس صدی کے اخیر میں حضرت مسیح علیہ السلام کی قبر ثابت ہوئی اس مقام کا نام بھی گلگت یعنی سری ہے اور علوم ہوتا ہے کہ وہ گلگت کہ جو کشمیر کے علاقہ میں ہے وہ بھی سری کی طرف ایک اشارہ ہے ص ۱۲۳-۱۲۵

ہم کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ جو ایک لطیفہ میں کوئی مرزا رطل الیوق بالقاہر کسی مرزا منصور بن موسیٰ کے صاحبزادے گزرے ہیں وہ آپ ہی کے کوئی علاتی بھائی تھے۔ اور ہم نے جو اس دلیل پر غور کیا تو ہم کو یہ دُخن ہو گیا کہ مرزا جی بٹری ہو گیا اور اب قادیان کا مناسب نام بٹری نگر ہونا چاہئے۔ یہ عجیب بات ہے کہ بٹری کی خرابی سے بٹری بن جاتا ہے اور مرزا جی کی بٹری میں فتور ہے۔ ان کو خود بخود اقبال ہے کہ انکو دوران سراور کی دوران خون کی بیماری بدن کے اوپر کے جھٹھے میں ہے جلد اول ص ۳۷ دوران سراور کا ٹھٹھا اردو ترجمہ ”سریچھڑا“ ہے۔ اور سر بٹری سے مراد بٹری ہونا ہوتا ہے اس پر سند استاد کے کلام کی لیجئے۔

فداو سے ہماری کرے کون : سر کس کا پھر ہے یوں سر کون
مرزا جی کی دلیل ہم کو نہیں چھیتی۔ ہم اس سے بہتر لطیفہ سن چکے ہیں۔ ایک پڑانے استاد نے عورت کی بچہ میں کہا۔ لفظ زن مصدر زنوں سے نکلا ہے۔

اگر نیک بودے سراخام زن : زناں را زن نام بودے نزن
اگر انکو معلوم ہوتا کہ زن کو سنسکرت میں ناری کہتے ہیں تو پھر کٹاٹھتے۔ اور سمجھ جاتے کہ بعد یا برین نے عورت کو جہنمی کہا دیا۔ ان سے بھی بڑھ کر لوگ گزرے ہیں۔ ایک صاحب نے کانے کی مذمت میں نص قرآن پیش کر دی اور نظم میں۔

کانے کی بات کامت کر دیقین : لکھا ہے قرآن میں کان من الکاذبین

اب حقیقت اس بٹری کی سٹونجس مقام پر خداوند سبح کو صلیب دی گئی اسکا نام نہ سری ہے اور نہ گلگت بلکہ گول گٹھا جو معروف ہے اور جس کا ترجمہ مختلف زبانوں میں مختلف الفاظ سے ہو سکتا ہے۔ اور ہماری اردو زبان میں جس کا ترجمہ کھوڑی کا مقام مدرس ۱۵، مگر وہ مقام ترجموں کے اعتبار سے جو ہمیشہ مختلف ہوتے ہیں مشہور نہیں ہو سکتا بلکہ اصلی لفظ کے اعتبار سے جو گول گٹھا ہے۔ اور جو تسمیہ اس کی یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ ایک ٹیلا تھا بے برگ و گیاہ کا سہر یعنی کھوڑی کے مشابہ اور قتل ہونے کے باعث وہاں مردوں کی کھوڑیاں بھی پڑی رہتی تھیں

اور یہ ایک وحشت ناک مقام تھا جسکو کوئی صوری یا معنوی مشابہت یا مناسبت کشمیر سے ممکن نہیں ہے۔

گرمزاجی کی بجزیری کی داد دینا چاہئے۔ سری اردو زبان میں گلہ گو کہتے ہیں یعنی مذہب و جانوروں کے سر کو پس چاہئے تھا کہ وہ سری اور کھوڑی میں تمیز کرنا۔ یہ گلگت کو بھی گولگتھا سے کچھ مناسبت نہیں۔ لفظی نہ معنوی۔ مرزا تو یہاں اُس کاتب سے بھی بڑھ گئے جس نے قرآن شریف میں ختم موہنی کو خریٹے پڑھا تھا۔ گلگت ایک شہر کا نام ہے جو اس نام کے دریا پر کوئی ۱۰۰ میل پر کشمیر سے واقع ہے پس اگر ہمارا دیوانہ گولگتھا کہ گلگت بھی بنا دیتا تو بھی گلگت سری نگر بن سکتا۔ اور سنئے سری نگر کو مرزاجی سری کامکان کہتے ہیں اور سری کو کہنی کھوڑی سمجھتے ہیں۔ ان پارسے کو کیا معلوم کہ سری سنسکرت لفظ ہے۔ اور نام ہے لکشمی دیوی کا۔ اور سری جی یعنی لکشمی کا شوہر دشنو کو کہتے ہیں۔ اور لکشمی سے منسوب ہونے کی وجہ سے اس شہر کا نام سری نگر یعنی لکشمی کا شہر رکھا گیا۔ مرزاجی کی یہ دلیل نکلتی ہے ”بلکہ سوا اور راء سے مرکب ہے۔ جس کے معنی ہیں کہ میں اسکو بہت بڑا دیکھتا ہوں“ جلد ۱ ص ۶۷ +

اس دلیل میں ایک لطف یہ ضرور ہے کہ مرزاجی نے دعویٰ کہ صلیب کا کیا تھا اسکی پاداش میں اسکو خود اپنے ہاتھ سے سری نگر میں اچھا خاصہ صلیب نصب کرنا پڑا اور سری نگر کو انہوں نے آپ گویا خداوند مسیح کی صلیب کی یادگار قرار دیا۔ خوب کہا ع

جادو وہ جو سر پہ چڑھنے کے بولے

باب ۱۰ و ۱۱ [یہ لکھتے ہوئے ہمارا ذہن ایک اور طرف منتقل ہو گیا اور اب مرزاجی ہماری بات کو منقریب لے نیگے۔ سری نگر سے یہ گلگت پہنچے مگر مقصود انکا لداخ تھا اور کشمیر کا علاقہ ہے۔ حد میں لکھا ہے کہ جب مسیح نازل ہوئے تو دجال کو قتل کر نیگے باب ۱۲ کے پاس۔ فیقتلہ عند باب ۱۲۔ مرزاجی کو ہندوستان کے باہر کلنا نہیں گویا کے معنی ہی آپ نبی مباح تھے ہیں۔ ص ۲۲ پس کھونٹے سے بندھنے والا کیونکر مثیل مسیح ہو سکتا ہے؟

حدیثوں میں بیان ہوا کہ مسیح دمشق میں نازل ہو گئے۔ کعبے کو تشریف لائیئے اور باب لُد کے پاس دجال کو قتل کر گئے پس مرزا جی نے قادیان کو کتبہ قرار دیا وہیں منارہ و دمشق کا بنایا۔ پنجاب کو بیت المقدس اور کشمیر کو مدفن مسیح بتایا۔ پھر بھی لُد کی کسر رہی جاتی تھی۔ لُد کے معنی جھگڑا تو بنائے تھے مگر اب لُد خ ہو گا لُد خ اور اگر جھگڑا لودہ ملا تو جھگڑا کا خ یعنی بجائی مل جائیگا۔ اور یہ لطیف اشارہ عند باب لُد کی طرف ہوا اس کو مرزا جی کے مرید سمجھ جائیگے ملداخ میں پادری لوگ بھی ہیں اور پادریوں کو مرزا جی و جلال بتاتے ہیں اور چونکہ سرکاری عملداری سے لُد خ دور ہے کیا عجب جو قصد ہو کہ وہاں کسی پادری کو اکیلا ڈکیلا یا کراڑوں اور رانچے جیلوں سے کہوں کہ لُد خ سے باب لُد کے پاس میں و جال یا اس کے بجائی کو مار آیا ہے۔

غرضیکہ کچھ تو حاصل مرزا جی پُرانی کتابوں پڑانے کہتے "اور لاکھوں انسانوں کی چشم دید شہادت" کا تھا اب آپ اپنے خواب پریشان کو ثابت کرنے کے لئے انجیل اور قرآن اور حدیث کی طرف رجوع کر کے ایک اور ہی بنیاد کا شواہد کھلائیئے۔ مگر مرزا جی کے راز حقیقت کو بڑے حکمران کا ایک ازناش ہو گیا آپ نے لکھا ہے کہ قبر کے مغربی پہلو کی طرف ایک سوراخ واقع ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ اس سوراخ سے نہایت عمدہ خوشبو آتی رہی ہے یہ سوراخ کسی قدر کشادہ ہے اور قبر کے اندر تک پہنچی ہوئی ہے عوام کہتے ہیں کہ اس میں کوئی خزانہ ہے مگر یہ خیال قابل اعتبار نہیں معلوم ہوتا ص ۱۰۹ +

عمدہ خوشبو آنا کیوں بند ہو گئی؟ یا تو یہ زری گپ تھی یا مرزا جیوں کے قدم کی برکت۔ بھلا اگر آجکل کثرت سے خوشبو نکلتی تو کوئی بات بھی تھی۔ اسکا قادیانی مدعی کے عہد میں موقوف ہو جانا کسی خوست کا نشان ہے اور اس اصل حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے کہ مرزا جی کو عوام کی اس بات کا پورا یقین ہو گیا ہے کہ اس قبر میں خزانہ لڑا ہے اب آپ اور آپ کے چیلے اس قبر کے منتقد بنکر وہاں کے مجاور بننا چاہتے ہیں اور لوگوں کو اس طرف سے غافل کر کے کہ خزانہ کا خیال باطل ہے اور یہ کہہ کر کہ کتبے کے طور پر اس میں بعض چیزیں مدفون ہیں اس قبر کو ایسے ایسے جیلوں اور بہانوں سے کھدوا کر دیکھنا چاہتے ہیں تاکہ کسی معلوم نہ ہو اور ایک لُغ فارون ہاتھ لگائے۔ اور اسی حرص طبع میں آپ قرآن پر دام تنزیروال رہے ہیں۔ یہ ہے راز حقیقت :-

مرزا کا خبط کشمیر

اور شہادت انجیل و قرآن و حدیث

اول - انجیلی دلائل

کاٹھ پٹکا لگایا۔ جناب مرزا صاحب فرماتے ہیں ”مقدس کتاب میں لکھا ہے کہ جو کوئی کاٹھ پٹکا لگایا گیا سو لعنتی ہے اور لعنت کا ایک مفہوم ہے کہ جیسے مسیح جیسے برگزیدہ پر ایک دم کے لئے بھی تجویر کرنا سخت ظلم اور نا انصافی ہے۔“ پس بلاشبہ یہ بات ثابت ہے کہ مسیح مصلوب نہیں ہوا یعنی صلیب پر نہیں مرا۔“ جلد ۲ ص ۱۰۱ ”صلیب خدائے تعالیٰ کی طرف سے جہاں ہم پیش کی موت کا ذریعہ ہے پس جو شخص صلیب پر مر گیا وہ جہاں نہ موت مرا ہو لعنتی موت ہے“ ص ۱۸۱ و ۱۸۲۔ وہ شخص کس درجہ مشہور و علم دین سے بے بہرہ ہو گا جو یہ مان لے کہ محض کاٹھ پٹکا یا جانا کسی کو لعنتی کر سکتا ہے۔ کیا کوئی بے جرم برگزیدہ خدا کا دروں اور ظلموں کے باعث سے ملعون ہو سکتا ہے؟ جس تارک نماز نے لاکھوں اصالوٰۃ سے سند پکڑی مٹی وہ فہم و فراست میں قادیاں کے امام صاحب سے زیادہ محتاج

۱۔ اے ناظرین سن لو کہ کتاب مقدس میں کیا لکھا ہے۔ ”اگر کوئی شخص ایسے گناہ کا مرتکب ہو جو مستوجب سزا موت ہے اور وہ قتل کیا جائے اور تو اسکو درخت پر لٹکائے تو اس کی لاش رات بھر درخت پر نہ لٹکنے پائے۔ بلکہ تو ضرور اسکو اُسی دن دفن کر دینا۔ کیونکہ جو لٹکا یا گیا وہ خدا کا لعنتی ہے۔“ تورات کتاب استغنا باب ۱۷ آیت ۲۲ و ۲۳۔ اس سے روشن ہے کہ نہ ہر شخص قتل کیا گیا بلکہ وہی ایسے گناہ کا مرتکب ہو کر قتل کیا گیا جو مستوجب سزا موت لعنتی عورتانہ و گناہم ہونے کی کسی

عیسائی نے کہا کہ عاذا اللہ حضرت مسیح کسی گناہ کے مرتکب ہوئے جس کی پاداش موت تھی اور وہ قتل صلیب کی شرمندگی کئے گئے اور پھر صلیب پر لٹکائے گئے۔ پھر ایسی ہیودہ تقریر کر کے کیوں چار دانگ عالم میں رسوا ہوتے ہو؟ ہاں اس قدر سچ ہے کہ ہیودیوں کے درمیان ”صلیب کی شرمندگی بہت بڑی تھی کیونکہ یہ نفاقانہ مجموعوں کو دی جاتی تھی اور جو لوگ عدالتوں سے مجرم ٹھہر کر مصلوب ہوتے وہ دراصل بھی لوگوں کی نظروں میں مرتکب جرایم اور ملعون سمجھے جاتے تھے۔ اسی غرض سے انہوں نے روح اللہ کو ذلیل کرنے کی خاطر نہ صرف صلیب کی شرمندگی بلکہ مشہور چروں کے ساتھ مصلوب بھی کروایا تاکہ عوام الناس اس سردار و وجہان سے برگشتہ ہو کر آپکانام ہمیشہ رسوائی کے ساتھ یاد کریں دشمنوں نے دراصل آپ کو مصلوب ہونے کی وجہ سے ملعون کہہ کر اپنے لئے ہمیشہ کی لعنت کمائی اور اہل عرفان پر اپنی خباثت اور شیطنت ثابت کر دی۔ اور انہیں کی لعنت مقدس یوس نے فرمایا ہے ”میں تمہیں جتنا ہوں کہ جو شخص خدا کی روح کی تحریک سے بولتا ہے وہ نہیں کہتا کہ یسوع ملعون ہے۔“ (د۔ قننی ۱۴: ۱۱) یہ ناپاک کلام صرف اسی کی زبان سے نکلیگا جو شیطان لعین کا ہنر بنا ہو گیا ہو۔

تاہم اس میں کوئی کلام نہیں کہ حق اللہ اور حق العباد ادا کرتے ہوئے بھی صلیب کے اوپر حضرت مسیح کا شہید ہو جانان لوگوں کے سامنے بدنامی کا باعث ظاہر ہوگا آپ کی رسالت اور مسیحیت اور آپ کی برگزیدگی اور عصمت کے قائل نہ تھے پس ایک زمانے کی رسوائی اور بدنامی کو خدا کی راہ میں مسیح نے یوں گوارا کر کے صلیب موت کو کیا اختیار کیا گویا ہمارے لئے لعنتی بنکر اور ہمیں بول لئے کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا دگلتی ۱۴: ۱۱ اُس نے شرمندگی کی پروا نہ کی اور صلیب کا ڈنکہ سیدنا دجبرانی ۱۴: ۱۱ اور خدا کے وعدوں کا صبر و استقلال سے انتظار کیا اور پھر وہ وقت دیکھا جب آپ کی بیگناہی اور عصمت کا سارے جہان نے ایک زبان ہو کر اقرار کر لیا اور صلیب کو خدا کی رحمت کا نشان مان لیا اور بجز ہلاکت کے فرزند کے کون ہے جو صلیب کو لعنت کرتا ہے؟

مصلوب ہونا اور مرزا ہم یہاں مرزا جی سے یہ بھی پوچھینگے کہ کس سند سے تم نے "مصلوب نہیں ہوا" کو یعنی صلیب پر نہیں مرا کھدیا۔ کیا مصلوب ہونا اور مر جانا ایک ہی بات ہے؟ کیا تم نے خود نہیں لکھا کہ "صلیب پر لٹکا رہنے کے بعد بعض شخص جانبر ہو گئے" ص ۱۹۳ کیا مصلوب صرف اسی کو کہیں کہتے جو صلیب پر کھینچا جائے خواہ مرے خواہ نہ مرے؟ کیا تم ہم کو نہیں بتا چکے کہ "تینوں مصلوبوں کو صلیب پر سے اتار لیا" اور ہڈیاں توڑنے کے بعد "یقین کیا جانا تھا کہ اب مصلوب مر گیا انا اللہ اللہ اللہ ص ۱۹۸ اور عیسائیوں کا عقیدہ بھی تو یہی ہے کہ "عیسٰی صلیب پر کھینچا گیا مر گیا" پس تم کو اب کبھی نہیں بھولنا چاہئے کہ مصلوب ہونا اور مرنا جدا جدا باتیں ہیں ایک بات نہیں ہے؟

پھر قول غت ربود تو آپ نے یہ پیش کیا تھا۔ "تو کوئی کاٹھ پر لٹکایا گیا سو لگتی ہے۔" اور آپ بڑے زور و شور سے مان چکے کہ عیسٰی ضرور صلیب پر لٹکائے گئے تو اب خود دیکھ لو کہ تمہاری تقریر کا نتیجہ لعنت ہو گیا یا نہیں؟

صلیب کے مرزائے اس پورے تقریر کو بار بار تکرار اپنی کتابوں اور اشتہاروں میں بیان کیا ہے ہم اور پرشادات ہمیشہ اُس کے منہ سے یہی سنتے ہیں جو شخص صلیب پر مر گیا وہ مہرمانہ موت مرا جو لعنتی موت ہے۔ اہل کتاب کی کتب مقدسہ سے تو مرزا کی جہالت ہالیہ کی چوٹیوں سے بھی زیادہ بلند ہے۔ لیکن اگر اُسکو اپنی دینی کتابوں سے بھی ذرا واقفیت ہوتی تو بھی وہ ایسا فردود سخن زبان سے نکالتے تامل کرتا کہ محض صلیب پر لٹکا جانا انسان کو لعنتی کر دیتا ہے۔ اُسکے ذہن میں آتا ہی نہیں کہ بے گناہ مصلوب ہو جانا خدا کی نظر میں سوائے شہادت کے اور کچھ نہیں۔ ہم آج اُسکو بھلائے دیتے ہیں تاہم یہ کفر آمیز فنگو اُس کے منہ سے نہ سین۔ فرعون نے اُن جادو گروں کو جو اپنے کفر سے توبہ کر کے موسیٰ پر ایمان لائے اور قوم کے سامنے علانیہ شہادت دی ہاتھ پاؤں کاٹ کر صلیب پر کھینچ دیا اور صلیب پر قتل کر ڈالا صلیب تکم فی جذوع النخل (سورہ بقرہ) اور سلم شریف میں آنحضرت نے قصہ اصحاب الاخذ و دیں فرمایا کہ کس طرح ایک کافر بادشاہ نے ایک ولی کامل صاحب کشف و کرامات کو صلیب کے اوپر کھینچ دیا پھر اُس کے ایک تیر مارا جو مصلوب کی گئی

پر حال لگا اور وہ وہیں مگر یا صلیبہ علی جذیع۔ ثم سماہ فوضع السهم فی صدرہ
فمات۔ اب مرزا بتلا دے کہ وہ ان مومنین آل فرعون اور اس ولی اللہ پر کیا حکم لگاتا ہے
جن کو کافروں نے ایذا میں دے کر صلیب کے اوپر مار ڈالا۔

پھر کیوں تجویز کیا جاتا ہے کہ مسیح کے لئے صلیب پر لٹکنا تو ضروری تھا مگر ماضوری
نہ تھا۔ کیا محض اس لئے کہ خان یار کی تکیہ داری آپ کو مل جائے اور آپ سری نگر کے
مجاہد بن جائیں؟

حضرت مسیح کی دعا اور مسیح کی دعا۔ ہم کو مرزا جی کے کسی قول فعل کا اعتبار نہیں۔ ابھی آپ
اس کی قبولیت فرما چکے تھے کہ مسیح نے خدا کی مرضی کے خلاف دعا مانگی، جلد ۱ ص ۵۰
پھر بھول گئے اور ہم کو تاکید کر کے فرمایا "یقیناً سمجھو کہ وہ دعا جو کتنسی نام مقام میں کی گئی تھی ضرور
قبول ہو گئی تھی" جلد ۲ ص ۱۷۔ پھر اسی دعا کو آپ نے "صلیب سے محفوظ رہنے کے بارے میں"
ایک بہت بڑی انجیلی شہادت قرار دے دیا۔ اور پھر خود ہی یہ مان بیٹھے کہ مسیح مصلوب بھی ضرور
ہوا ہے۔ صلیب ہی پر شدت درو سے بہوش ہو گیا "جلد ۱ ص ۲۲" غرضیکہ کل عقوبتیں پھیلیں
مگر مرے نہیں۔ پھر جب لوگوں نے سمجھا دیا کہ یہ کیا بک گئے "صلیب سے محفوظ رہنے" کے تو کوئی
معنی نہ ہوئے۔ تو آپ نے یہ فرما دیا کہ مسیح نے دعا اس لئے کی تھی کہ "خدا اے تمہارے اے صلیب
کی لعنتی موت سے بچائے" جلد ۲ ص ۱۹۔ اور اس قول کے لئے آپ نے استدلال اس کلام سے
کیا "جو کوئی کاٹھڑ پر لٹکا سو لعنتی ہے" اب ہم نے اسکا مطلب بھی آپ کو سمجھا دیا فکشفنا
عندک غطاءک +

یہ بات سمجھنے کی ہے کہ موت ایسی چیز نہیں جس سے کوئی حفاظت مانگے محلّ نفس
ذالقة الموت۔ مگر موت کی سختی سے جان کنڈن سے جہانی عذاب سے ضرور امان مانگی
جاتی ہے اور خدا کی مرضی کی متابعت میں مسیح نے بھی ایسی دعا کی کہ "اگر ہو سکے تو یہ پالہ مجھ سے
ٹل جائے" تاہم میری نہیں بلکہ تیری مرضی پوری ہو اور اس دعا کا راز بھی شاگردوں کو بتلایا

”روح تو مستعد ہے مگر جسم کمزور ہے“ متی باب ۲۶ یعنی مسیح نے عقوبت اور جسمانی عذاب کی تلخی سے مشیتِ ایزدی پر راضی ہو کر دُعا کی تھی ہرگز موت سے امان نہیں مانگی اور وہ دعا حاضر و مقبول ہوئی۔ اگر کسی شخص کے اوپر ایک پوجہ اُپڑے اور وہ اُس سے بچنے کا خواستگار ہو تو وہ طریق سے اُسکی عرض قبول کی جاسکتی ہے۔ یا تو بوجھ ہلکا کر دیا جائے یا اُسکے براہِ راست کرنے کے لئے کافی زور اور صبر اُسکو عطا کیا جائے۔ مسیح نے موت کے درووں سے بچنا چاہا اور خدا کی مرضی کو اپنی سپر ٹھیکہ پس خدائے روحانی انتظام کر دیا۔ ابھی آپ دعا کر رہے تھے کہ ”آسمان سے ایک فرشتہ اُسکو دکھائی دیا وہ اُسے تقویت دیتا تھا، تو قیامت اور اُسکا نتیجہ انجام کار یہ ہوا کہ آپ نے اُس خوشی کے باعث جو آپکی نظروں کے سامنے تھی شرمندگی کی پروا نہ کی اور صلیب کا وہ کٹھن سہلایا“۔ عجمانی ۲۔

اگر آپ پر عقوبتوں کی یورش ہوئی تو خدا کے فضل سے آپ نے صبر و تحمل تسلیم و رضا سے جواب دیا اور ان صفات کو ابتلا کی غائت میں اس فراوانی سے ظاہر کیا کہ جلا وہ بھی عیش و عشرت کرنے لگے۔ دریا رحمت میں آپ نے اپنے تئیں ایسا فنا کر دیا کہ قاتلوں کو مستحقِ شفاعت گردانا اور درگاہِ کبریائی میں دُعا کی اسے باپ اُنکو صاف کر کیونکہ وہ نہیں جانتے کہ کیا کرتے ہیں“ تو قیامت مڑا جی اس بات کو کیا سمجھ سکتے ہیں یہ تو ایسے عارفوں کے سمجھنے کی ہے جیسے حضرت شیخ الاکبر گذرے۔ اُس وقت عرشِ بریں سے کیا کیا رحمتیں آپ پر نازل ہوئیں۔

صلیب کی شان آکر وہ کاتھ بواوروں کے لئے لعنت کا تہ تھا آپ کے وجود باوجود سے لگ کر نشانِ حرمت ہو گیا۔ صلیب ہی تو ہے جسکے پرچم تلے آپ کا سر و سر پر جھاٹھا ہے۔ فوراً اس صلیب کے سایہ سے باہر نکل کر آنا تو بوجھ صلیب ہی تو ہے جو تاجِ برطانیہ کو رونق دے رہا ہے جس کے آگے تم سر ٹیک رہے ہو۔ اور جس کے اوپر سے حدقہ ہو جانا اپنی سادات سمجھتے ہو۔ تم اور کس صلیب چھوٹا منہ بڑی بات! یہ غفلِ عالم کے آبدیدہ کا سینا ہوا اُسکو حضرت مسیح آپ اکھٹا کر لیں تو اُکھڑے پس آپ کو جلد معلوم ہو جانا چاہئے کہ مسیح کی دعا و استجابت کے لئے موت سے بچ جانا اور سری لنگر کو مطلقاً ضروری نہیں۔ مسیح کی بوجھ دعا تھی وہ صلیب ہی کے اوپر منظور ہوئی۔

ایلی ایلی صلیب کی سختیوں میں حضرت مسیح کی زبان سے نکلا تھا "ایلی ایلی لما سبتقتی"۔ مرزا کی
 لما سبتقتی التعلیل کاری نے اُسکو رخصت نہ دی کہ ذرا بھی اس کلام کا مفہوم سمجھ سکتا۔ جھٹ بول
 دیا مسیح صدق برقامت نہ سکا ایلی ایلی کر کے چنیں مارنا شروع کر دیں "جلد ۱ ص ۱۵۱"۔ یہ بکھر مرزا
 نے اپنے قلب کی حالت ہم کو دکھلا دی اور ہم کو بہت افسوس آیا۔ کیونکہ مسیح کی زبان سے جو
 کلام نکلا وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ "آپ موت تک بلکہ صلیبی موت تک فرمانبردار رہے" غلطی پڑی
 اگر کوئی کسی دیندار مسلمان کو بستر مرگ پر پڑا ہوا الب ہلاتے دیکھے اور وقتاً فوقتاً اُس کے
 منہ سے دو چار ایسے کلمے نکلتے تھے کُل شئی احسینا۔ انا تطیبتنا بکم اور اُس کی وفات کے
 بعد لوگوں سے کہے کہ میں نے تو اُس سمان کو آخر دم تک، ماں سباب گنتے اور بیمار واروں کو
 نامبارک کہتے دیکھا۔ تو وہ لوگ جو واقف ہیں کہ وہ مرد میں سورہ یاسین پڑھا ہوا مرزا اس
 شخص کی چہل و چارواںی پر کس قدر تأسف کرتے تھے مسیح کے کلام پر ایسی ناشائستہ اعتراض مرزا
 نے کر کے واقعہ کاروں کو اپنے اوپر منہ پایا ہے۔ اس بیچارے کو کیا معلوم کہ ایلی ایلی لما سبتقتی
 حضرت داؤد کے بائیسویں زبور کا مطلع ہے۔ اس زبور کو منگی اور عیبت کے وقت ایماندار پڑھتے
 ہیں اور انہیں حضرت مسیح کے درووں کا نقشہ کہینیا ہوا ہے۔ وہ سراسر آپ ہی کے حسب
 حال تھا اور اُس وقت آپ نے اسکو پڑھنا شروع کیا تھا۔

اسرائیل کے گھرانے کی (۳)۔ تیسری دلیل آپ کی مسیح کے یہ اقوال ہیں "میں اسرائیل کے گھرانے
 کا دھڑی ہوئی بیٹریں" انکی کھوئی ہوئی بیٹیوں کو دیکھ کر کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا "متی ۲۳: ۳۷" ابن
 آدم کھوئے ہوئے کو ڈھونڈھنے اور نجات دینے آیا ہے "لوقا ۱۹: ۱۰" آپ لکھتے ہیں "حضرت
 مسیح کے یہ الفاظ کہ میں گم شدوں کی تلاش کرنے آیا گم شدہ فرقوں کے سوائے دوسرے یہودیوں
 پر کسی طرح نگاہ نہیں کرتے" (۱)۔ اور ان گم شدوں سے آپ صرف "وہ بنی اسرائیل جو دور دراز
 ملکوں میں جا آباد ہوئے تھے" مراد سمجھتے ہیں اور پھر ایک تیسری زبردستی سے آپ دور دراز
 ملکوں میں افغان، تاجک اور ہما صا کرشمیر ہی کو شمار کرتے ہیں لہذا عقہہ حل ہو گیا مسیح کو رسلو کا

الٰہی نبی اسکا ایل کہا اس سے قرآن کی مراد یہ ہے کہ آپ کشمیریوں کے رسول ہیں اور اُنہی
 قَدْ جِئْتَكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ میں کم اشارہ کشمیریوں کی طرف ہوا۔ کیونکہ آپ سوائے کم شدہ
 یعنی ملا وطن یہودیوں کے کسی کے پاس نہیں بھیجے گئے۔ اور اُجَلْ لَمْ يَعْصِ اِلٰهَ الَّذِي خَدَمَ
 عَلَيْكُمْ سے یہ مراد ہوئی کہ میں کشمیری یہودیوں پر وہ چیزیں حلال کر دوں جو حضرت بدھ کی
 شریعت میں اُن پر حرام ہو گئی تھیں۔ قرآن انہی تو مزاراجی پر نغم ہو گئی ۛ

ناظرین پر واضح ہو کہ ”کھوئی ہوئی بھیر“ کو کیا ہوا جب انسان پر بولا جاتا ہے تو وہ ایک عام کتابی استعارہ روحانی گمراہی کے لئے ہے اور کھوئے ہوئے کو ڈھونڈنے سے مراد ہدایت بخشا ہے۔ زبور میں ہے ”میں اُس بھیر کی مانند جو کھوئی جائے بھٹک گیا ہوں اپنے بندہ کو ڈھونڈو“ ۱۱۹۔ ۱۲۰۔ ۱۲۱۔ ۱۲۲۔ ۱۲۳۔ ۱۲۴۔ ۱۲۵۔ ۱۲۶۔ ۱۲۷۔ ۱۲۸۔ ۱۲۹۔ ۱۳۰۔ ۱۳۱۔ ۱۳۲۔ ۱۳۳۔ ۱۳۴۔ ۱۳۵۔ ۱۳۶۔ ۱۳۷۔ ۱۳۸۔ ۱۳۹۔ ۱۴۰۔ ۱۴۱۔ ۱۴۲۔ ۱۴۳۔ ۱۴۴۔ ۱۴۵۔ ۱۴۶۔ ۱۴۷۔ ۱۴۸۔ ۱۴۹۔ ۱۵۰۔ ۱۵۱۔ ۱۵۲۔ ۱۵۳۔ ۱۵۴۔ ۱۵۵۔ ۱۵۶۔ ۱۵۷۔ ۱۵۸۔ ۱۵۹۔ ۱۶۰۔ ۱۶۱۔ ۱۶۲۔ ۱۶۳۔ ۱۶۴۔ ۱۶۵۔ ۱۶۶۔ ۱۶۷۔ ۱۶۸۔ ۱۶۹۔ ۱۷۰۔ ۱۷۱۔ ۱۷۲۔ ۱۷۳۔ ۱۷۴۔ ۱۷۵۔ ۱۷۶۔ ۱۷۷۔ ۱۷۸۔ ۱۷۹۔ ۱۸۰۔ ۱۸۱۔ ۱۸۲۔ ۱۸۳۔ ۱۸۴۔ ۱۸۵۔ ۱۸۶۔ ۱۸۷۔ ۱۸۸۔ ۱۸۹۔ ۱۹۰۔ ۱۹۱۔ ۱۹۲۔ ۱۹۳۔ ۱۹۴۔ ۱۹۵۔ ۱۹۶۔ ۱۹۷۔ ۱۹۸۔ ۱۹۹۔ ۲۰۰۔ ۲۰۱۔ ۲۰۲۔ ۲۰۳۔ ۲۰۴۔ ۲۰۵۔ ۲۰۶۔ ۲۰۷۔ ۲۰۸۔ ۲۰۹۔ ۲۱۰۔ ۲۱۱۔ ۲۱۲۔ ۲۱۳۔ ۲۱۴۔ ۲۱۵۔ ۲۱۶۔ ۲۱۷۔ ۲۱۸۔ ۲۱۹۔ ۲۲۰۔ ۲۲۱۔ ۲۲۲۔ ۲۲۳۔ ۲۲۴۔ ۲۲۵۔ ۲۲۶۔ ۲۲۷۔ ۲۲۸۔ ۲۲۹۔ ۲۳۰۔ ۲۳۱۔ ۲۳۲۔ ۲۳۳۔ ۲۳۴۔ ۲۳۵۔ ۲۳۶۔ ۲۳۷۔ ۲۳۸۔ ۲۳۹۔ ۲۴۰۔ ۲۴۱۔ ۲۴۲۔ ۲۴۳۔ ۲۴۴۔ ۲۴۵۔ ۲۴۶۔ ۲۴۷۔ ۲۴۸۔ ۲۴۹۔ ۲۵۰۔ ۲۵۱۔ ۲۵۲۔ ۲۵۳۔ ۲۵۴۔ ۲۵۵۔ ۲۵۶۔ ۲۵۷۔ ۲۵۸۔ ۲۵۹۔ ۲۶۰۔ ۲۶۱۔ ۲۶۲۔ ۲۶۳۔ ۲۶۴۔ ۲۶۵۔ ۲۶۶۔ ۲۶۷۔ ۲۶۸۔ ۲۶۹۔ ۲۷۰۔ ۲۷۱۔ ۲۷۲۔ ۲۷۳۔ ۲۷۴۔ ۲۷۵۔ ۲۷۶۔ ۲۷۷۔ ۲۷۸۔ ۲۷۹۔ ۲۸۰۔ ۲۸۱۔ ۲۸۲۔ ۲۸۳۔ ۲۸۴۔ ۲۸۵۔ ۲۸۶۔ ۲۸۷۔ ۲۸۸۔ ۲۸۹۔ ۲۹۰۔ ۲۹۱۔ ۲۹۲۔ ۲۹۳۔ ۲۹۴۔ ۲۹۵۔ ۲۹۶۔ ۲۹۷۔ ۲۹۸۔ ۲۹۹۔ ۳۰۰۔ ۳۰۱۔ ۳۰۲۔ ۳۰۳۔ ۳۰۴۔ ۳۰۵۔ ۳۰۶۔ ۳۰۷۔ ۳۰۸۔ ۳۰۹۔ ۳۱۰۔ ۳۱۱۔ ۳۱۲۔ ۳۱۳۔ ۳۱۴۔ ۳۱۵۔ ۳۱۶۔ ۳۱۷۔ ۳۱۸۔ ۳۱۹۔ ۳۲۰۔ ۳۲۱۔ ۳۲۲۔ ۳۲۳۔ ۳۲۴۔ ۳۲۵۔ ۳۲۶۔ ۳۲۷۔ ۳۲۸۔ ۳۲۹۔ ۳۳۰۔ ۳۳۱۔ ۳۳۲۔ ۳۳۳۔ ۳۳۴۔ ۳۳۵۔ ۳۳۶۔ ۳۳۷۔ ۳۳۸۔ ۳۳۹۔ ۳۴۰۔ ۳۴۱۔ ۳۴۲۔ ۳۴۳۔ ۳۴۴۔ ۳۴۵۔ ۳۴۶۔ ۳۴۷۔ ۳۴۸۔ ۳۴۹۔ ۳۵۰۔ ۳۵۱۔ ۳۵۲۔ ۳۵۳۔ ۳۵۴۔ ۳۵۵۔ ۳۵۶۔ ۳۵۷۔ ۳۵۸۔ ۳۵۹۔ ۳۶۰۔ ۳۶۱۔ ۳۶۲۔ ۳۶۳۔ ۳۶۴۔ ۳۶۵۔ ۳۶۶۔ ۳۶۷۔ ۳۶۸۔ ۳۶۹۔ ۳۷۰۔ ۳۷۱۔ ۳۷۲۔ ۳۷۳۔ ۳۷۴۔ ۳۷۵۔ ۳۷۶۔ ۳۷۷۔ ۳۷۸۔ ۳۷۹۔ ۳۸۰۔ ۳۸۱۔ ۳۸۲۔ ۳۸۳۔ ۳۸۴۔ ۳۸۵۔ ۳۸۶۔ ۳۸۷۔ ۳۸۸۔ ۳۸۹۔ ۳۹۰۔ ۳۹۱۔ ۳۹۲۔ ۳۹۳۔ ۳۹۴۔ ۳۹۵۔ ۳۹۶۔ ۳۹۷۔ ۳۹۸۔ ۳۹۹۔ ۴۰۰۔ ۴۰۱۔ ۴۰۲۔ ۴۰۳۔ ۴۰۴۔ ۴۰۵۔ ۴۰۶۔ ۴۰۷۔ ۴۰۸۔ ۴۰۹۔ ۴۱۰۔ ۴۱۱۔ ۴۱۲۔ ۴۱۳۔ ۴۱۴۔ ۴۱۵۔ ۴۱۶۔ ۴۱۷۔ ۴۱۸۔ ۴۱۹۔ ۴۲۰۔ ۴۲۱۔ ۴۲۲۔ ۴۲۳۔ ۴۲۴۔ ۴۲۵۔ ۴۲۶۔ ۴۲۷۔ ۴۲۸۔ ۴۲۹۔ ۴۳۰۔ ۴۳۱۔ ۴۳۲۔ ۴۳۳۔ ۴۳۴۔ ۴۳۵۔ ۴۳۶۔ ۴۳۷۔ ۴۳۸۔ ۴۳۹۔ ۴۴۰۔ ۴۴۱۔ ۴۴۲۔ ۴۴۳۔ ۴۴۴۔ ۴۴۵۔ ۴۴۶۔ ۴۴۷۔ ۴۴۸۔ ۴۴۹۔ ۴۵۰۔ ۴۵۱۔ ۴۵۲۔ ۴۵۳۔ ۴۵۴۔ ۴۵۵۔ ۴۵۶۔ ۴۵۷۔ ۴۵۸۔ ۴۵۹۔ ۴۶۰۔ ۴۶۱۔ ۴۶۲۔ ۴۶۳۔ ۴۶۴۔ ۴۶۵۔ ۴۶۶۔ ۴۶۷۔ ۴۶۸۔ ۴۶۹۔ ۴۷۰۔ ۴۷۱۔ ۴۷۲۔ ۴۷۳۔ ۴۷۴۔ ۴۷۵۔ ۴۷۶۔ ۴۷۷۔ ۴۷۸۔ ۴۷۹۔ ۴۸۰۔ ۴۸۱۔ ۴۸۲۔ ۴۸۳۔ ۴۸۴۔ ۴۸۵۔ ۴۸۶۔ ۴۸۷۔ ۴۸۸۔ ۴۸۹۔ ۴۹۰۔ ۴۹۱۔ ۴۹۲۔ ۴۹۳۔ ۴۹۴۔ ۴۹۵۔ ۴۹۶۔ ۴۹۷۔ ۴۹۸۔ ۴۹۹۔ ۵۰۰۔ ۵۰۱۔ ۵۰۲۔ ۵۰۳۔ ۵۰۴۔ ۵۰۵۔ ۵۰۶۔ ۵۰۷۔ ۵۰۸۔ ۵۰۹۔ ۵۱۰۔ ۵۱۱۔ ۵۱۲۔ ۵۱۳۔ ۵۱۴۔ ۵۱۵۔ ۵۱۶۔ ۵۱۷۔ ۵۱۸۔ ۵۱۹۔ ۵۲۰۔ ۵۲۱۔ ۵۲۲۔ ۵۲۳۔ ۵۲۴۔ ۵۲۵۔ ۵۲۶۔ ۵۲۷۔ ۵۲۸۔ ۵۲۹۔ ۵۳۰۔ ۵۳۱۔ ۵۳۲۔ ۵۳۳۔ ۵۳۴۔ ۵۳۵۔ ۵۳۶۔ ۵۳۷۔ ۵۳۸۔ ۵۳۹۔ ۵۴۰۔ ۵۴۱۔ ۵۴۲۔ ۵۴۳۔ ۵۴۴۔ ۵۴۵۔ ۵۴۶۔ ۵۴۷۔ ۵۴۸۔ ۵۴۹۔ ۵۵۰۔ ۵۵۱۔ ۵۵۲۔ ۵۵۳۔ ۵۵۴۔ ۵۵۵۔ ۵۵۶۔ ۵۵۷۔ ۵۵۸۔ ۵۵۹۔ ۵۶۰۔ ۵۶۱۔ ۵۶۲۔ ۵۶۳۔ ۵۶۴۔ ۵۶۵۔ ۵۶۶۔ ۵۶۷۔ ۵۶۸۔ ۵۶۹۔ ۵۷۰۔ ۵۷۱۔ ۵۷۲۔ ۵۷۳۔ ۵۷۴۔ ۵۷۵۔ ۵۷۶۔ ۵۷۷۔ ۵۷۸۔ ۵۷۹۔ ۵۸۰۔ ۵۸۱۔ ۵۸۲۔ ۵۸۳۔ ۵۸۴۔ ۵۸۵۔ ۵۸۶۔ ۵۸۷۔ ۵۸۸۔ ۵۸۹۔ ۵۹۰۔ ۵۹۱۔ ۵۹۲۔ ۵۹۳۔ ۵۹۴۔ ۵۹۵۔ ۵۹۶۔ ۵۹۷۔ ۵۹۸۔ ۵۹۹۔ ۶۰۰۔ ۶۰۱۔ ۶۰۲۔ ۶۰۳۔ ۶۰۴۔ ۶۰۵۔ ۶۰۶۔ ۶۰۷۔ ۶۰۸۔ ۶۰۹۔ ۶۱۰۔ ۶۱۱۔ ۶۱۲۔ ۶۱۳۔ ۶۱۴۔ ۶۱۵۔ ۶۱۶۔

عرب کے یہ مرزا جی کو ایک نکتہ بھی سمجھائے دیتے ہیں کہ کشمیریوں کا گم شدہ اسرائیلی ہونا تو صرف گم شدہ برصغیر وغیرہ کا ایک گمان اور خیال ہی ہے جس کے لئے کسی یقینی دلیل کے وہ خود اسرائیلی بھی قائل نہیں۔ مگر حضرت مسیح کے زمانے میں اور فلسطین کے قریب بھی دوسرے ملکوں میں جلاوطن یہودیوں کی ایسی قومیں کثرت سے آباد تھیں جتنکے یہودی ہونے کا کسی کو بھی کبھی شک نہیں ہوا۔ پس اگر یہ حق ہے کہ مسیح بنی اسرائیل کے ان فرقوں کی طرف بھی بھیجے گئے تھے جو "آپ کی آمد کے بہت عرصہ پہلے مشرقی ممالک میں آباد ہو چکے تھے" ص ۴۸ اور اگر آپ کو پروردیسی یہودیوں کی تلاش لازمی تھی تو سب سے پہلے آپ کو عرب میں آنا چاہئے جہاں تم کہتے ہو کہ "آنے والا بنی" بے حوث ہونے والا تھا اور حضرت مسیح کی دعوت میں اُسکے قبول کرنے کی وصیت تھی۔ شاید آپ کو یہ نکتہ معلوم نہیں تھا کہ مسیح کے زمانے میں کثرت سے یہودی عرب میں آباد ہو چکے تھے۔ سر سید احمد کے خطبہ سے یہی پڑھو "یہودی مذہب عرب میں ان یہودیوں کے ساتھ آیا جو باخون صدی قبل مسیح کے بخت نصر کے ظلم سے بھاگ کر آباد ہو گئے تھے" خطبہ ثالثہ کیسے ممکن تھا کہ اگر مرزا خیال درست ہو تو ان یہودیوں کو چھوڑ کر آپ کشمیر چلے آتے؟

یونس بنی کی تشبیہ] ہم سب سے بڑی نص مرزا جی نے حضرت مسیح کے اس قول کو قرار دیا ہے کہ "جیسا یونس تین رات دن مچھلی کے پیٹ میں رہا ایسے ہی ابن آدم میں رات دن زمین کے اندر رہیگا تو قابض اور اس پر پناہ یوں قلم فرمایاں "اب ظاہر ہے کہ یونس مچھلی کے پیٹ میں رہا نہ تھا۔۔۔ زندہ رہا اور زندہ نکلا اور آخر قوم نے اُسکو قبول کیا۔" اس مثال میں جھٹلایا تھا کہ وہ (مسیح) صلیب پر نہ مر گیا۔۔۔ بلکہ یونس بنی کی طرح صرف غمی کی حالت ہوگی اور مسیح نے اس مثال میں یہ بھی اشارہ کیا تھا کہ وہ زمین کے پیٹ سے نکل کر پھر قوم سے ملیگا اور یونس کی طرح قوم میں عزت پائیگا۔ یہ تشبیہ کوئی بھی پوری ہوئی کیونکہ مسیح زمین کے پیٹ سے نکل کر اپنی ان قوموں کی طرف گیا جو کشمیر اور تربت وغیرہ مشرقی ممالک میں سکونت رکھتی تھیں۔

اگر مرزا جی کو تشبیہ و تمثیل کے اصول سے ذرا بھی واقفیت ہوتی تو آسانی سے سمجھ لیتے کہ مسیح نے یونس کے ساتھ صرف ایک بات میں اپنی مشابہت دکھلائی۔ ”تین رات دن پھلی کے پیٹ میں یونس کا رہنا تین رات دن زمین کے اندر“ مسیح کا رہنا مشابہ ہے۔ اس سے زیادہ کسی واقعہ میں مشابہت نہیں۔ ہمیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یونس والی تمثیل نہ سمجھنے کے لئے مرزا جی کے استاد جواب وہ میں جنہوں نے گلستاں پڑھاتے ہوئے کوئی غلطی کی تھی اور مرزا صاحب کو اس شعر کا مطلب غلط سمجھا دیا تھا۔

۳۔ قرص خورشید و سیاہی شد یونس اندر وہان ماہی شد
ورنہ ایسی آسان مثال کے سمجھنے میں عہد حجاب از قبل بسوے دیدہ شد کی نوبت نہ آتی۔
مرزا جی نے جو نقشہ یونس اور مسیح کی مشابہت کا کھینچا وہ قابل دید ہے اسی سے آپ کے گمان کا ابطال ہوتا ہے :

یونس سمندروں کے بیچ ہزاروں کوس کی گردش کرتے رہے مسیح ایک جگہ خشکی میں
قرار سے پڑے رہے :

یونس پھلی کے تنگ و تاریک جوف میں مقید تھے جہاں نہ روشنی کا گذر نہ ہوا کا۔
مسیح ایک قبر میں جو بزعم مرزا کوئی بارہ درمی یا بالا خانہ تھا ”ایک ہوا دار وسیع کوٹھا
جس میں ایک کھر کی بھی تھی“

اس میں ایک شکی مشابہت بھی قابل غور ہے ”کوٹھا زمین کے اوپر ہوتا ہے حالانکہ
مسیح کا قول ہے کہ میں زمین کے اندر رہوں گا“

یونس پھلی کے پیٹ کی غلاظت میں رہے جس نے آپ کو سقیم کر دیا تھا۔
مسیح کی قبر طح طرح کی خوشبوؤں اور مصالحوں سے بسی تھی جس کے باعث بزعم مرزا آپ
پھر سے تندرست ہو گئے۔

یونس تین تہا لے یا رد دگا راس تگی میں رہے :

مسیح کے پاس بقول مرزا "تجربہ کار طبیعوں کا جھگڑا رہا۔"

یونس بقول مرزا پھلی کے پیٹ میں بیہوشی اور غشی کی حالت میں ہے اور اس حالت کو مسیح کے مفروضہ مسکتہ و غشی کے مشابہ بتلایا جاتا ہے۔ افسوس مرزا جی بالکل گڑبڑ لگائے کیونکہ قرآن میں لکھا ہے کہ حضرت یونس پھلی کے پیٹ میں بیہوش نہیں رہے بلکہ سراسر ہوش میں رہے مسیح اور یونس میں برابر معروف (انبیاء و مصافات)۔

اب لیجئے جہاں خاص مشابہت مرزا تلاش کرتے تھے وہیں مشابہت بالکل زائل ہو گئی دوسری مشابہت مرزا جی نے یہ دکھلائی کہ مسیح نے "یونس کی طرح قوم میں عزت پائی" اور یہاں بھی مشابہت بالکل معدوم ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ عقل سے بولتے نہیں محض انہماک کے جوش میں کچھ فرما جاتے ہیں اور وہی کلام نوبھوتا ہے۔

یونس نے تو اسی قوم کے ہاتھوں عزت پائی جس قوم نے انکی بے عزتی کی تھی اور منکر ہو گئی تھی مسیح کو آپ کہتے ہیں کہ جس قوم نے یعنی فلسطین کے یہودیوں نے بے عزت کیا پھر اُس نے دوبارہ قبر سے نکلنے کے بعد آپ کو ہرگز نہیں قبول کیا اور عزت کی تلاش میں اُنکو دور دراز ملکوں کا سفر کرنا پڑا اور بالکل دوسری قوم سے عزت پائی۔ اب آپ ہی بتائیے کہ مشابہت کہاں رہی؟ اور اس مثال سے حضرت مسیح کا سری نگر شریف لانا کیسے ثابت ہو گیا؟ یہاں انجیلی دلائل کا خاتمہ ہے۔ مگر جب ہم اس قسم کی باتیں ان لوگوں سے سنتے ہیں تو سوال پیدا ہوتا ہے اہم تمامہ احلامہم لہذا اہم ہم قوم طاعنوت +

دوم۔ قرآن شریف کی دلائل ہم یہاں مولوی صاحبوں سے اجازت طلب کرتے ہیں کہ وہ ہم کو اپنی بحث مکمل کرنے کی غرض سے قرآن و حدیث کے متعلق بھی مرزا کی دلائل کو رکھ لینے دیں۔ گو ہم مانتے ہیں کہ یہ بحث خاص انہیں کا حق ہے۔

کشمیر کی طرف امرزا جی فرماتے ہیں "قرآن شریف میں ایک آیت میں صریح کشمیر کی طرف اشارہ صریح اشارہ کیا ہے کہ مسیح اور اُس کی والدہ صلیب کے واقعہ کے بعد کشمیر کی طرف چلے گئے"

جیسا فرمایا ہے و آویزہم الیٰ ربوبۃ ذات قہر اس ومعین یعنی ہم نے عیسے اور اس کی والدہ کو ایک ایسے ٹیڈے پر جکڑ دی جو آرام کی جگہ تھی اور پانی صاف یعنی چشموں کا پانی بہا تھا۔ سو اس میں خدا تبارک نے کشمیر کا نقشہ کھینچ دیا ہے اور آویزے کا لفظ لغت عرب میں کسی مصیبت یا تکلیف سے پناہ دینے کے لئے آتا ہے اور صلیب سے پہلے عیسے اور اس کی والدہ پر کوئی زمانہ مصیبت کا نہیں گذرا جس سے پناہ دیجاتی "جلد ۱ ص ۲۲ اور ۲ ص ۲۷ یہ دلیل تاریخ دانی پر زیادہ تر مبنی ہے اور اس کے بعد علم لغت پر:

کشمیر کی کیسی شامت کی گئی جو ایسے پہاڑوں پر واقع ہے جس کی چوٹیاں آسمانوں سے باتیں کرتی ہیں اور ربوہ کا لفظ لغت عرب میں کسی ایسے ہی پہاڑ کو کہتے ہیں بعض نچے پللیاں جو جھبے میں بہت ہنساتے ہیں۔ اسی طرح ہمارے مرزا صاحب نے ربوہ کا لفظ سنا اور بول اٹھے کشمیر۔ دیوانہ راہوئے بس است اسی کو کہتے ہیں۔ عربی نے کشمیر کی تشریف میں کہا تھا

سہ ہر سوختہ جانے کہ کشمیر در آید گرمی کباب است کہ باباں و پراید

کشمیر کی مرزا علی تشریف لے کر منجانب کشمیر کی کیا معقول تشریف سنادی۔ ایک ٹیڈہ اور صاف پانی اور اس میں بھی یعنی۔ دنیا میں سو کشمیر کے "ٹیلڈا کہاں؟ سو اے کشمیر کے "آرام کی جگہ کہاں اور سو اے کشمیر کے "پانی صاف" کہاں؟ اب علم تاریخ سنئے "صلیب سے پہلے عیسے اور اس کی والدہ پر کوئی زمانہ مصیبت کا نہیں گذرا"

ہ صلیب کے پہلے مصیبت کا زمانہ آپ نے اگر اسی آیت سورہ مومنون فتح پر شاہ عبدالقادر صاحب کا فائدہ پڑھ لیا ہوتا تو بھی ایک بڑا زمانہ مصیبت کا معلوم ہو گیا ہوتا اگر آپ نے انجیل متی بابا دوم پڑھ لیا ہوتا تو بھی آج کو یہ پیشانی نہ اٹھانا پڑتی۔ وہاں لکھا ہے کہ جب دیا و شرق سے مجوسی حضرت مسیح کی زیارت کو آئے اور بادشاہ ہیرودیس کو خبر لگی کہ مسیح یہودیوں کا بادشاہ میرے ملک میں پیدا ہوئے تو اُسے آپ کے قتل کا منصوبہ باندھا اور بچوں کا قتل عام کر ڈالا مگر بادشاہ ظالم کے منصوبے پر خدا کے فرشتے نے حضرت مسیح کے ذلی کو خواب میں اطلاع کر دی

اور حکم دیا اٹھ بیچے اور اُس کی ماں کو ساتھ لے کر مصر کو بھاگ جا اور جب تک میں تجھے نہ کہوں
وہیں رہنا کیونکہ یہودیوں اس بچے کو ہلاک کرنے کے لئے ڈھونڈتے تھے کہ وہ اٹھ کر
رات ہی میں بیچے اور اُس کی ماں کو ساتھ لے کر مصر کو روانہ ہو گیا اور یہودیوں کے مرنے تک
وہیں رہا اور جب یہودیوں کو مر گیا تو پھر خواب میں ہدایت پا کر گلیل کے علاقے کو روانہ ہو گیا
اور ایک شہر میں جب کا نام ناصرت تھا جا بسا۔

دیکھئے یہی وہ بڑی مصیبت کا زمانہ ہے جو صلیب سے پہلے عیسے اور اُسکی والدہ پر،
گزر ا اور جسکی طرف قرآن کا لفظ اُٹے اشارہ کرتا ہے پس وہ ربوہ یا تو مصر میں کوئی مقام
تھا یا خود ناصرت کو ربوہ کہا۔ مصر کا حال بہکوزیادہ معلوم نہیں مگر ناصرت کا حال کافی معلوم ہے
جس سے ہم اُسکو ربوۃ ذات قدس و معین قرار دیتے ہیں ذات قرار ہونے میں تو کوئی شک
نہیں ہیں ان دونوں کو ظالم کے ہاتھ سے پناہ اور قرار ملا تھا:

ربوہ فلسطین میں تفسیر کشف میں ابو ہریرہ سے منقول ہے کہ یہ ربوہ رملہ فلسطین ہے (دیکھو
چینی)۔ قصبہ ناصرت جسکو مسیح و مریم نے اپنا جائے قرار بنالیا تھا اور اصل ایک پہاڑی پر بسا
تھا (دوقاۃ) اور کسی حقیقی معنی میں ربوہ کہلانے کا مستحق تھا اور اس میں ایک چشمہ آج
تک موجود ہے جو چشمہ تول کے نام سے مشہور ہے۔ اور شاید قد جعل ربک تحائے
سبویا سے اسی کی طرف اشارہ ہو۔ بنادیا تیرے رب نے تیرے بچے ایک چشمہ۔ لیجئے یہ معین
کی توفیق بھی ہو گئی۔ پس ربوۃ ذات قدس و معین لفظ بلفظ قصبہ ناصرت شریف کا نقشہ
سے نہ کہ سری نگر کشمیر کا جب ہم مرزا جی کے مُنہ سے قرآن شریف کی آیات کی ایسی ایسی تاویلات
رکھتے سنتے ہیں تو ہم کو مرزا جی کا وہ الزام یاد آتا ہے جو وہ سرسید مرحوم کو دیا کرتے تھے ”جو تاویلیں
قرآن کریم کی نہ خدا تعالیٰ کے علم میں تھیں نہ اُسکے رسولوں کے علم میں نہ صحابہ کے علم میں نہ اولیاء
اور قطبوں اور غوثوں اور ابدال کے علم میں۔ اور نہ ان پر دلالت النص نہ اشارۃ النص۔
وہ سید صاحب کو سوجھیں۔ اور اگر قرآن انکی محترم شخص ہوتا تو بعد زبان ان سے نیز اسی بظاہر کرتا“

دائینہ کمالات اسلام ص ۲۲-۲۲۸) سید مرحوم کی تاویلات کی تریف یہ ہو یا نہ ہو مگر اس میں ایک ذرہ شک نہیں کہ یہ ایک بہت ہی سچی تریف مرزاجی کی تاویلات انجیل و قرآن و حدیث کی ہے۔

سوم۔ احادیث کے دلائل

مرزا کے دو جھوٹ ۱۔ مرزاجی فرماتے ہیں ”احادیث میں معتبر روایتوں سے ثابت ہے کہ ہمارے نبی صلعم نے فرمایا کہ مسیح کی عمر ۱۲ برس کی ہوئی اور اسی بات کو اسلام کے تمام فرقے مانتے ہیں“ ص ۲۳۔ اس ڈیڑھ سطر میں مرزاجی نے پُرے دو جھوٹ بوئے۔ اسکو ”احادیث کی معتبر روایتوں“ میں فرمایا حالانکہ یہ ایک ایسی ضعیف روایت ہے کہ خود مرزاجی کو بھی نقل کرتے یا کسی کتاب کا حوالہ دیتے شرم آئی۔ پھر آپ نے کہا کہ ”اس بات کو اسلام کے تمام فرقے مانتے ہیں“ حالانکہ کوئی فرقہ بھی اسکو نہیں مانتا اگر آپ کے فرقہ لغویہ کو شمار نہ کریں۔

حضرت مسیح مفسر ابن کثیر مسیح کی عمر کے باب میں لکھتے ہیں فاندہ دفعہ ولدت ثلاث وثلاثون کی عمر سنۃ فی الصبح رفع آسمانی کے وقت آپ کی عمر ۳۳ سال تھی موافق چھ درجہ

کے۔ اور دوسری روایتیں جو اس کے خلاف ہیں انکو شاؤ غریب بعید کہہ دیا۔ یہی ۳۳ سال کی عمر لبند ابن عباس منقول ہے (دیکھو تفسیر خازن و درمثور) غرضیکہ تمام مسلمان اور تمام عیسائی اس بات کے ہمیشہ سے قائل ہیں کہ حضرت مسیح کی عمر تین پچاس سال ہوئی۔

اب ناظرین یہ تماشا دیکھیے کہ اس وقت ”احادیث میں معتبر روایتوں سے ثابت ہے

کہ ہمارے نبی صلعم نے فرمایا کہ مسیح کی عمر ۱۲ برس کی ہوئی“ اور نبی صلعم کا یہ قول ”مستبر وائیں“ مرزا کے لٹو ہمیشہ ہی سے موجود ہونگی اور قرآن و حدیث میں مرزاجی کے عجازی حلو مان کا بازار

اقوال بھی آج ۲۲ برس سے گرم ہو رہا ہے۔ مگر ہم پوچھتے ہیں کیا ازالۃ الادہام لکھتے وقت

جسکی نسبت آپ کا یہ قول ہے ”خدا نے تمہارے لئے اس تالیف میں میری وہ مدد کی ہے جو میں بیان نہیں کر سکتا“ ص ۲۵۹ آپ کا علم کہیں چرے گیا تھا جو جناب اُس وقت مسلم اور مشرکوں کی

حدیث نقل کر کر کے یہ ثابت کر رہے تھے کہ مسیح کی عمر ساٹھ برس سے بھی زیادہ نہیں ہو سکتی تھی۔ اکثر عمریں میری اُمت کی ۶۰ سے ۷۰ برس تک ہونگی اور ایسے لوگ کتر ہونگے جو اُن سے تجاوز کریں۔ یہ ظاہر ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم اس اُمت کے شمار میں آگئے پھر اتنا فرق (عمر میں) کیونکر لگس ہے؟ (ص ۶۲) دوسری حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو زمین پر پیدا ہو گیا اور خاک میں سے نکلا وہ کسی طرح سو برس سے زیادہ نہیں رہ سکتا۔ (ص ۶۲) اور پھر ابھی کل ہی کا تو ذکر ہے کہ آپ نے اپنے مکتوب عربی میں لکھ دیا تھا کہ ”لبعض الاولیاء کرام نے فرمایا ہے کہ حضرت مسیح کی زندگی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے بھی چھوٹی تھی“ (ص ۱۳۲)۔

اب آپ ہی پر شرم کیجئے کہ کیونکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسیح کی عمر ۱۲۵ برس کی ہوئی اور کیونکر اس بات کو اسلام کے تمام فرقے مانتے ہیں؟ ہم نے بڑے بڑے جھوٹوں کا حال سنا کر ایسا بد ما فظہ تو کوئی بھی نہیں گذرا۔

یہ حدیثوں میں ۲۔ آپ نے جو اہل کفر و التواء یہ تین حدیثیں نقل کی ہیں اصل کتاب سے مرزا کی تحریف مقابلاً کر کے جلعج لینے کا موقع نہیں ملا۔ (۱) ص ۱۰۷ وحی اللہ تعالیٰ الیہ علیہ لفظی اور مصوی ان یا علیہ انتقل من مکان الی مکان، لعلنا نعرف فتودعی یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے عیسیٰ کی طرف وحی کی کہ اے عیسیٰ تو نقل کر ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف تاکہ کوئی پہچان کر دیکھ نہ دے (۲) مکان عیسیٰ ابن مریم لیسج فاذا احسب کل بقی الصبح اعد للشراب الماء القراح یعنی عیسیٰ بن مریم سفر کیا کرتے تھے جہاں شام ہوئی بکس کی بچوات کھا لیتے اور صاف پانی پی لیتے (۳) قال احب شی الی اناء الغریاء قبل الی شی الغریاء قال الذین یفرون بدینہم و یحجہ عن الی عیسیٰ ابن مریم یعنی فرمایا سب سے پیارے خدا کی جناب میں غریب لوگ ہیں پوچھا غریب سے کیا مراد فرمایا وہ لوگ جو اپنا دین لے کر چھوڑ گئے ہیں اور عیسیٰ بن مریم کے پاس نہیں ہوتے (۴) ص ۱۲۵

پہلی حدیث میں مرزا جی نے یہ تصرف فرمایا کہ انتقال من مکان الی مکان کے معنی
بتلائے ایک ملک سے دوسرے ملک کی طرف جا۔ حالانکہ اسکا ترجمہ صرف یہ ہی ہے "نقل کر
ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف"۔ دوسری حدیث میں لفظ مسج کا ترجمہ جو صرف یہ
ہے "سفر کرتے تھے"۔ آپ نے بلا خوف یہ کہہ دیا کہ ہمیشہ سیاحت کیا کرتے تھے اور ایک ملک
سے دوسرے ملک کی طرف سیر کرتے تھے اور پھر تیسرے کی جگہ متحون الی حدیسی بن
حدیسیہ میں کے معنی صرف اسی قدر ہیں جمع ہوتے ہیں جیسے بن مریم کے پاس۔ آپ نے
اسکا ترجمہ یہ فرمایا "جو جیسے مسج کی طرح دین لے کر اپنے ملک سے بھاگتے ہیں"۔ اب کہہ کہ
یہ زہری تحریف ہوئی کہ نہیں لفظی بھی اور معنوی بھی ہمارے آپ کی جہالت بھی ثابت
ہوتی ہے اور بددیانتی بھی بلکہ دونوں۔ اور اس تحریف و تبدیل کے بعد بھی آپ چنانچہ
تھے وہیں رہے۔ ان حدیثوں نے کچھ بھی تو آپ کی دستگیری نہ کی پہلی اور دوسری
حدیث سے اسرار انجیل شریف کے بیان کے مطابق ہیں۔ جس وقت سے مسیح اپنی قوم کے سامنے
ظاہر ہوئے آپ ہمیشہ اپنے ملک میں شہروں شہروں گاؤں گاؤں دعوت دین کرتے پھرتے
کسی جگہ قیام نہیں ہوئے۔ اور مرزا جی کا قول مردود ہو گیا کہ آیت ما یمنما الی ولیدہ
زمانہ ما بعد علیہ کی طرف اشارہ کرتا ہے جب آپ گویا اسرائیل میں آکر رہے تھے۔ انجیل
شریف میں لکھا ہے کہ کسی نے کہا انجیل نہیں تو جائے میں تیرے جیسے چلوں گا۔ میرے نے اس
سے کہا کہ لو کہ لوگوں کے بھٹ ہوتے ہیں اور ہوا کے پرندوں کے گھونٹنے کے گراں آدم کے لئے
اتنی جا بھی نہیں کہ وہ اپنا سر رکھ سکے "تو قاضی اور انکا امام ارشاد تھا جب تم کو ایک شہر میں
ساتائیں دوسرے میں بھاگ جاؤ اور یہ اشارہ اسرائیل کے سب شہروں کی طرف تھا متی
نہ یسویہ کو چھوڑ کے کسی دوسرے ملک کو بھاگ جائے گا حکم نہ تھا۔ تیسری حدیث آپ کی
تحریف سے پاک ہو کر بحث سے باطل غیر متعلق ہو گئی ہے یا تو اس میں اشارہ ان غریب لوگوں
کی طرف ہے جو جو حق حضرت مسیح کے ساتھ رکھتے تھے یا ان کی طرف جو قرب نیامت

و قال کے فتنے سے اپنا ایمان سلامت لے کر بھاگ گئے اور حضرت مسیح کے تہذیب سے تلے جمع ہو گئے پس سفر کرنے والے یہ غریب لوگ ٹیٹھے سے نہ کہ مسیح :

چھما دھ۔ سری نگر کی قبر کے متعلق مرزا جی صاحب کی کل بحث بناء فاسد علی فاسد کا ایک عمدہ نمونہ ہے جس میں عقل و شعور کی ٹونک نہیں۔ آپ کے دلائل دارا ایسے پھر کبوس کو یہ نام دیا جاسکے ماروں گھٹنے بے غیر آباد کی حربہ تظہیر ہیں بالکل اُس قسم کی جن سے بعض عیار تکیہ دار جہا کے سامنے مشہور کر دیتے ہیں کہ فلاں مقام پر کسی دینی یا شبیہ کا مزار ظاہر ہو گیا تاکہ عورتیں منہ نہیں ماننا اور چادریں چڑھنا شروع کریں۔ یہ خان یار کا پیوترہ گویا خباب مرزا کے دعوے کے مرزا جی صاحب کی امامت اور ہمدست کی اساس ناپاس ہے اور آپ خلاف حدیث کے مسئلے کا نام اگر خان یاری رکھا جائے گئے تو بہت ہی موزوں ہو گا۔ آپ

تو انجیل اور قرآن اور حدیث کے معنی بگاڑ کر بہت ذہیں ہو چکے۔ اس لئے ہم آپ کو محض اللہ ایک ایسی شعلت اور مضبوط حدیث سناتے ہیں جس سے آپ کی تیغ و تیغ ایسی ہوئی تقریر کا جمل مثل تاریکیت کے زائل ہو جاتا ہے :

سلم شریف میں یہ حدیث ہے عن ابوہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقد مت امتی من بنی اسرائیل لا یدسائی ما فعلت ولا اُس اھھا الا الفار و احادیث متفرقہ ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا تھا کہ بنی اسرائیل کی ایک امت گم ہو گئی تھی کچھ یہ معلوم ہوا کہ اسکا کیا ہو امیری دانستہ میں وہ چوہے ہیں رجوخ ہو گئے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت کو نہیں معلوم تھا کہ گم شدہ یہودی کشمیر میں آجے تھے (۲) آپ کو یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ وہ جامہ انسانیت میں برقرار تھے (۳) آپ کو نہیں معلوم تھا کہ مسیح انکے پاس گئے تھے (۴) اور آپ کے ذہن میں یہ بھی نہیں آ سکتا تھا کہ ربوۃ کشمیر میں کاویں تھا (۵) آپ کو تعین تھا کہ جلیل بعض یہود ہندو اور مغربین گئے اسی طرح بنی اسرائیل کی گم شدہ امت چوہے بن

گئی تھی (۶) اگر آپ کو اس بات کا وہم بھی ہو تو اگر کم شدہ یہودی کشمیر کو گئے تو اس حدیث میں ضرور فرمادیتے کہ امت کم شدہ کے ایک حصہ نے ابن مریم کو قبول کر لیا اور وہ اب تک ربوہ میں مقیم ہیں :

اب ایک اور حدیث سن لیجئے اور گریبان میں سر ڈالئے سب لوگ اس بات کے قائل تھے کہ حضرت موسیٰ نے زمین پر انتقال فرمایا اور زمین پر آپ کی قبر موجود ہے گولا پتہ ہے ۔ اور توریت شریف آخر باب میں لکھا ہے کہ کسی بستر کو موسیٰ کی قبر کا پتہ نہیں نکالے باوجودیکہ اس قبر کا پتہ لگ جانا کوئی بہت بڑی ضروری بات نہ تھی ۔ تو بھی آنحضرت نے فرمایا تھا کہ جبکہ اس قبر کا پتہ ہے اور بتلادیا کہ بیت المقدس کا ایک پتھر کی مار پر راہ کے کنارے مسیح یحییٰ کے تلے ہے قبر وہ الی جانب الطریق تحت الکلب الاحمد (مسلم فضائل موسیٰ) پھر کیوں حضرت مسیح کی قبر کا پتہ آنحضرت نے بتلادیتے جبکہ نہ صرف پتہ ہی لوگوں کو نہ معلوم تھا بلکہ جسکے وجود کا کسی کو گمان بھی نہیں ہوا تھا ۔ اور جو بقول مرزا ایک ایسی ضروری اور اہم حقیقت تھی جسکے فاش ہو جانے سے دین عیسائی مٹ جاتا اور صدیوں کے عیسائی دونوں میں مل کے کل مسلمان ہو جاتے ۔ میں دیکھتا ہوں کہ آپ کے معلومات اپنے آقا سے بھی بہت بڑھے ہوئے ہیں جسکے غلام ہو جانے کا آپ کو زبانی فخر حاصل ہے :

نہ خدا ہی ملانہ [خاتمہ] ناظرین اب مرزا کی جو گویا مزار کا اُلٹ پھرنے ہوئے ہیں شطلوں وصال صنم پر بھی نظر فرمائیے اور اس گم گشتہ راہ حقیقت کی حالت زار پر ترس کھا کر اسکے حق میں دعا کیجئے ۔ آپ مذہبین بین دالک کبھی عیسائیوں کی طرف رخ کرتے ہیں کبھی مسلمانوں کی طرف مگر ہر طرف سے دھکیلے جاتے ہیں ۔ عیسائیوں کی تو آپ نے بہت چھوڑ لیا ہے کہ وہی اور پکار دیا کہ (۱) مسیح ضرور صلیب پر چڑھائے گئے (۲) ضرور بعد صلیب اپنے شاگردوں سے ملے (۳) ضرور قرآن نے مسیح کی جسمانی موت پر گواہی دی :

مسلمانوں کو آپ نے خوب ہی جھٹلایا اور کہہ دیا کہ (۱) مسیح کا رنج جسمانی نہیں تھا ۔

۲) قرب قیامت مسیح کو ہرگز وفات نہ ہوگی (۳) اور نہ قبل رفع چند ساعت کے لئے خدا نے مسیح کو وفات دی تھی۔

اب اگر غور سے دیکھا جائے تو عیسائیوں کے قول میں ایک معقول ربط موجود ہے کہ خدا کو منظور ہوا کہ مسیح اس کی راہ میں شہید ہوں اس لئے دشمنوں کے ہاتھ سے آپ کو صلیب ہوئی صلیب کے باعث موت ہوئی۔ پھر تین دن بعد موت خدا نے آپ کو زندہ کر دیا اور تمہیں کو ایک بے نظیر نمونہ قدرت دکھلایا اور آپ کو معہ ہم آسمان پر اٹھالیا۔

مسلمانوں کے قول میں بھی ربط موجود ہے۔ کہ خدا کو منظور نہیں ہوا کہ ایسا پاک مقرب نبی اُسکا کلمہ اور روح دشمنوں کے ہاتھ میں پڑ کر ذلیل ہو اُس نے آپ کو بالکل صلیب سے محفوظ کر کے صرف چند ساعت وفات دی اور آسمان پر اٹھالیا۔

عیسائی اور مسلمان دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ قرب قیامت مسیح بڑے جاہ و جلال کے ساتھ آسمان سے نازل ہونگے اور ہزار ہا سال کی ابتری کو مٹا کر فرش زمین کو عرش بریں کا نمونہ بنا دیں گے۔

مرزا اور اسکادعوئے اب مرزا صاحب کی شامت ملاحظہ فرمائیے۔ آپ بڑی منانت سے

مسلمانوں اور عیسائیوں سے ارشاد فرما رہے ہیں کہ مسیح دوبارہ نازل نہ ہونگے۔ نازل ہونے والا میں خود ہوں۔ میں دنیا میں امن چین بھلا رہا ہوں میں حاکم عادل ہوں میں دلوں سے کینہ بغض اور حسد مٹاتا ہوں مال اس فراوانی سے موجود ہے کہ جو کسی کو دود تو لیتا نہیں۔ اونٹنیاں چھوٹی پھرتی ہیں کوئی بکڑتا نہیں مسلمان مجھ کو مار رہے ہیں آئیے نماز میں ہماری امامت کیجئے۔ میں حج کر چکا۔ مدینے میں حضرت کی قبر پر سلام کر رہا ہوں اور صلیب تو تمام ٹوٹ گئے۔

اے مسلمانو! کیا میرے مسیح موعود ہونے کی بدیہی علامات نہیں دیکھتے۔ دیکھو تو جنگ و جدل کشت و خون کیسے بڑھے ہوئے ہیں یہی تو امن چین ہے۔ حکومت اور عدالت

کا اسلام سے نام مٹ گیا۔ پھر میں حاکم عادل کیسے نہیں؟ مقدمات عدالتی کی یہ کثرت کہ میں ہر روز گھسیٹا جاتا ہوں پھر بغض و کینہ کیسے نہیں مشاہدے میں آئے دن چندوں کا تقاضا کرتا ہوں مرید مانتے ہیں پھر مال کیونکر نہیں بڑھا؟ سرقہ مولشی کی ہندوستان میں دھوم دھام ہے مسلمانوں نے فتوے دے دیئے کہ کوئی میرے جنازے کی نماز نہ پڑھے حج مجھ کو آج تک نصیب نہیں۔ گرجے تعمیر ہو رہے ہیں صلیب نصب ہو رہے ہیں۔ ہر طرف سے بوجہ پلنت کی بوجھاڑ ہے۔ واہ رے ہمدی مسودا!!!

آپ مسلمانوں کی تکذیب کر کے فرماتے ہیں کہ مسیح کو تو صلیب ہو گئی اور ضرور ہوئی اور صلیب پر یہ تاکید و اصرار۔ پھر بھی آپ نہ صرف مسلمان بلکہ مسلمانوں کے امام ہیں۔ نہ صرف قرآن ماننے والے بلکہ قرآن جاننے والے ہیں؟

آپ مسیح کے مصلوب ہونے اور وفات پانے میں عیسائیوں کی تصدیق کرتے ہیں مگر دونوں واقعوں کو علت اور معلول نہیں مانتے۔ آپ موت کے قائل ہیں مگر موت کے اسباب نہیں بیان فرما سکتے۔ آپ صلیب کے قائل ہیں مگر اسکو باعث موت نہیں مانتے پھر آپ راغبند الخ کو بھی خوب ہی مانتے ہیں۔ مگر رفع جسمانی ہمیں مان سکتے اگر آپ رفع جسمانی مان سکتے تو پھر ہر نیکی کی قبر کی کیا حاجت تھی؟ خان یار کے مقبرے پر تو اسی عقدہ کو حل کرنے کے لئے سفیدی چڑھائی گئی؟

مسیح کے رفع جسمانی | گویا جب والا فرمائیے تو رفع جسمانی ماننے میں کون قباحت لازم آئی کہ پر مرزا جی کی فلیسوفی | آپ مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے کم مگر گھسیٹے بہت گئے ناظرین سن لو دنیا اور پیرانا فلسفہ بالاتفاق اس بات کو محال ثابت کرتا ہے کہ کوئی انسان اپنے اس خاکی جسم کے ساتھ کہ زمہریر تک بھی پہنچ جائے ازالۃ الادام ص ۴۴ +

سہی یہی یاد رہے کہ مرزا صاحب باوجود مٹنے اور پڑانے فلسفے کے شاگرد جمع ہونے کے پھر بھی مسیح کے بغیر میلہ باب کے محض خدا کی قدرت کاملہ کے ذریعے سے پیدا ہونے کے قائل ہیں؟

جس اے روشنی ضلع تو بڑن بلا شادی۔ حیف امامت کا جبہ دوستار آپ نے اُتار پھینکا اور
 فلسفے کے ڈر کے واسطے مسرتیدم روم کی آرام کرسی کے تلے جا چھپے۔ آپ تو یہ مان رہے
 ہیں کہ تم تین دنوں میں رات دن بھیلی کے پیٹ میں تبیخ و قہلیل کرتے زندہ رہے اور
 صحیح و سلامت اُسکے پیٹ سے نکل کر قوم سے جلتے پھرنے اور پرانے فلسفے نے آپ کے
 دھم کا ازالہ نہ کیا اور آج تک نہ ڈانٹا کہ اے احمق تو نے کیسے مان لیا کہ ایک خاکی
 انسان مضغہ گوشت طعمہ نہنل دریا ہو جاوے اور اُسکے معدے کے کرہ نایاں جو تھوڑا
 رکھ کر ڈالتا ہے۔ تین دن بے اور تبسم ہو کر کیلوس اور کیموس نہ ہو جائے تو نے کیسے
 مان لیا کہ وہ پھر دوبارہ منہ کے رستے برآمد ہو گیا؟ آپ ہی ہیں جو مسیح کے رُفیعِ جسانی
 کے لئے کرہ زمہدیر کو سدا رہ سچتے ہیں +

مرہم و سئل

ہر یکے از ماسیح عالمیست ہر الم را در کف ما مہمہست

مرزا کا دعویٰ ہے کہ مرزا صاحب نے بڑے طوطا سے لکھ دیا تھا کہ ”قریباً ہزار طبی پرانی کتابوں میں ایک مرہم لکھی ہوئی ہے جو مرہم عینے اور مرہم حواریہ میں اور مرہم شیخیا کے نام سے مشہور ہے۔ ان کتابوں کے تمام فاضل مؤلف گواہی دیتے ہیں کہ یہ مرہم حضرت عیسیٰ کے زمانہ میں لکھی گئی تھی۔“ ریویو جلد اول ص ۱۹۱۔ آپ کا پہلا قول سچ کرہم کو ایک ذرہ بھی سچ نہیں ہوا تھا کہ کوئی مرہم ایسے ایسے متبرک ناموں سے عوام اور خواص میں مشہور ہو گیا۔ اعجاز عیسوی کیونکہ یہ حقیقی تواضع و ہزار برس سے ضرب النسل ہو رہی ہے جس نے کوئی

کو چٹکا کیا۔ اندھے مادر زاد کو بینا کیا۔ ہر قسم کے بیمار کو شفا بخشی۔ جسمانی اور روحانی دوزخوں کا دوا کیا۔ کفر و کفر کو زندہ کیا بلکہ خاک کے پتے کو پھونک مار کر طائرِ نر یا بنا دیا۔ وہ جو سراپا شفا اور دوا تھا اگر کسی دوا کو اس کے نام سے منسوب نہ کرتے تو کیا کسی گھٹے غار شیشی اور ستیم کے نام سے کرتے؟ دوا بیوں میں معجونِ مسیحی مشہور ہے اور مختصر سچ مسیح بھی (قرابادین شفقانی نو لکچوری ص ۱۸۳) بلکہ طب کی کتابوں کے نام بھی ایسے ہیں جیسے عجالہ مسیح۔ یہ تو ایک بالکل معمولی بات تھی۔

مرغ عیسیٰ اگر کوئی بات تعجب کی ہو سکتی ہے تو وہ یہ ہے کہ جو شخص مرہم عیسیٰ پر ایسا گرویدہ ہو گیا ہو کہ ہر قرابادین کو آیت و حدیث ماننے لگے وہ صغیر علیہ سے سراسر منکر ہو جس کا خود قرآن شریف شاہد ہے۔

اگر مرزا صاحب اس مرہم کے نام ہی کو اپنی غلط فہمی کی بنیاد بتاتے تو ہم اُن سے کچھ بھی باز پرس نہ کرتے اور اُنکو اپنا جیانی پلاؤ پکانے دیتے مگر اُنکے دوسرے قول نے ہم کو مجبور کر دیا اور ہم کو کہنا پڑا "ہو اکذب حین قرا بادیں اطباعہ کہ وہ بقول شخصے طیبیوں کے قرا بادیں سے بھی زیادہ جھوٹا ہے۔ اور اسی لئے ہم نے اس بیتان کا دروازہ بند کرنے کی نیت سے اپنے آرمیکل مطبوعہ ترقی ماہ ستمبر ۱۹۷۳ء میں مرزا صاحب کو دباؤ میں دریافت کی تھیں۔

دوسوال ایک یہ کہ وہ کون لوگ تھے جو لکھ گئے کہ مرہم حضرت عیسیٰ کے زخموں کے لئے بنائی گئی تھی؟

دوسری یہ کہ اگر بالفرض انہوں نے ایسا لکھا بھی تو آپ کے ان فاضل مؤلفوں کے ذرائع معلومات کیا ہو سکتے ہیں؟

ہمارے انہیں سوالوں کے ٹالنے کی غرض سے جناب مرزا صاحب نے اپنے ریویو ماہ اکتوبر میں لہجہ طبعی شہادت کچھ ایسا گول گول لکھ دیا کہ جواب تو ہمارا مطلق نہ ہو اگر عوام الناس کو دھوکا ضرور پڑ گیا ہو گا۔ اس لئے ہم کو یہ راز محققانہ طور سے فاش کرنا پڑا۔

ماظن خوب یاد کر لیں کہ مرزا صاحب نے یہ دعوے کیا تھا کہ ان دویاں ہزار پرانی ملی، کتابوں کے تمام فاضل مؤلف گواہی دیتے ہیں کہ یہ مرہم حضرت عیسیٰ کے زخموں کے لئے بنائی گئی۔ پس ہمارے پہلے سوال کے جواب میں مرزا صاحب کو مناسب تھا کہ قریب ہزار فاضل مؤلفوں میں سے چند سب سے قدیم اور سب سے فاضل مؤلفوں کی شہادت اس بارے میں پیش کر دیتے کہ یہ مرہم حضرت عیسیٰ کے زخموں کے لئے بنائی گئی تھی تاکہ ہم اس تحقیق میں مصروف ہو جائے کہ ان فاضل مؤلفوں کے ذرائع معلومات کیا ہو سکتے ہیں۔

رومی قرا بادیں مزاجی کی غرض جو کا تحقیق سے نہیں ہے انہوں نے اور طریقہ اختیار کیا۔ آپ فرماتے ہیں "پہلے رومی زبان میں حضرت مسیح کے زمانہ میں ہی کچھ تھوڑا عرصہ واقعہ صلیب کے بعد ایک قرا بادیں تالیف ہوئی جس میں یہ نسخہ تھا اور جس میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی چوٹوں کے لئے یہ نسخہ بنایا گیا تھا" کیا اچھا ہونا اگر مرزا صاحب اس قرا بادیں سے

یہ عبارت نقل کر کے بتلا دیتے کہ فلاں کتب خانہ میں یہ کتاب موجود ہے اور اسکی عمر کی نسبت بھی کوئی دلیل سناتے۔ ناظرین سن لو حضرت مسیح کے زمانہ کی کوئی ایسی روئی زبان کی قراہادین نہیں جس میں حضرت مسیح کے کسی مرہم کا یا آپ کے زخموں کا کوئی اشارہ بھی ہو چکے لئے مرہم تحریر کیا جانا بیان کیا جانا۔

ترمیم دعوئے اب ناظرین ایک لطف ملاحظہ کریں۔ پہلے تو آپ نے یہ فرمایا تھا کہ تمام فاضل مؤلف کو ہی دیتے ہیں کہ یہ مرہم حضرت عیسیٰ کے زخموں کے لئے بنائی گئی تھی۔ اب آپ نے اس قول کو ترمیم کر کے یہ فرمایا ہے ”سب نے اس نسخہ کے بارے میں یہی بیان کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے لکھ سکے حواریوں نے تیار کیا۔“ اور اُسکے معنی ہم یہ سمجھے کہ جناب والا نے جو ٹوٹوں اور زخموں کی نسبت قریباً ایک ہزار اطباء پریشان باندھا تھا۔ اب ان الفاظ کو عبارت سے حذف کر کے آئندہ کے لئے اس قول سے تلوہ کرنی اور اقبال کرو یا کہ کسی فاضل یا ابو الفضل مؤلف نے ہرگز ہرگز یہ نہیں لکھا کہ کوئی مرہم عیسیٰ کے زخموں کے لئے بنائی گئی تھی؟

فہرست کتب طب مرزا جی نے طب کی کچھ کتابوں کی ایک فہرست دی ہے جس میں قراہادین روئی کو بھی داخل کیا ہے اور اُس پر چوب قلہ سے یہ عنوان قائم کیا ہے ”فہرست ان کتابوں کی جن میں مرہم عیسیٰ کا ذکر ہے کہ وہ مرہم حضرت عیسیٰ کے لئے یعنی اسکے بدن کے زخموں کے لئے بنائی گئی تھی۔“ ان کتابوں میں سے کوئی نہ کوئی کتاب ہر شہر میں مل سکتی ہے جبکہ دیکھ کر ناظرین خود اپنا طعنات کریں کہ عجب دلاور است دزدے کہ کج چرخ دار وہ۔ ہم تو مرزا صاحب کے پہلے ہی سے قائل تھے اور لکھ بھی چکے ہیں کہ کتنا بونگام صغیر و بزرگ آپ سیکڑوں جھوٹ بول سکتے ہیں۔ مگر یہ تاشا نیارہ بولی سینا۔ اس فہرست میں نمبر اول ”قانون شیخ الرئیس بوعلی سینا“ ہے۔ میں یہاں اسکی عبارت اردو ترجمہ نو لکھواری جلد پنجم ص ۳۹ سے نقل کر کے دکھلاتا ہوں کہ مرزا صاحب کیسے سچے آدمی ہیں۔

مرہم رسل۔ اس مرہم کو مرہم ذیلیبنا بھی کہتے ہیں یعنی مرہم حواریں کا۔ اور مرہم زہرہ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ ایسا مرہم ہے کہ ہر آسانی نو اسیر سخت اور خنار سخت کی اصلاح کرتا ہے کوئی دوا مثل اسکے نہیں ہے اور پھر دیکھو کہ مرہم گوشت اور سب کو نکال ڈالتا ہے اور رائے مال کرتا ہے۔

لوگ کہتے ہیں یہ بارہ دوائیں بارہ حواریوں کی طرف منسوب ہیں؟

مرزا کا بہتان [اس ناظرین دیکھو (۱) شیخ نے اس مرہم کو مرہم عیسیٰ بھی نہیں کہا (۲) اُس نے یہ بھی نہیں کہا کہ حواریوں نے بنایا (۳) یا آنکہ عیسیٰ کے لئے بنایا (۴) یا عیسیٰ کے بدن کے زخموں کے لئے بنایا (۵) اُس نے اس میں کوئی اشارہ یا کنایہ حضرت عیسیٰ کے زخموں یا چوٹوں کا نہیں کیا (۶) بلکہ شیخ اس لغو خیال کا بھی قائل نہیں کہ اس مرہم کو کوئی حقیقی نسبت حواریوں سے ہے (۷) اس محقق پر اس نے طبیب نے آج سے نو سو برس پیشتر عوام کے اس گمان کو اس عبارت میں گویا رد کیا ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ بارہ دوائیں بارہ حواریوں کی طرف منسوب ہیں؟ اسکو شیخ کا کلام مان لینا محض سادہ لوحی ہے۔ اب ہم مرزاجی کے اس سخن کو کیا کہیں کہ تمام فاضل متولف گواہی دیتے ہیں کہ یہ مرہم حضرت عیسیٰ کے زخموں کے لئے بنائی گئی تھی۔ اور شیخ سے جو حکم کہ کون فاضل تلمذ اس کریں جس پر مرزاجی نے اتنا بڑا بہتان باندھا اور وہ بھی ایک بہتان نہیں بلکہ بیتانوں کا عجیبہ صدو انہ ہے جسکو مرزاجی نے شیخ کے نام سے پھیر پھرا کر کتنا بڑا دھوکا دیا۔ انہوں نے اسم اللہ ہی غلط کر دی۔ اب ہم کو کیا ضرورت ہے کہ اور کتنا بونہی ورق گردانی کریں یہم آپکے صدق مقال کے قائل ہو چکے؟

عوام کا خیال اب سچی بات جو کچھ تھی وہ شیخ الرشید فرما چکے۔ اور متأخرین میں سے زیادہ سے زیادہ اگر کسی نے کچھ لکھا تو بلا سند و بلا تحقیق وہی غلط العام فصیح فقرہ اجزا میں نسخہ دوا زدہ عدد و است کہ حواریں نہ تھے علیہ السلام ترکیب کردہ دو کیمو قرابادین فارسی حکیم اکبر ازانی نوکشوری۔ ص ۵۵ اور علاج الامراض حکیم محمد شریف خان ہلوی نوکشوری، ص ۵۶ اور بقائی بر جاشیہ مینران الطب، دو و نظانی، ص ۵۸ اغضیکہ کسی نے حضرت مسیح کے زخموں کا ذکر نہیں کیا اور نہ اس مرہم کو اُن سے منسوب کیا اور مرزاجی کے تمام حوالات محض لغو ہیں؟

علیہ السلام و مستطاع مرزاجی نے نہ صرف یہی غلط کہا تھا کہ تمام اطباء گواہی دیتے ہیں کہ یہ مرہم حضرت عیسیٰ کے زخموں کے لئے بنائی گئی تھی بلکہ یہ قول بھی احمقانہ ہے کہ "یہ نسخہ اُن چوٹوں کیلئے نہایت

مفید ہے جو کسی ضرب یا سقطہ سے لگ جاتی ہیں۔ خود شیخ بتلا چکا کہ یہ مرہم نواسیہ اور خضار
اور پھوڑوں کے مروار گوشت کا علاج ہے اور حکیم ناظم جہان اکبر اعظم جلد رالج و نظامی قسطنطنیہ
صحت میں لکھتے ہیں ”مرہم رسل منسوب بخوارین و خضار و قاعدہ اثر عظیم یافتہ ایلمر غرضیکہ اسی
طرح اور اطباء نے بھی اسکو مرطانی اور خضار و رطاخون وغیرہ گندے پھوڑوں کا علاج
کہا ہے۔ اور جیسا کہ خود مختاری فہرست سے معلوم ہوتا ہے ادراس جلد و کہ باب میں اسکو
بیان بھی کیا۔ بھلا اسکو ضرب و سقطہ سے کیا مناسبت اور یوں آکھو اختیاریہ چاہتے آہ اسکو
دوران سر کا علاج سمجھیں یا اسہال کا اور جسم کے جس حصہ میں چاہیں چسپیں ۛ

اس مرہم کے بیان تو ہم نے صرف مرزاجی کی گفت و شنید سے بحث کی ہے۔ اب ہم اس امر کی تحقیق
مختلف نام کرتے ہیں کہ اس مرہم کی وجہ تسمیہ کیا ہے۔ کیا کیا نام اسکو دئے گئے اور کیوں اس کے
ایسے نام پڑے نہ معلوم کیوں مرزاجی قویا دین کبیر کا نام ترک کر گئے۔ حالانکہ نسبتہ اس میں مرہم
رسل کا زیادہ ذکر آیا ہے اسکی عبارت یہ ہے ”مرہم حواری۔ اس مرہم مرہم رسل نیز نامند و ترجمہ کردہ
شد و قویا دین رومی بہ مرہم سلینجی او معروف بہ مرہم زہرہ و لغتہ کہ اس مرہم دوازہ دواست و دواست
حواری حضرت عیسیٰ علی نبینا و علیہ السلام کہ ہر یک ایک دوا را اختیار کردہ ترکیب نمودہ اند و اس مرہم چنانکہ
مرہم ہاست اس کے بعد یہ بھی لکھا ہے ”و لغتہ کہ اس مرہم را مرہم خجاردانہ و ثناء عشری نیز نامند و مطلب مرہم
جلد دوم صفحہ ۵۰۸ و ۵۰۹ ۛ

پس معلوم ہوا کہ اس مرہم کا کوئی ایک نام نہیں بلکہ متعدد نام ہیں۔ سلینجی۔ رسل۔ حواری۔
ثناء عشری۔ زہرہ۔ خجاردانہ۔ سب سے کم مشہور نام اسکا مرہم عیسیٰ ہے جبکہ یہ شیخ نے ذکر کیا ہے
نے نہ اس لکشی نے اور نہ صاحب قویا دین کبیر نے۔ اور سب سے قدیم اور معروف نام سلینجی و رسل ہے
اور یہ قول تو نہایت ہی غریب ہے کہ یہ حضرت عیسیٰ کیلئے بنایا گیا اور گو اس قول کے بہت سے
مفہوم ہو سکتے ہیں۔ مگر وہ مطلب تو ہرگز نہیں چپان ہو سکتا جو تم سمجھتے ہو ۛ
وجہ تسمیہ اب یہ بات صاف نظر آتی ہے کہ جب اس مرہم کا نام رسل پڑ گیا تو نادانوں نے

اپنے ذہن سے یہ خیال تراش لیا کہ چونکہ اس میں بارہ اجزاء ہیں اسلئے اسکو مسیح کے بارہ رسولوں نے بنایا ہوگا۔ اور محققین نے اس خیال کو صرف نقل کر دیا اس پر کبھی صا و نہیں کیا۔ چنانچہ شیخ نے بھی اتنا ہی لکھا ”لوگ کہتے ہیں“۔ اور صاحب قرا بادین کبیر نے بھی یہی لکھا ”گفتہ“۔ مگر یاد رکھو کہ لوگوں نے جو کبھی کہا تو صرف یہی کہا کہ ان بارہ دوائیوں میں سے ہر ایک مسیح کے ایک ایک رسول یعنی ہاروی نے بتائی کسی نے یہ نہیں کہا کہ اس نسخہ کو مسیح نے بتایا یا یہ کہ مسیح کے زخموں کے لئے تیار کیا گیا۔ مگر کیا کوئی محقق طبیب ہے عیسائی یا مسلمان یہہودی یا نجوسی جو عوام کے اس خیال کا قائل ہو سکے کہ دراصل بھی اس دو اکو بارہ دوائیوں نے تیار کیا تھا۔ کیا لوگ بھول گئے کہ مرکبات کے مرکبات کے ایسے ایسے متبرک نام اور انکے متعلق عجیب و غریب فسانے ہمیشہ مشہور رہے ہیں ہا کون شاعر انعام ایوانی طبیب ہے جو قرض کو کب کے نام سے واقف نہیں ہوا؟ قرا بادین کبیر جلد دوم ص ۳۱۱ لکھا ہے ”شیخ زکریا نے گفتہ کہ مبالغہ کردہ اندقدا ئے اطباء نے تعلیم اس قرض“۔ شیخ داؤد لکھا ہے ”کہ وجہ تسمیہ اس قرض کو کب ابن است کہ صاحب اس قرض سما جیوس حکیم جو کب کو کب یعنی زحل کردہ بود و زعم سلیموس آنت کہ زحل باں خطاب کردہ بصفت و منافع اس قرض“۔ میں نہیں سمجھتا کہ جو شخص مرہم رسل کا معتقد ہو جائے وہ کیوں قرض زحل سے بدگمان رہے جسکی تعلیم میں تدوائے اہلبائے اس قدر مبالغہ صرف کیا تھا۔ پھر اور سنو۔ اسی قرا بادین میں ایک دوائے شریف تسمیہ اللہ کا نام موجود ہے جسکے معنے ہیں خدا کی بخشی ہوئی دوا (جلد دوم ص ۳۱۱) شیخ نے بھی اپنی قرا بادین میں اسکا بہت کچھ ذکر کیا۔ اور کیا جناب مرزا جی نے کبھی کسی قرا بادین میں کسی دوا کی تسمیہ نہیں پڑھی؟ دوائے کہ دوم اسناد آں کجربٹل امین علیہ السلام نسبت کردہ اندر جہت آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام آوردہ شدہ بطریق تحفہ (قرا بادین اکبری) ۴

مرہم رسل کا یونانی نام جس میں یونانی فرنگستان میں طب جالینوس رائج تھا صا د مرکبات کے ایسے ہی شاعر انعام اور یہ تسمیہ وہاں بھی مشہور تھے۔ ایک تریاق تھا جسکا یونانی نام دو دیکھا جیون ہے بمعنی بارہ دوا۔ اس میں جی بارہ اجزاء تھے جو یونان کے ۱۲ بڑے دواؤں سے منسوب ہوئے۔ مرہم رسل جسکا یونانی نام

ڈوڈیکا فاسکیم یعنی بارہ دوائیں ہے۔ عیسائی اطباء نے یونانیوں کے تریاق بارہ دیتا کہ مقابل
اسکو بارہ رسول کے نام سے منسوب کر کے انگلہٹم اپاسٹو لورم زبان لاطینی میں کہنا شروع
کر دیا دو کیچوڈ اکثر ہوپر کی ڈیکل (کشتی) جسکے معنی میں مرہم رسل اور اس نام میں محض ۲ اعداد
کی رعایت منظور تھی۔ مسلمان اطباء نے اسی عدد ۱۲ کی رعایت سے اسکو اثنا عشری کہا اور اب
مسلمانوں کو بھی حق ہو گیا کہ وہ اسکو بارہ اماموں سے منسوب کر دیں۔ مگر نہ قرص کو کب زحل کا
ویا ہوا نسخہ بخانہ عطیۃ اللہ خدا کا اور نہ مرہم عیسے اور مرہم رسل اور مرہم اثنا عشری متع یا
حواریوں یا اماموں کا دیا ہوا ہے :

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سب سے قدیم نام اسکا اسم باسٹے ڈوڈیکا فادیسکیم ہی تھا یعنی
بارہ دوائیں جسکا ترجمہ اثنا عشری ہو گا مگر یونانیوں کے تریاق کی ریس میں مجوسیوں نے جو نیم ہوتے
تھے اپنے عقیدے کی رعایت میں اسکو مرہم دھرم کہا یہودیوں نے اپنے عقیدے کے حائق
اسکو مرہم شلیخا کہا عیسائیوں نے مرہم رسل اور مسلمانوں نے اثنا عشری۔ غرضیکہ جتنے منہ
اتنی باتیں مگر چونکہ اس قبح شکست و آساقی نامہ یونانی طبابت کا دور دورہ ہی مٹ گیا۔
آگے کو ان اماموں کا سد باب ہو گیا اور اب کتابوں میں نام ہی نام اور شاعرانہ پیش باقی
رہیں۔ جن سے کبھی کبھی بعض عتیار جہلا کو ٹھٹک لیتے ہیں :

لفظ شلیخا اب یہ سوال ہے کہ اس مرہم کا نام شلیخا کیوں پڑا۔ اسکی وجہ تسمیہ کیا ہے اور یہ کس
کی تحقیق زبان کا لفظ ہے۔ مرزا جی نے محض غلط لکھا کہ شلیخا کا لفظ یونانی ہے جو بارہاں کہتے
ہیں۔ یہ بالکل غلط ہے اس لفظ کو یونانی سے کوئی واسطہ نہیں یہ تراجمانی لفظ ہے اور بہت
مشہور جبکہ شفاے عاجل کے ساتھ عوام کے ذہن میں ایک خاص مناسبت تھی اور ذرہ بھی
تعب نہیں اگر کسی سرلیج تاثیر مرہم کو اس نام سے نسبت دی گئی۔ جب یہ لفظ عربی کتابوں میں لے
لیا گیا تو چونکہ وہ شلیخا ایک عربی لفظ بھی ہے بمعنی خوشبو و عطر (دیکھو مفتیہ الارب و قاموس) لوگ
یہ سمجھ گئے کہ لفظ عربی تھا۔ شاید انکا خیال صرف اس قدر ہو کہ چونکہ اس مرہم میں مری کی قسم سے خوشبو

چیزیں شامل تھیں اسلئے اکو مرہم شلیخا کہا یعنی خوشبودار مرہم اور اگر ایسا سمجھا تو غلط سمجھا۔ اس کے متعلق اہل فہم نے ایک اور غلطی کی ہے چنانچہ غیاث اور دیگر کتب تخت میں شلیخا کو لکھ دیا نام مرہم سے کہ از صاحب علیہ علیہ السلام بود۔ اور یہ سطر خط ہے کسی حواری کا نام چنانچہ نہیں ہے چونکہ اس مرہم کو شلیخا بھی کہتے ہیں اور حواری بھی لوگوں سمجھے کہ دو نو ایک بات ہے اور اس طرح یہ غلطی پیدا ہوئی۔

طیب اسرہلی ایسی ہی غلطی میں مرزا صاحب مبتلا ہیں۔ وہ اسکو لیبانی غلط سمجھتے ہیں اور اس کے کا قول اسنی بادران بتلائے ہیں اور مرہم بھی انکی اس غلطی کو الہامی غلطی سمجھتے ہیں کیونکہ انہوں

نے اپنی شہرت کتب طب میں "تالیف افلاطون زمانہ دریس او انہ ابی الہی ابن ابی نصر الحطاب" الاسرائیلی الحصادی کا کتب منہاج الدکان و دستور الاعیان کو بھی داخل کر کے اسکی نسبت

بھی ای دعویٰ کیا ہے کہ اس میں مرہم عیسے کا ذکر ہے اور یہ بھی ذکر ہے کہ وہ مرہم حضرت عیسے کے لئے یعنی انکے رخصت کے لئے بنائی گئی تھی یہ ہم اس کتاب (مطبوعہ مصر کے صفحہ ۴۴) سے نقل

کر کے دکھلائے دیتے ہیں کہ مرزا صاحب نے اس اسرہلی پر بھی کتنا بڑا بہتان باندھا ہے طیب موصوف نے صرف یہ لکھا ہے عروہ المسلم و عروہ المسلمین و عروہ المسلمین و عروہ المسلمین و عروہ المسلمین

ہاں ہ المنظرة بالعبرانی الرسل یعنی مرہم رسل کو مرہم حواریہ میں اور مرہم شلاصین بھی کہتے ہیں۔ اور لفظ شلاصین کے معنی زبان عبرانی میں رسل ہیں۔ چونکہ یہ طیب اسرہلی تھا زبان

عبرانی کا علم اس نے لفظ کے صحیح معنی بھی بتلا دئے اور سمجھا دیا کہ وہ لفظ عبرانی ہے۔ پس مرزاجی نے کبریا اسکو لیبانی کہا ہے کیا یہاں بھی مرزا غلام قادر کے کشف نے دھوکا دیا ہے

اسرہلی پر اب ناظرین خود دیکھ لیں کہ نہ اس فاضل اسرہلی طیب کے حضرت عیسے کا نام لیا نہ مرزا کا بہتان مرہم کو ان سے منسوب کیا نہ حضرت مسیح کے رخصت کی طرف کوئی اشارہ کیا نہ مرہم

عوام کے تباہ خیال کا تذکرہ کیا۔ پھر اب مرزاجی سے کوئی پوچھے کہ تم نے کیوں اس پر بہتان باندھا اور کیوں بڑا ہوسے بوج ہے افتہ خوار کرتا ہے جسے چاہے جس شخص نے فن طبابت کے ایسے

ایسے روشن ستاروں پر جھوٹ باندھا جیسے شیخ الرئیس اور اسرہلی تو اسکا اعتیار اٹھ گیا اور

وہ سیکھ کر کذاب سے گوئے سبقت لے گیا :

حوض شیلوخ اب ہم بتاتے ہیں کہ وجہ تسمیہ اس مرہم کی کیا ہے۔ بیت المقدس میں ایک قدیم کاتھدریکہ حوض تھا شیلوخ اور شیلیخ کے نام سے مشہور جبکہ تذکرہ یسعیاہ ۳۶ وغنیہ ۳۵

میں بھی آیا ہے۔ اور جو آج کل دہاں کے مسلمانوں میں برکتہ سلوان کے نام سے مشہور ہے۔

ایسا ہی ایک دوسرا حوض تھا اسی جگہ بیت جسد یعنی رحمت کا گھر جس کی نسبت مشہور تھا

کہ کبھی کبھی ایک فرشتہ اُسکے اندر تر کر پانی کو بلاتا تھا اور اُس وقت جو بیمار چاہے کسی مرض میں

بتلا ہو جو سب سے پہلے اُس میں اتر جاتا فوراً چنگا ہو جاتا تھا اسکا ذکر انجیل شریف میں آیا ہے۔

اس بیت جسد میں پانی اُسی شیلوخ سے ہو کر آتا تھا۔ دیکھو رابنسن کا سفر نامہ اور تفسیر اور

انجیل یوحنا باب ۹۔ بیت جسد کی طرح یہ شیلوخ بھی حضرت مسیح کے ایک معجزہ کی یادگار ہے جبکہ

بیان یوحنا باب ۹ میں ہوا۔ دہاں لکھا ہے کہ آپ کو ایک مادر زاد اندھا ملا اور آپ نے معجزانہ

اصلی مرہم عیسیٰ طور سے اسکو بینا کر دیا۔ زمین پر پھٹے کا اور تھوک سے مٹی سانی اور وہ مٹی اندھے

کی آنکھوں پر لگا کر اس سے کہا۔ جا شیلوخ کے حوض میں دھو لے جبکہ ترجمہ ہے بھیجا ہوا یعنی

رسول، پس اُس نے جا کر وضو کیا اور بینا ہو کر واپس آیا :

اسی طرح ایک اور اندھے کی آنکھوں پر آپ نے پناہ مبارک لگا کر بینائی عطا کی تھی

مرقس باب ۸ ہم کہتے ہیں کہ اصلی مرہم عیسیٰ ہی تھا جسکے تین اجزا بتائے گئے۔ لعاب روح اللہ۔

اگر یہ اصلی۔ آب شیلوخ۔ اور اسی لفظ شیلوخ اور شیلیخ سے شیلخان گیا اور اُسی سے نسبت

اس مرہم کو دی گئی۔ نہ یہ مرہم عیسیٰ ہے اور نہ مرہم شیلخان بلکہ عیسیٰ اور شیلخان کے نام سے منسوب ہے۔

اور یہی لفظ شیلخان اخذ ہے لفظ رسول کا۔ کیونکہ اسکے لفظی معنی ہی رسول ہے جیسا اسرائیلی نے

بھی بتا دیا۔ اسکو حواری اور رسول سے کوئی واسطہ نہیں بلکہ محض اسکے معنی سے واسطہ ہے شیلخان

اور رسول وہ متعارف الفاظ ہیں۔ اور جب اس مرہم کے بارہ اجزا کا خیال کیا تو لفظ رسول سے

بارہ رسولوں کی طرف ذہن منتقل ہو گیا اور آسانی سے اسکو مرہم رسل کہہ دیا :

حُسن اتفاق سے یہاں ایک اور مناسبت بھی پیدا ہو گئی جس کی وجہ سے بی نام اور بھی زیادہ موزون ہو گیا۔ مرہم کے لغوی معنی ہر قسم کا لپ و ماش میں جو خود نرم ہو اور نرمی پیدا کرے اور اگر یہ لفظ عربی ہے تو بہت سے مشتق ہو گا جس کے معنی ہیں نرمی دو کیمو منتهی الارب) اس معنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ فی الواقع بھی حضرت مسیح کے بارہ حواریوں کے پاس ایک مرہم تھا۔

اصلی مرہم حواریین اور وہ اصلی مرہم رسل تھا چنانچہ انجیل مرقس باب ۶ آیت ۱۲ و ۱۳ میں لکھا ہے کہ خداوند مسیح نے بارہ کو پاس بلا کر ان کو دودو کر کے بھیجنا شروع کیا..... اور انہوں نے روانہ ہو کر مسادی کی کہ تو بیکرد اور بہت بد روتوں کو نکالا اور بہت بیماروں کو تیل مل کر اچھا کیا اسی تیل کو ہم مرہم رسل کہتے ہیں اور شاید یہ لکھنے کی ضرورت نہیں کہ بیت المقدس میں جو تیل استعمال ہوتا ہے وہ روغن زیت ہے جو اس مرہم زریخت کا بھی جزو اعظم قرار دیا گیا اور جو حواریین عیسے کے ہاتھ میں انکی دعا کی تاثیر سے اکبر کا ٹکڑا رکھتا تھا پس جس مرہم کو قدمائے اہلبا نے بہترین مرہم مانا اسکو مرہم رسل سے بہتر اور کون نام دے دے سکتے تھے؟

آخری ماش حواریین عیسے کی سُنّت میں کلیسیا کے درمیان اس وقت تک بیماروں پر تیل ملنے کی رسم جاری ہے چنانچہ حضرت یعقوب حواری نے فرمایا ہے اگر تم میں کوئی بیمار ہو تو کلیسیا کے بزرگوں کو بلوائے اور وہ خداوند کے نام سے اسکو تیل ملکر اسکے لئے دعا مانگیں جو دعا ایمان کے ساتھ ہوگی اسکے باعث بیمار بچ جائیگا اور خداوند اسے اٹھا کر اگر کیا لفظ ہے) اس ہولی رسم کو جبکہ فیض و برکت اس وقت تک جاری ہے رومن کلیسیا میں اکسٹیم اٹکشن یعنی آخری ماش کہتے ہیں جس کے لئے ہر ایک انداز و منہ ہے؟

ہم سمجھتے ہیں کہ اب کسی صاحب فہم کو ذرا بھی وقت نہ رہی کہ مرہم شلیخا اور مرہم رسل کی حقیقی وجہ تسمیہ بخوبی سمجھے اور مرزاجی کے مغالطوں سے باہر نکل آئے؟

عوام کا خیال اس مرہم کی نسبت مرزا صاحب کی غلط بیانیوں شمار میں اسکے اجزائے بھی بڑھ گئی اور مرزائی تردید ہیں۔ ناظرین دیکھیں گے کہ گو اس مرہم کی حواریوں کے ساتھ کسی حقیقی نسبت کا خیال

محض نحو اور بے بنیاد ہوتے تاہم جن لوگوں نے ایسی نسبت مانی بھی وہ بھی یہی کہتے رہے کہ مرہم کو بارہ حواریوں نے ترکیب دیا اور ایک ایک نے ایک ایک دو ایجاد کی۔ اس قول میں گویا ان لوگوں نے اس بات کی صراحت اور تاکید کی ہے کہ یہ مرہم واقعہ صلیب کے قبل ایجاد ہوا یعنی ایسے وقت میں جبکہ بارہ حواریوں کا شمار برقرار تھا۔ مقدس تاریخ کا یہ ایک یقینی واقعہ ہے کہ صلیب سے ایک دن قبل ہی حواریوں کا شمار کم ہو گیا تھا کیونکہ یہود اسکو بونی جو بارہ میں ایک مختار سات کے دائرے سے خارج کر دیا گیا اور قبل واقعہ صلیب کے خود کشی کر کے مر گیا دو بکھو متی (۱۲) پس جب صلیب کے بعد حواری صرف ۱۱ رہ گئے تو وہ مرہم شینکا کے ۱۲ جزئیے ترکیب دے سکتے تھے؟

پھر مرزا جی کس طرح فرماتے ہیں کہ یہ دو اصلیب کے زخموں کے بعد خود ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے الہام کے ذریعے سے جو نیز فرمائی تھی۔ وار و مدار تو مرزا صاحب کا جہلا کے بے سند خیال پر تھا اور یہ کہہ کر آپ نے خود اسکی تکذیب کر دی کیونکہ وہ تو اس دوا کو بارہ حواریوں سے منسوب کرتے تھے اور اس کو واقعہ صلیب کے قبل کا حال بتلاتے تھے نہ کہ صلیب کے زخموں کے بعد کا۔ پھر وہ اسکو حواریوں کے الہام سے نسبت دیتے تھے کہ مسیح کے الہام سے۔ بہر کیف اس سے یہ پتہ لگ گیا کہ آپ خود اس بے بنیاد روایت کو دل سے باطل و لغو سمجھتے ہیں ورنہ اسکے منافی ایسا سخن نہ فرماتے۔ گویا آپ یہ فرماتے ہیں کہ قدیم جاہلوں کو یہ کہنا چاہئے تھا جو انہوں نے نہیں کہا کہ مرہم عیسیٰ نے صلیب کے بعد تیار کیا۔ ہم وہ زمانہ سال بعد اس روایت کی اصلاح کرتے ہیں اور فرض کئے لیتے ہیں کہ وہ لوگ ہمیشہ سے یہی کہتے رہے۔ خوب افق روایت اور درایت کا یہ نیا اصول ہے۔ ہم مرزا جی کو دوا دیتے ہیں:

مرزا کی اختلاف بیانی [مرزا جی کی غلط بیانیوں بے پایاں ہیں۔ آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ نسخہ ان چوٹوں کے لئے نہایت مفید ہے جو کسی ضربہ و منقطع سے لگ جاتی ہیں اور پوٹوں سے جو خون روان ہوتا ہے وہ فی الفور اس سے خشک ہو جاتا ہے۔ اور اس دوا کے استعمال سے حضرت مسیح علیہ السلام کے زخم چند روز میں ہی اچھے ہو گئے۔ اور اس قدر طاقت آگئی کہ

آپ تین روز میں یریشیم سے جلیل کی طرف ستر کوس تک پایادہ گئے“ ص ۳۹۶۔
 حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں نے اس مرہم کی تشریف میں مبالغہ کیا انہوں نے بھی اسکو
 ضربہ وسطہ کا علاج نہیں بتایا جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے۔ اور ہم کو خوب معلوم ہے کہ مرزا جی بھی
 قائل نہیں کہ ایسے مرہم نے کچھ بھی مفید اثر میسج کے زخموں پر کیا ہو۔ ورنہ وہ باوجود تسلیم
 اعجاز مرہم یہ نہ فرماتے کہ واقعہ صلیب کے بعد میسج کے جسم پر تصلیب و کیلوں کے تازہ زخم
 موجود تھے جن سے خون بہتا تھا اور درد و تکلیف اُنکے ساتھ تھے ”ذریعہ جلد ۲ ص ۵۵۵“ ہم
 کو پھر مرزا جی کے حافظہ کی تمکینات اُنکو بے طرح نسیان ستا ہے تھے کہ وہ اپنے تئیں بھی بھول گئے۔
 یہ بحث تو طے ہو گئی۔ مگر مرزا صاحب کے پھر کتے ہوئے تجارتی اشتہارات دیکھ کر جن
 میں وہ اس مرہم کو عجیب و غریب دنیا میں سب سے بڑا تاثیر تیر بہدف بابرکت علاج خاص کر اپنے
 مددگار طاعون کا بتلا کر فی ڈبیر یون اور سوار و سپہ جاہلوں سے وصول کرنے کی کوشش
 کر رہے ہیں۔ ناظرین کے دل میں بہت اشتیاق پیدا ہوا ہو گا کہ آخر اس نسخہ کے وہ
 نادر الوجود اجزاء کیا ہیں جس کے دریافت کرنے کے لئے مرزا صاحب اطباء کے معمولی تجربہ
 اس مرہم کے اجزاء کو کافی نہیں سمجھ سکتے بلکہ ضرورت الہام و اعجاز کو لازم قرار دیتے ہیں۔
 وہ نسخہ موافق قرابادین شیخ الرئيس کے یہ ہے۔ موم سفید۔ راتینج۔ زنگار۔ جاد شیر۔
 اشق۔ زراوند طویل۔ کندر۔ مرکی۔ ہیروزہ۔ مقل۔ مرداسنگ۔ روغن زیت۔
 ناظرین بارہ حواریوں کو دیکھیے اور الہام اور اعجاز مسیحی کو خیال فرمائیے۔ اور
 ان بارہ دوا تیوں کو دیکھیے۔ اور جہاں تک ہو سکے مرزا صاحب اور اُنکے حواریوں
 کو شرمائیے اور پوچھیے کہ یہ کیا اندھیر ہو گیا کہ ہندوستان میں طاعون کی یہ شدت کہ
 الاماں۔ اور وہ بھی خاص اُنسی زمانہ میں جب آپ لوگوں نے اعجاز مسیحی کا بابرکت علاج
 نکالا۔ کیا طاعون بھی پیر قادیاں کے دعووں کی آسمانی تکذیب ہو کر آیا ہے!

سبعہ سرائل

اعضی آدم رتبہ بحث عصمت انبیاء

۲۔ عشرہ کاملہ تحقیق معنی استغفار و ذنب ۳۔ عصمت مسیح از قرآن و حدیث

۴۔ عصمت مسیح از اناجیل و حدیث و شبہات ۵۔ موت و بعثت مسیح

۶۔ مرزا کا خبط کشمیر افشاں راز مرزا خان یار ۷۔ مرہم رسل

فہرست مضامین

صفحہ	مرزا لکیر کے فقیر	موضوع	ویساچہ
۵	معصوم کی مرزائی تعریف	۱	۱۔ بحث عصمت انبیاء
"	اس تعریف کی لغویت	۱	عیسائیوں کا عقیدہ
"	ہماری سختی	"	اہل اسلام کا عقیدہ
۶	مسلمانوں کی خدمت میں ہماری گزارش	۳	رابط اقوال
"	بحث کا اختصار	"	تعریف معصوم
۸	اصول تفسیر القرآن	"	آزاد تحقیق
"	ہمارا قضیہ	۴	مرزا کی مرزائی رائے

صفحہ ۸	تقریب گناہ	صفحہ ۲۱	محقق مفسرین کی رائے
۹	گناہ حضرت آدم	۲۳	حدیث شریف تھی سند
۱۱	حضرت آدم والوغرم نبی نہ تھے	۲۴	مرزا جی کے فہم کا قصور
۱۲	مرزا کی تحریف	۲۵	مرزا جی کی قرآن وانی
۱۳	لفظ غم پر بحث	۲۶	مرزا جی کی ناعاقبت اندیشی اور
۱۴	تفسیر کی سند	۲۷	حضرت اسماعیل کی عصمت
۱۵	بھول جانے کا عذر	۲۸	فصل الخطاب
۱۶	بھول جانے کے	۲۹	عصمت انبیاء یا عصمت صلحاء
۱۷	آیت کے صحیح معنی	۳۰	بخشہ کاملہ تحقیق معنی استغفار و ذنب
۱۸	دوسری آیت	۳۱	مرزا جی کا طبع مزاج
۱۹	تاویل لفظ غوی	۳۲	مرزا جی اور تعلیم یافتہ مسلمان
۲۰	معنی لفظ غوی	۳۳	اہل فریب اور مرزا جی
۲۱	حضرت آدم پر شرک کا الزام	۳۴	صحیح ترجمہ
۲۲	مرزا کا ترجمہ	۳۵	مرزا جی کا غلط ترجمہ
۲۳	امتنع طلب	۳۶	مرزا جی کی غلط بیانی
۲۴	آدم کا نام آیت میں ندارد	۳۷	استغفار کے صحیح معنی
۲۵	قرآن آپ اپنا مفسر	۳۸	مرزا جی کی شرط
۲۶	خدا کی پیدائش	۳۹	معفرت کے معنی
۲۷	مرزا جی کا اقرار	۴۰	معفرت کے لئے گناہ لازم
۲۸	مرزا جی پر ہمارا تشدد	۴۱	مرزا جی کا اذکار اور اسکی تردید
۲۹	امام رازی کا اقرار	۴۲	ذنب بمعنی جرم

صفحہ ۵۱	ہمارے سوال	صفحہ ۴۹	تعلیٰ
"	مرزا کے خلیفہ کی پریشانی	"	سند حکیم نور دین
۵۲	الٹا منطق	"	مرزا کی اختلاف بیانی
۵۳	ہماری حجت	۴۱	لفظ جرم قرآن میں ندارد
"	امر قابل غور	"	دی بھی مجرم نہیں
۵۴	مخصوصیت مسیح از قرآن و حدیث	"	مرزا جی کے خلیفہ کی تاویل
"	باعینار عصمت مسیح کی فضیلت	۴۲	یہ لفظ آنحضرت پر چسپان کیا گیا
۵۵	مرزا جی ادھر کے ہوئے نہ ادھر کے ہوئے	"	مرزا کے خلیفہ کی غلطی نوٹ
"	مسیح استغفار و نسب سے بری ہوئے قرآن	۴۳	مجرم بھنے ذنب
۵۸	بروئے حدیث	"	ظلم بمعنی جرم
"	مسیح مس شیطان سے پاک بروئے قرآن	۴۴	ظلم انبیاء سے منسوب
۵۹	مرزا جی اور مس شیطان	"	عصیاں بمعنی جرم انبیاء سے منسوب
۶۰	معنی حدیث مامن مولود	"	یونس کا ظلم اور مرزا کی اختلاف بیانی (نوٹ)
۶۱	حدیث کی صحت	۴۵	بے ایمان یا بوقوف (نوٹ)
"	عصمت صدیقہ مریم	۴۶	میشائے انہیتین اور غلط ترجمہ
۶۲	تولد بے پدر	۴۸	صحیح ترجمہ
"	مرزا کا اقرار و انکار	۴۹	دو شاہد
۶۳	تولد بے پدر کا اقرار	"	تتسیر القرآن
"	مرزا کی مشغول	"	نابالغ مرزائی (نوٹ)
۶۵	تولد بے پدر کی نظیر مفقود	"	عقلی قریبہ
"	پیدائش آدم	۵۰	مسیح اس آیت کے مفہوم سے خارج

۸۰	مسیح	۶۷	لبن الطہر صدیقہ
۸۱	مسیح کے طبائع کی نوعیت	۶۸	مسیح آیت اللہ
۸۲	بچے کی گواہی	۶۹	تعلیم قادیان
۸۳	عیسے کی فضیلت بچے پر	۷۰	اسباب عصمت جو مسیح میں بہم ہوئے
۸۴	مسیح کی کامل راستبازی	۷۱	نبوت ماورزاو
۸۵	بچے مسیح کے مرشد نہیں	۷۲	خصوصیت مسیح
۸۶	مسیح مجھ کو بھی	۷۳	عظمت روح اللہ
۸۷	مسیح کو اصطلاح کی ضرورت	۷۴	ہم عصمت مسیح ارا نا جیل
۸۸	جو ازے	۷۵	مرزا اور رحمت اسلام
۸۹	یہود کا الزام	۷۶	حضرت خضر پر نکتہ چینی
۹۰	حضرت بچے کی روزہ داری	۷۷	مرزاجی کی مفروضہ امامت
۹۱	مسیح کی غذا	۷۸	مرزاجی کی انجیل دانی
۹۲	شراب اطہور	۷۹	مرزا کا مسیح کے حق میں جن ظن
۹۳	شرابی گنہگار	۸۰	سفر تسلیم خم
۹۴	عشائے ربانی کی حقیقت	۸۱	من آنم کہ من دانم
۹۵	نقل کفر	۸۲	پلاطوس کی شہادت
۹۶	مرزا گالی دیتا ہے	۸۳	دشمن جان کی شہادت
۹۷	ایک اور بہتان	۸۴	اہل عصر کی شہادت
۹۸	مرزا کی ضابثت	۸۵	مرزا کے اعتراضات کا خلاصہ
۹۹	ماں کی بے ادبی	۸۶	نیک استاد
۱۰۰	مرزا سوڑوں کے حامی		

۱۲۳	مرزا کا گلدستہ لغویات	۹۵	مسیح کے مجوسے
۱۲۴	مرزا جی کے بھائی کی روح	۹۶	انسان کا صدقہ ایمان
۱۲۵	فخر و دومان	۹۷	قتل خنزیر
۱۲۶	فالنی اور جلائی جسم	۹۸	مرزا اور بیٹی
۱۲۷	مسیح کے زخموں کی حقیقت	۹۹	یوحنا الاندین کفر و
۱۲۸	مسیح کے زندہ شدہ جسم کی تبدیلی	۱۰۰	مرزا کی غلط فہمی
۱۲۹	نوٹو دوش روسی کا شانہ	۱۰۱	مسیح کی دعا
۱۳۰	مرزا جی کے دعا دی	۱۰۲	بائی چور
۱۳۱	مرزا جی مشکل میں پھنسے	۱۰۳	مسیح عالم ارواح میں
۱۳۲	بوسیدہ کتابیں	۱۰۴	مسیح کی طفلی کا مبارک عہد
۱۳۳	نئے ہوئے کتبے	۱۰۵	مسیح کا عہد شباب
۱۳۴	کئی لاکھ چشم دید گواہ	۱۰۶	من الصالحین
۱۳۵	یہودی شاہد	۱۰۷	مسیح کی موت و بعثت کا اثبات
۱۳۶	خان یار کا چبوترہ قبر بنیں	۱۰۸	مسیح کی موت پر اہل جہان کا اتفاق
۱۳۷	صدیقہ کی قبر	۱۰۹	ناوان و دوستوں کا خیال
۱۳۸	علم اللسان	۱۱۰	ناوان دشمنوں کا خیال
۱۳۹	باب لٹروں رارخ	۱۱۱	ماتخذ مصلومات قادیانی
۱۴۰	مرزا کا خط التشمیر اور شہادت اہل قرآن و حدیث	۱۱۲	مرزا کی دلائل کا لب لباب
۱۴۱	ٹافٹر پر نکالیا گیا	۱۱۳	مسیح کی اوتیس صلیب سے پہلے
۱۴۲	صلیب کی شرمندگی	۱۱۴	دوسرے کی سزا
۱۴۳	مصلوب ہونا اور مرنا	۱۱۵	مصلوب کرنے کا طریقہ
۱۴۴	صلیب کے اوپر شہادت	۱۱۶	انسانی جسموں میں فرق
۱۴۵	حضرت مسیح کی دعا اور اسکی قبولیت	۱۱۷	جہنم کی بعثت اور مرزا کا خط التشمیر

۱۶۲	رومی قرا بادین	۱۴۵	صلیب کی شان
۱۶۳	ترمیم و عوے	۱۴۶	ابی اہلی لما سبتقتنی
"	نہرست کتب طب	"	اسرائیل کے گھر لے کی کھوئی ہوئی بھیڑیں
"	بو علی سینا	۱۴۸	عرب کے گم شدہ اسرائیلی
۱۶۴	مرزا کا بہتان	"	یونس نبی کی تمثیل
"	عوام کا خیال	۱۵۰	کشمیر کی طرف صبح اشارہ
"	علاج ضربہ و سقطہ	۱۵۱	کشمیر کی مرزائی تعریف
۱۶۵	اس مرہم کے مختلف نام	"	صلیب کے پیدہ مصیبت کا زمانہ
"	وجہ تسمیہ	۱۵۲	ربوہ فلسطین میں
۱۶۶	مرکبات کے شاعرانہ نام	۱۵۳	مرزا کے دو جھوٹ
"	مرہم کا یونانی نام اور وجہ تسمیہ	"	حضرت مسیح کی عمر
۱۶۷	لفظ شیلخی کی تحقیق	"	مرزا کے لخواہ اقوال
۱۶۸	طیب اسرائیلی کا قول	۱۵۴	تین حدیثوں میں مرزا کی تحریف لفظی اور معنوی
"	اسرائیلی پر مرزا کا بہتان	۱۵۶	مرزا کے دعوے کے خلاف حدیث
۱۶۹	حوض شیلخ کا تذکرہ	۱۵۷	نہ خدا ہی ملانہ وصال صتم
"	اصلی مرہم عیسیٰ	۱۵۸	مرزا اور اسکے دعوے
۱۷۰	اصلی مرہم حواریں	۱۵۹	مسیح کے رفع بھائی پر مرزاجی کی فیلسوفی
"	آخروی مالش	۱۶۱	مرہم رسل
"	عوام کا خیال اور مرزا کی نزدیک	"	مرزا کا دعوے
۱۷۱	مرزا کی اختلاف بیانی	"	اعجاز عیسوی
۱۷۲	اس مرہم کے اجزا	"	مرغ عیسیٰ
		۱۶۲	دو سوال

شری بالکنڈ شیم پرپس ہسپتال روڈ لاہور میں باہتمام ہینڈل کمن گوپال
میجر جیپا اور مسٹر ایف۔ ڈی۔ وارث۔ سکریٹری پنجاب ایچس وی ایف جی
نار کلی لاہور نے شائع کیا ۛ

احری درج شدہ تاریخ پر یہ کتاب مستعار
لی گئی تھی، مقررہ مدت سے زیادہ رکھنے کی
صورت میں ایک آنہ یومیہ دیرانہ لیا جائے گا۔
